غریبِ طوس

حضرت امام علی رضا علیہ السلام



تالیف: فضل اللہ کمپانی
ترجمہ: محمد بشیر عالمی اسکردوی

مولا امام رضا علیہ السلام

تالیف

فضل اللہ کمپانی



ترجمہ:

محمد بشیر عالمی اسکردوی

کریم پبلیکیشنز لاہور

نام کتاب .... مولا امام رضا

تالیف: .... فضل اللہ کمپانی

ترجمہ: .... محمد بشیر عالمی اسکردو

کمپوزنگ .... محمد بشیر عالمی و محمد عابس عالمی

اشاعت .... جنوری 2007ء

ناشر .... کریم پبلی کیشنز لاہور

مطبع .... کیو، وائی پریس لاہور

قیمت .... **165** روپے

ڈیلرز

کراچی	لاہور	اسلام آباد
رحمت اللہ بک ایجنسی	افتخار بک ڈپو	محمد علی بک ڈپو
محفوظ بک ایجنسی	مکتبۃ الرضا	اسلامک بک سنٹر

سید جعفر علی اینڈ سنز بھکر، مکتبہ کاظمیہ ملتان، زیدی کتب خانہ خیر پور میرس، حسنین بک ڈپو راولپنڈی، مکتبۃ النجف کوٹلی امام حسینؑ، جامعہ امام الصادقؑ کوئٹہ، قمر بنی هاشم لائبریری پشاور، اسد بک ڈپو حیدر آباد، جعفری کتب خانہ لاڑکانہ، کتاب محل لیہ، قرآن سنٹر سیالکوٹ، مکتبہ نعیم ساجد شیخوپورہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

....

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وثناء اس خدا کے لئے سزوار ہے جس کی حمد وتعریف کا حق کسی بھی نطق کرنے والے سے ادا نہیں ہو سکتا اور حساب لگانے والے اس کی نعمتوں کو شمار کرنے سے عاجز ہیں وہ خدا کہ جس کی معرفت کی بے پایاں فضا میں بلند ہمت والے بھی پرواز سے قاصر ہیں اور عقل و فکر کے غواص اس کے دریائے ابدیت کی گہرائیوں تک پہنچنے سے عاجز رہے درود وسلام ہو خدا کے رسولوں اور نبیوں پر مخصوصاً حضرت خاتم الانبیاء اور ان کے وصی حق پر جو شریعت کے چراغ کو روشن رکھنے والے اور توحید و راہ حقیقت کے پیروکاروں کے راہنما ہیں ''صلوۃ اللہ علیہم اجمعین''۔

تاریخی مسائل اور ماضی کے بزرگان اور نامور شخصیتوں کے حالات سے آگاہی اور آشنائی حاصل کرنا آج کے انسانوں کے لئے مختلف اجتماعی، علمی اور دینی پہلوؤں سے مفید بلکہ بعض مقامات پر لازم اور ضروری ہوتا ہے، مخصوصاً ان لوگوں کے حالات سے واقف

ہونا جو خدائی تھے اور ان کے وجود معاشرتی اعتبار سے دگرگونی اور انقلاب کا سبب بنتے ہیں۔

یقیناً ایسے لوگوں کے مصادیق میں ایک کامل مصداق ثامن الحجج حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام ہیں کہ جن کا جسد مبارو وطن عزیز ایران کی سرزمین میں ایک گنجینہ کے مانند مدفون ہیں اور ان کا مرقد مطہر دنیا کے صاحبان دل کے لئے کعبہ اور طوافگاہ بنا ہوا ہے۔

راقم جو کہ توفیقات الٰہی سے کئی دفعہ آنحضرتؑ کی بارگاہ ملکوتی کی زیارت کا شرف حاصل کر چکا ہے اس عظیم نعمت اور شرف کے شکرانے میں مختلف تاریخی مدارک اور حوالوں کی طرف رجوع کر کے آنحضرت کی حیات مبارک کے بارے میں کچھ مطالب مرتب کئے ہیں اور اب رب العزت کی توفیق اور تائید سے ان مطالب کے مجموعے کو کتاب کی شکل دے کر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تا کہ خدا کرے کہ یہ ناچیز خدمت بارگہ حق میں شرف قبولیت پا کر آخرت کے لئے زادراہ ثابت ہو۔

و من اللہ توفیق و علیہ التکلان

اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

فضل اللہ کمپانی

عرض مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْاَوَّلِ بِلَا اَوَّلٍ کَانَ قَبْلَہُ وَالْاٰخِرِ بِلَا آخِرٍ یَکُوْنُ بَعْدَہُ، ثُمَّ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ، وَلَعْنَةُ اللّٰہِ عَلٰی اَعْدَآئِهِمْ مِنَ الْآنِ اِلٰی قِیَامِ یَوْمِ الدِّیْنِ.

میں اپنے آقا کی کون کونسی نعمت کا شکر ادا کروں؟ بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں سراپا ان کی بے پایاں عنایتوں اور محبتوں میں غرق ہوں اور ہر لحظہ ان کی قربت کا احساس قلب و روح کو آرام وسکون عطا کرتا ہے۔ جب بھی ان کے طلائی گنبد پر نگاہیں ٹھہرتی ہیں، حجت خدا کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔خدا کرے کہ آپ کو بھی یہ جنت عطا ہو۔ یہ ایک ایسی سرزمین کا ٹکڑا ہے جو گوہر عصمت کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے اور فرزند زہراؑ کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ملکوتی بارگاہ میں حاضر ہونے کی ہر کوئی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ صرف وہی آسکتا ہے جس کو آقا کا بلاوا ہو، وہی حاضر ہوسکتا ہے جس پر آپؑ کی نظر کرم ہو۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا گوشہ جگر آرام فرما رہا ہے۔ یہ پناہ ہے بے پناہوں کیلئے، یہ سہارا ہے بے سہاروں کیلئے، یہ سرمایہ ہے فقیروں کیلئے، یہ نور ہے جہل وعصیاں کے اندھیروں میں ڈوبے

ہووں کیلئے، یہ شفا ہے مریضان لادوا کیلئے، یہ عطا ہے مسکینوں کیلئے، یہ امید ہے بے نواؤں کیلئے، یہ خوشبو ہے رسول کی، یہ مہک ہے بتول کی۔

یہاں سے اندھے بینائی پا جاتے ہیں، فالج زدہ اور زمین گیر شفایاب ہو کر جاتے ہیں، گمراہ نجات کی راہ پاتے ہیں۔ یہاں سے صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ دوسرے ادیان و مکاتب کے پیروکار بھی دامن نیاز پُر کر کے جاتے ہیں۔ یہاں امیر و غریب، شاہ و گدا اور میر و فقیر میں کوئی فرق نہیں بلکہ بھی فیض و کرم کے چشمے سے سیراب ہو کر جاتے ہیں۔

ترے کرم کی برستی ہیں بارشیں سب پر تجھے امیروں غریبوں میں امتیاز ہے کیا!

لہذا ہمیں چاہئے کہ ایسے مقام کی قدر و منزلت کو جان کر معرفت کے ساتھ زیارت بجالائیں تا کہ یہ ہماری شفاعت اور نجات کا سامان ہو۔ خود امام رضا -کی حدیث شریف ہے:

مَنْ زَارَنِیْ وَهُوَ یَعْرِفُ مَا اَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالیٰ مِنْ حَقِّی وَطَاعَتِی فَاَنَا وَ آبَائِی شُفَعَاؤُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ کُنَّا شُفَعَائَهُ نَجیٰ.

یعنی جو شخص اس معرفت کے ساتھ کہ خدا نے میرا حق اور میری اطاعت اس پر واجب قرار دی ہے، میری زیارت کرے گا تو میں اور میرے آباء قیامت کے دن اس کی شفاعت کریں گے اور جس کی ہم نے شفاعت کی وہ نجات پا گیا۔

اسی ہدف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کتاب کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جسے جناب مؤلف نے مختصر اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ تحریر فرمائی ہے۔ امید ہے کہ مؤمنین اس کو پڑھ کر اس نور خدا کی زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل کریں گے۔

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

العبد

محمد بشیر عالمی اسکردوی مشہد مقدس

۳ شعبان معظم ۱۴۲۷ھ/۲۸ اگست ۲۰۰۶ء

پہلا باب

قبل از امامت:

۱۔ تاریخ ولادت

۲۔ حسب ونسب

۳۔ بچپنا اور جوانی

۴۔ اخلاق حسنہ

تاریخ ولادت

گیارہ ذیقعدہ ۱۴۸ ہجری قمری کو مدینہ منورہ میں آسمانِ ولایت پر ایک روشن ستارہ چمکا اور شیعوں کے آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے اس دنیا میں قدم مبارک رکھا۔ آپؑ اپنے پدر بزرگوار کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔

۱۔ صبحدم چون ز افق مهر فروان خیزد
وزپی ظلمت شب چشمه حیوان خیزد
۲۔ کمان خانۂ خورشید پی راندن شب
هر زمان تیر زمژگان زرافشان خیزد
۳۔ خسرو روز پی روشنی عالم خاک
زسراپردۂ افلاک شتابان خیزد
۴۔ مهر تابنده چولبخند زند بررخ باغ
گل زآغوش چمن بارخ خندان خیزد

۵- لاله با چهرهٔ افروخته از دامن دشت
سبزه باقامت نورسته زبستان خیزد آید
۶- آهنگ طرب خیز ودل انگیز زباغ
درچمن نغمهٔ مرغان خوش الحان خیزد
۷- آمد آن ماه که ازبهر تماشای رخش
قرص خوشیدسراسیمه زکیوان خیزد
۸- آمد آن گل خندان که زانفاس خوشش
زفضا بوی گل و سنبل و ریحان خیزد
۹- آمد آن چشمهٔ فیاض که ازفیض دمش
ابر رحمت زپی ریزش باران خیزد
۱۰- سرو جان در قدمش ریز که دلدادهٔ دوست
بتمنای نگاهی زسر جان خیزد
۱۱- آفتابا بفروزندگی خویش مناز
نَجمه رابین که چه خورشیدز دامان خیزد
۱۲- چهرهٔ زهره بپوشان که زمام ملکوت
زهرهٔ فاطمهٔ باچهرهٔ تابان خیزد
۱۳- مهر هر صبحدم آرد سر تعظیم فرود
پیش این مهر که ازخاك خراسان خیزد
۱۴- خرّم آن تازه نهالی که زهر شاخهٔ آن

شاخه های ادب و حکمت و عرفان خیزد

۱۵ـ آیت شیرخدا بین که بفرمان رضا
شیر از پرده پی حمله هراسان خیزد

۱۶ـ بهرِ روبیدن خاك حرم خسرو طوس
جبرئیل از فلك و حور ز رضوان خیزد

۱۷ـ درتن مرده د مدروح چو انفاس مسیح
هرنسیمی که از ین طرفه گلستان خیزد

۱۸ـ پیرو اهل نظر چون خط رزدست بدست
هرکلامی که از آن لعل دُردافشان خیزد

۱۹ـ پیش فرمان همایون رضاپیك قضا
دست برسینه پی بردون فرمان خیزد

۲۰ـ مطلع نور خدا آینهٔ طلعت اوست
که دمادم ز رخش آیت یزدان خیزد

۲۱ـ شاخساری که از آن میوهٔ رحمت ریزد
آفتابی که از آن پرتو ایمان خیزد

۲۲ـ پور موسی چو کند جلوه در آینهٔ طور
از پی دیدن حق موسی عمران خیزد

۲۳ـ چهره از خاك درش ای دل نومید متاب
که زخاکش همه سرچشمهٔ احسان خیزد

۲۴-نیست جز رشحه ای از چشمهٔ الطاف رضاؑ
آنچه از طبع سخن سنج و سخندان خیزد

۲۵- میوهٔ شاخه توحید که در گلشن فیض
هردم از لعل لبش نعمهٔ قرآن خیزد

۲۶-هر زمان ملك شود دستخوش موج زوال
خسرو دین زپی یاری ایران خیزد

۲۷-باچنین نعمت شاهانه محال است رساؔ
که گدائی زسر سفرهٔ سلطان خیزد

ترجمہ:

۱۔ چمکتا ہوا سورج جب صبح کو افق سے نکلنے لگے اور رات کی تاریکی کے بعد زندگی کا چشمہ پھوٹنے لگے۔

۲۔ شب کو دور بھگانے کیلئے خورشید کے کمان خانہ سے جب اس کے زرافشاں پلکوں کے تیر برسنے لگیں۔

۳۔ دن کا بادشاہ، عالم خاکی کو روشنی بخشنے کے لئے افلاک کے پردہ سرا سے جلدی کرنے لگے۔

۴۔جب مہر تاباں باغ کو دیکھ کر مسکرانے لگے اور پھول چمن کی آغوش میں ہنسنے لگے۔

۵۔لالہ دمکتے ہوئے صحرا کے دامن میں، اور تر و تازہ و سبزے گلشن میں ابھرنے لگے۔

۶۔(اور جب) باغ سے پر کیف اور دل انگیز سازوں کی آواز آنے لگے اور چمن میں خوش آواز پرندے نغمہ سرائی کرنے لگیں۔

۷۔ اور وہ چودھویں چاند آگیا جس کے رخ کو دیکھ کر سورج بھی آسمان پر پانی پانی ہوا۔

۸۔ آگیا وہ گل خندان کہ جس کے معطر سانسوں سے گل و سنبل اور ریحان بھی فضا میں مہکنے لگے۔

۹۔ آگیا وہ فیض و کرم کا چشمہ کہ جن کے وجود کی برکت سے باران رحمت برسنے والے ہیں۔

۱۰۔ دل و جان سے ان کے قدموں میں گر جاؤ کہ عاشق اپنے محبوب کی ایک جھلک کیلئے جان کی بازی لگاتا ہے۔

۱۱۔ اے سورج اپنی چمک اور روشنی پر نازمت کر: ذرا نجمہ (خاتون) کو دیکھ! کیا آفتاب عالمتاب دامن میں لئے ہوئے ہے۔

۱۲۔ زہرہ (نامی ستارے) کا چہرہ ڈھانپ دو کہ فاطمہ کا چمکتا ستارہ جو عالم ملکوت کا زمامدار ہیں، اپنی تابانیوں کے ساتھ طلوع کر چکے ہیں۔

۱۲۔ سرزمین خراسان سے ابھرنے والے اس خورشید کے سامنے سورج ہر صبح سر تعظیم خم کرتا ہے۔

۱۳۔ اس نورستہ نہال کا کیا کہنا کہ جس کی ہر شاخ سے ادب و حکمت اور معرفت کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔

۱۴۔ شیر خدا کی نشانی دیکھو کہ (ان کے اشارے پر) پردوں پر نقش کیے ہوئے شیر بھی اٹھ کر حملہ کرنے لگتا ہے۔

۱۵۔ شہنشاہ طوس کے حرم (مبارک) کے گرد و غبار جھاڑنے کے لئے جبرئیل آسمان

ہے اور حور جنت سے آتی ہیں۔

۱۶۔ (امامت کے) اس گلستان سے اٹھنے والی نسیم کی ہر موج، دم عیسیٰ کی طرح ہر مردہ جسم میں روح پھونک دیتی ہے۔

۱۷۔ صاحب نظر پیروکاروں کے لئے ان کے دُرافشاں لبوں سے نکلنے والی ہر بات ہتھیلی کی لکیروں کی طرح واضح وآشکار ہے۔

۱۸۔ آقا امام رضاؑ کے حضور میں قضا کا قاصد ہاتھوں کو سینے پر رکھے ہوئے فرمانبرداری کے لئے تیار ہے۔

۱۹۔ اس نور خدا کے مظہر سے الٰہی جلوے نمایاں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے چہرے سے ہر دم خدا کی نشانیاں نظر آنے لگتی ہیں۔

۲۰۔ یہ وہ شاخ ہے کہ جس سے ہر دم رحمت کے میوے جھڑتے ہیں، یہ وہ آفتاب ہے کہ جس سے ایمان کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

۲۱۔ فرزند موسیٰؑ جب طور کے آئینے میں اپنا جلوہ دکھائیں گے تو موسیٰ بن عمران بھی حق کے دیدار کیلئے آپہنچیں گے۔

۲۲۔ اے ناامید دل! ان کے چوکھٹ سے اپنا چہرہ (اٹھانے میں) جلدی نہ کر کہ (درحقیقت) ان کی دہلیز ہی ہر احسان کا سرچشمہ ہے۔

۲۳۔ اہل سخن اور نکتہ سنجوں کے ذوق طبع سے جو کچھ وجود میں آتا ہے وہ (مولا) رضاؑ کے لطف وکرم کے چشمے کا ایک قطرہ ہے۔

۲۴۔ یہ گلشنِ فیض میں شاخِ توحید کا میوہ ہے جن کے لعل نما سرخ لبوں سے ہر دم نغمۂ قرآن کی صدا بلند ہوتی ہے۔

۲۵۔ جب بھی ملک پر کوئی زوال آنے لگتا ہے تو یہ شہنشاہ دین ایران کی مدد کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۶۔ اے رسا!! ایسی شاہانہ نعمتوں کے ہوتے ہوئے کسی گدا کا سلطان (جن وانس) کے دستر خوان سے اٹھ کر جانا محال ہے۔(۱)

آپ کی تاریخ ولادت کے سال اور دن کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ بعض منجملہ شیخ صدوق نے آپ کا روز ولادت گیارہ ربیع الاول ۱۵۳ ہجری لکھا ہے جبکہ کلینی اور شیخ مفید نے گیارہ ذی الحجہ ۱۵۳ ہجری ذکر کیا ہے۔(۲)

....

۱۔ دیوان اقاۓ ڈاکٹر قاسم رسا ملک الشعراء ناشر: آستان قدس رضوی نقل از کتاب عمادزادہ ج ۱ ص ۷۶

۲۔ (عیون اخبار الرضا ج ۱، باب ۳ نقل از کتاب عمادزادہ جلد ۱ ص ۷۶)

حسب ونسب

آپ کے پدر گرامی حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کسی تعارف وتوصیف کے محتاج نہیں۔ البتہ آپ کی والدہ گرامی کی کنیت ام الولد اور نام نجمہ خاتون تھا جو تکتم، طاہرہ اور ام البنین وغیرہ کے ناموں سے بھی جانی جاتی تھیں آپ کی مادر گرامی جو باختر سے تعلق رکھتی تھیں، کے بارے میں متعدد روایتیں آئی ہیں ہم ان میں سے دو روایتوں کو بشرح ذیل لکھدیتے ہیں:

ا۔ کلینی نے کافی میں اور اسی طرح شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں ہشام بن احمر سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے مجھ سے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ آج ایک غلام فروش ہمارے شہر میں آچکا ہے؟ ہشام نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو امام نے فرمایا:

کیا تم میرے ہمراہ آجاؤ گے کہ ہم اس کے پاس چلے جائیں؟

ہشام نے ہاں میں جواب دیا اور آنحضرتؑ کے ہمراہ غلام فروش کے پاس چلا گیا۔ اس شخص نے فروخت کرنے کی غرض سے بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو اپنے ساتھ لایا

تھا۔امام نے فرمایا:

چاہتا ہوں تیری کنیزوں کو دیکھ لوں! اس نے اپنی کنیزوں کو امام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا کوئی اور کنیز بھی ہے؟ اس نے جواب دیا: صرف ایک اور ہے جس کی حالت کچھ اچھی نہیں۔

امام ہفتم علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی بات نہیں اس کو میرے سامنے پیش کر دو! غلام فروش چلا گیا اور کچھ دیر اس طرف اُس طرف جانے کے بعد اس نے کنیز دکھانے سے انکار کیا۔

امام نے ہشام کو اشارہ فرمایا کہ واپس چلیں۔ دوسرے دن امام نے ہشام کو بلا بھیجا اور اس سے فرمایا:

اسی غلام فروش کے پاس جاؤ جس کے پاس ہم کل گئے تھے اور اسی کنیز کو ہر قیمت پر خرید کر لے آؤ جس کے دینے سے وہ انکار کر رہا تھا۔ ہشام اس غلام فروش کے پاس چلا گیا اور اس کنیز کی خرید کیلئے منہ مانگی قیمت دینے کی پیشکش کی۔ اس نے آخر کار قبول کیا اور کنیز کو ہشام کے حوالے کرنے سے پہلے پوچھا:

بھائی مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے!

ہشام نے کہا: پوچھو کیا سوال ہے؟ اگر میرے علم میں ہو تو میں جواب دوں گا۔

غلام فروش نے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل جو شخص تیرے ہمراہ آیا تھا، وہ کون تھا؟

ہشام نے بڑے غور سے اس کی طرف تکتے ہوئے اور اس کے اس سوال کے مقصد کے

بارے میں سوچتے ہوئے جواب دیا:

قبیلہ بنی ہاشم کا ایک مرد تھا۔

کس خاندان سے اس سے آگے کچھ نہیں بتاؤں گا! بتاؤ تیرا، ان سوالوں سے کیا مقصد ہے؟

اس غلام فروش نے اپنے سینے کو صاف کرتے ہوئے کہا: اگر حقیقت جاننا چاہتے ہو تو سن لو! میں نے اس کنیز کو مغرب کے دور ترین علاقوں سے خرید کر لایا تھا۔ ایک روز ایک اہل کتاب خاتون نے اس کو میرے ہمراہ دیکھ کر حیرانی سے پوچھا: یہ کنیز کس کی ہے؟

میں نے جواب دیا کہ اس کو خرید کرلے آیا ہوں۔ اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ میں نے پوچھا کیوں حیرت میں ڈوب گئی ہو؟

کہا: آخر اس کنیز کو چاہیے کہ روئے زمین کے برترین شخص کی ملکیت میں ہو اور اس سے ایک ایسے بیٹے کو جنم دے جس کی طرح مشرق و مغرب میں اور کوئی پیدا نہ ہوا ہو۔

(ہشام کہتے ہیں:) میں نے اسے امام -کی خدمت میں پیش کیا اور مختصر مدت کے بعد حضرت امام رضا -ان سے متولد ہوئے۔(۱)

۲۔ شیخ صدوق "عیون اخبار رضا" میں نقل کرتے ہیں کہ حمیدہ خاتون مادر امام موسیٰ کاظم ؑ نے ایک کنیز خرید لی جس کا نام تکتم تھا جو عقل و دین کے اعتبار سے تمام عورتوں سے افضل و برتر تھیں اور وہ حمیدہ خاتون کا نہایت احترام کیا کرتی تھیں اور ان کے حضور

۱۔ اصول کافی ج۲، کتاب حجۃ۔ ارشاد شیخ مفید" ج۲

میں بھی بیٹھتی نہیں تھیں۔

حمیدہ خاتون نے اپنے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم ؑ سے کہا:

بیٹے، میں نے آج تک تکتم جیسی نیک کنیز نہیں دیکھی ہے اگر اس سے کوئی اولاد ہو جائے تو یقیناً خدا تعالیٰ اس کو جلد ہی بلند مرتبہ عطا کرے گا اور میں اس کو تجھے بخش دیتی ہوں پس (لوگوں سے) کہا جائے اس کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کا احترام کیا جائے۔

جب امام رضا علیہ السلام متولد ہوئے تو آنحضرتؑ نے نجمہ کو طاہرہ کا نام دیا۔(۱)

اسی طرح علی بن میثم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ جب حمیدہ (مادر موسیٰ کاظم) نے نجمہ کو خرید کیا تو (ایک دن) عرض کرنے لگیں کہ: میں نے رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا جو مجھ سے فرما رہے تھے کہ اے حمیدہ! نجمہ کو اپنے بیٹے کے لئے بخشدو کہ جلد ہی موسیٰؑ کیلئے نجمہ سے (ایک ایسا بچہ) متولد ہوگا جو اہل زمین میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔ حمیدہ (خاتون) نے نجمہ موسیٰؑ کے لئے بخش دی اور حضرت رضا علیہ السلام کے تولد کے بعد نجمہ کو طاہرہ کا نام دیا۔(۲)

نجمہ اس قدر پرہیز گار اور عابدہ خاتون تھیں کہ امام رضا علیہ السلام کی شیر خوارگی کے زمانے میں آپؑ نے ایک دوسری دایہ کا تقاضا کیا تا کہ وہ بچے کو دودھ پلانے میں مدد کرے۔ پوچھا گیا: کیا تمہارا دودھ کم ہے؟ کہا میرا دودھ کم تو نہیں لیکن دودھ پلانے کی وجہ سے میں مستحبی نمازوں اور اذکار سے رہ جاتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے

۱۔ عیون اخبار الرضا ترجمہ ج اص ۱۵۔۱۴

۲۔ عیون اخبار الرضا ترجمہ ج اص ۱۵۔۱۴

لئے ایک مددگار رچاہتی ہوں تا کہ مستحبات بھی ترک نہ ہوں۔(۱)

....

۱۔ منتہی الآمال باب دہم فصل دوم

آپؑ کا بچپنا اور دوران جوانی

حضرت رضا علیہ السلام نے اپنا بچپنا اور جوانی مدینہ منورہ جو مرکز وحی تھا، میں اپنے نانا کے ساتھ گزاری اور بلاواسطہ امام ہفتم علیہ السلام کے زیر تربیت رہے۔

اس مدت میں آپؑ اپنی خداداد صلاحیتوں کو امامت جو کہ منصب الٰہی ہے کی پذیرش کے لئے اجاگر اور آمادہ کیا۔ اس نکتے کی طرف آپؑ کے پدر گرامی نے بھی اپنی زندگی کے دوران متعدد بار اشارہ فرمایا تھا، اور اپنے تمام فرزندوں میں سے آپؑ کو (بحکم خدا) اپنی جانشینی کے لئے معین فرمایا۔

امام رضا علیہ السلام نے ۳۵ سال کا عرصہ اپنے والد گرامی کے ساتھ گزارا جو خلیفہ عباسی ہارون رشید کا دور حکومت تھا۔ وہ (اس زمانے میں) اسلامی ممالک پر حکومت کر رہا تھا اور جو سختیاں اور تکالیف ہارون کی طرف سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لئے ایجاد کی جارہی تھیں اس سے امام رضا - بہت متاثر ہو رہے تھے۔

لبنانی دانشمند احمد مغنیہ لکھتے ہیں: امام ہشتم ؑ نے ۳۵ سال اپنے پدر بزرگوار کی

حیات میں گزارے جن میں سے زیادہ تر حصہ ہارون رشید کے زمانے میں تھا۔ آپؑ کے پدر بزرگوار، ہارون کے زندان میں قید رہے۔ کبھی بغداد میں اور کبھی بصرہ میں آپؑ کی عمر شریف کٹتی رہی۔ اس مدت میں امام رضاؑ کو غم واندوہ کھائے جارہا تھا لیکن آپؑ کسی کو دکھڑا نہیں سنا سکتے تھے۔ اور نہ کوئی ایسا (مونس) تھا جس کے پاس اظہار غم یا حق کی باتیں کریں۔

جب تک آپؑ کے پدر گرامی قید میں رہے آپؑ رنج وغم کا گھونٹ پیتے رہے اور آپؑ سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں بن پڑتا تھا حتی کہ اپنے بابا کے اصحاب سے بھی (اس دکھ کا) اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

امام رضاؑ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے کہ کس طرح فرزندان آل ابی طالب شہید کیے جاتے تھے۔ آپ کا قلب مبارک ان مظالم کو دیکھ کر پگھل رہا تھا۔ ایک طرف سے اپنے بابا کے بہت سے پیروکار شک وتردد کے شکار ہو رہے تھے اور سال بھر کی مدت کے بعد دوبارہ آپؑ کی خدمت میں آتے تھے اور دوسری طرف سے ظالم حکام اور ان کے اہلکار نیز خلافتِ بنی عباس کے طرفدار لوگوں کو گمراہ کرنے اور ان کو راہ حق سے منحرف کرنے کے درپے تھے۔ اور امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے اہداف کو اپنے ناپاک مقاصد کے ذریعے آلودہ کرکے دکھانا چاہتے تھے تاکہ لوگ آپؑ سے منہ موڑیں۔

امام ہشتمؑ ان تمام چالاکیوں اور سازشیوں کا (نزدیک سے) مشاہدہ کر رہے تھے لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے تھے کہ جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ لہذا آپؑ مجبوراً خاموشی اختیار کرتے ہوئے ہارون رشید کے ظالمانہ حکومت کا مشاہدہ کرتے

رہتے۔

تاریخ اور دیگر حالات کے حوالے سے امام رضا کا زمانہ اپنے آباء کے زمانہ سے کافی مشابہت رکھتا تھا۔

اہل بیت رسالتؐ پر آنے والی مصیبتیں ایک ایسی کڑی ہے جس کا ایک سرا حضرت علی بن ابی طالبؑ سے اور دوسرا سرا دیگر ائمہ علیہم السلام سے متصل ہے۔

امام ہشتمؑ ایسی ہی بدترین صورت حال میں زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ پدر بزرگوار کی وفات واقع ہوئی۔(۱)

مسعودی نے اثبات الوصیۃ اور کلینیؒ نے کافی میں محمد بن عیسیٰ بزنطی سے اور اس نے مسافر نامی خادم امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ جب امام موسیٰ بن جعفرؑ کو مدینہ سے عراق لے جایا گیا تو آپؑ نے اپنے فرزند علیؑ سے فرمایا: جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک تم کو میری وفات کی خبر نہ ملے ہر شب گھر کی دہلیز پر سوجایا کرو۔

خادم کہتا ہے:

میں ہر شب اس امام بزرگوار (امام رضاؑ) کے بستر کو گھر کی چوکھٹ پر لگایا کرتا تھا اور آپؑ وہیں رات گزارتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو گھر تشریف لے آتے تھے۔ اسی طرح چار سال کی مدت گذر گئی۔ اتفاقاً ایک شب میں نے دیکھا کہ امام ہفتمؑ تشریف نہیں لائے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، ور اہل بیتؑ بہت پریشان اور مضطرب ہوئے۔

امام رضا علیہ السلام اُمّ احمد جو حرم کی خواتین میں سے تھیں، کے پاس گئے اور ان سے فرمایا:

۱۔ شرح زندگی حضرت علی بن موسیٰ الرضا۔ تالیف، احمد مغنیہ، ترجمہ غضبان ص ۱۱۱-۱۱۲

"وہ امانت مجھے دے دو جو میرے پدر بزرگوار نے تیرے حوالے کیا تھا"۔

امّ احمد نے جب یہ باتیں سنیں تو گریہ کرنے لگیں اور اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور فریاد کرنے لگیں کہ خدا کی قسم میرے سید اور آقا دنیا سے چلے گئے ہیں۔ حضرت نے انہیں تسلی دی اور خاموش کرایا اور فرمایا: جب تک رحلتِ امامؑ کی رسمی اطلاع والی مدینہ تک پہنچے یہ راز کسی کو نہ بتایا جائے۔

امّ احمد ان نے تمام امانتوں کو جو امامت سے متعلق تھیں امام رضا علیہ السلام کے حوالے کیا اور عرض کیا کہ آپ کے پدر گرامی نے مجھ سے خدا حافظی کرتے وقت یہ امانتیں میرے حوالے کی تھیں اور فرمایا تھا کہ اس سے متعلق کسی کو آگاہ نہ کرنا۔ اور جب میں وفات پا جاؤں تو میرے بیٹوں میں سے جو بھی تیرے پاس آ کر ان کو مانگے، اسی کے حوالے کر دینا اور جان لینا چاہئے کہ میں اس وقت دنیا سے جا چکا ہوں گا۔

اس رات کے بعد سے حضرت رضاؑ گھر کے دہلیز پر نہ سوئے اور چند روز کے بعد حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی شہادت کی خبر مدینہ تک پہنچی اور معلوم ہوا کہ جس رات حضرت رضا۔ تشریف نہیں لائے تھے، آپؑ اپنے پدر گرامی کی تجہیز جنازہ کے لئے مدینہ سے بغداد چلے گئے تھے۔ اس کے بعد امامؑ نے اہل بیت طہارت کے ساتھ اپنے پدر بزرگوار کی عزاداری اور سوگواری کے مراسم کے لئے اقدام کیا۔(۱)

....

۱۔ اثبات الوصیہ ص ۱۵۱۔ کافی نقل از تالیف ابو القاسم سحاب ج ۱ ص ۹۳

اخلاق حسنہ

حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام دیگر ائمہؑ کی طرح نجیب و اصیل اور اخلاق حسنہ اور فضائل حمیدہ کے زیور سے آراستہ تھے اور ہر قسم کی بدی اور برے اخلاق سے پاک و منزہ تھے چونکہ خداوند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ اور آپؐ کے خاندان کو ہر نقص و عیب سے دور رکھا ہے کہ جس پر آیۂ تطہیر دلالت کرتی ہے۔

زہد و عبادت:

امام رضا علیہ السلام زہد و عبادت اور پرہیزگاری میں اپنے آباء و اجداد کے مانند تھے۔ محمد بن عباد سے روایت ہوئی ہے کہ حضرت رضا علیہ السلام گرمیوں میں چٹائی پر تشریف فرما ہوتے تھے اور سردیوں میں ٹاٹ پر بیٹھتے تھے اور کھردرے لباس زیب تن فرماتے تھے اور جب گھر سے لوگوں کے پاس جاتے تھے تو اپنے آپ کو زینت دیتے تھے۔(۱)

۱۔ عیون اخبار الرضا ترجمہ ج ۲، ص ۳۲۱

آپؑ ہر تین روز بعد ختم قرآن کرتے اور فرماتے تھے: میں اگر چاہوں تو اس سے بھی کم مدت میں ختم کر سکتا ہوں مگر چونکہ میں آیات پر غور و فکر کرتا ہوں کہ کس موضوع کے سلسلے میں نازل ہوئی اور کس وقت نازل ہوئی۔ لہذا ہر تین دنوں میں پورے قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔ (۱)

آپؑ زیادہ تر با روزہ ہوا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر مہینے کے اول، وسط اور آخر میں روزہ رکھنا ایسا ہے گویا اس نے ہمیشہ روزہ رکھا۔ (۲)

اباصلت سے نقل ہوا ہے کہ اس نے کہا: میں سرخس میں وارد ہوا تو ایک ایسے گھر میں پہنچا جہاں امام رضا - قید تھے میں نے پہرہ دار سے اندر جانے کی اجازت چاہی تو اس نے جواب میں کہا: تم آنحضرت تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔ میں نے کہا کیوں؟

کہا: چونکہ امام رضا علیہ السلام اکثر شب و روز میں ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور صرف صبح اور زوال سے قبل (اور جب سورج غروب ہونے کو قریب ہوتا ہے) تو نماز سے فارغ ہوتے ہیں اور اپنی جائے نماز پر اپنے رب سے راز و نیاز میں مشغول ہوتے ہیں۔

میں نے کہا انہی اوقات میں آنحضرتؑ سے میرے لئے دیدار کی اجازت مانگ لو! جب اس نے میرے لئے اجازت لے لی اور جب میں آنحضرتؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو دیکھا کہ آپؑ اپنے مصلّے پر بیٹھے غور فکر فرما رہے ہیں۔

۱۔ ترجمہ اعلام الوریٰ ص ۴۳۸

۲۔ ستارگان درخشان ج ۱۰، ص ۱۶۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۲، باب ۱۸۳

شیخ صدوقؒ، رجاء ابن ضحاک جسے امام رضا علیہ السلام کو مدینہ سے مرو لے جانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، سے نقل کرتے ہیں: اس نے کہا: میں مدینہ سے مرو تک امامؑ کے ہمراہ تھا، خدا کی قسم میں نے، پرہیزگاری، خداترسی اور کثرت سے یادِ خدا کرنے میں، کسی کو بھی ان کی طرح نہیں دیکھا۔ آپؑ کی دن رات میں کی جانیوالی عبادتوں کا معمول کچھ یوں تھا:

جب صبح ہوتی تھی تو نماز صبح پڑھتے تھے اور جب نماز ختم ہو جاتی تو اپنی جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح، تکبیر اور خدا کی حمد و تعریف میں مشغول ہو جاتے۔ اور رسولؐ اور آپؐ کی اولاد پر درود بھیجتے یہاں تک کہ سورج طلوع کرتا تھا۔ اس کے بعد سجدہ میں جاتے اور اس قدر طول دیتے کہ سورج کافی اونچا ہو جاتا؛ اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھاتے۔ زوال کا وقت ہو جاتا تو اٹھ کر چھ رکعت نافلہ ظہر بجالاتے اور پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ قل یا ایھا الکافرون اور دوسری رکعت اور دیگر چار رکعتوں میں حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ قرائت فرماتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور جب ان چھ رکعتوں سے فارغ ہوتے تو خدا سے دعا فرماتے اور تسبیح اور حمد و تعریف الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔

اس کے بعد سجدہ شکر بجالاتے اور سجدہ میں جا کر سو مرتبہ شکراً للہ کہتے تھے پھر سر کو اٹھا کر عصر کا نافلہ بجالاتے اور ہر رکعت میں حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ پڑھتے۔ اور جب (نافلہ سے) فارغ ہو جاتے تو نماز عصر کے لئے اذان کہتے اور دو رکعت مزید نافلہ عصر بجالاتے اور ظہر و عصر کے نوافل میں سے ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھتے تھے۔ پھر اقامت پڑھکر نماز عصر شروع کرتے اور جب سلام پھیرتے تو تسبیح، تکبیر اور

خدا کی حمد وثناء میں مصروف ہوجاتے اور ہر حاجت کو خدا سے طلب فرماتے پھر سجدہ شکر میں جاتے اور سو مرتبہ حمد اللہ پڑھتے تھے اور جب دن ختم ہوکر غروب آفتاب نزدیک ہوجاتا تھا وضو کرکے اذان اور اقامت پڑھتے اور مغرب کی تین رکعتیں بجالاتے اور دوسری رکعت میں رکوع میں جانے سے پہلے قنوت پڑھتے تھے اور جب سلام دیتے تو اپنے مصلے سے کھڑے نہیں ہوجاتے تھے (بلکہ) بیٹھ کر خدا سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے اور پھر تسبیح و تھلیل میں مصروف ہوجاتے پھر سجدہ شکر بجالاتے اور اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھا کر کسی سے بات کئے بغیر چار رکعت نماز مغرب کے نوافل دو سلام اور قنوت کے ساتھ بجالاتے اور ان چار رکعتوں میں سے ہر پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورۂ قل یا ایہا الکافرون تلاوت فرماتے اور دوسری رکعتوں میں سورہ حمد اور قل ہو اللہ پڑھتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ جاتے اور کافی دیر تک تعقیبات میں مصروف رہتے۔

اس کے بعد کچھ تناول فرماتے پھر رات کے پہلے پہر تک ٹھہر جاتے پھر اس کے بعد عشاء کی چار رکعتیں بجالاتے پھر نماز ختم ہونے کے بعد مصلے پر تشریف رکھتے اور ذکر خدا میں مصروف ہوتے اور اپنی حاجت خدا سے طلب فرماتے اور تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء میں مشغول ہوجاتے تھے اور تعقیبات کے بعد سجدہ شکر ادا کرکے بستر پر جاتے اور جب رات کا آخری پہر ہوجاتا تو اٹھ کر خدا کی تسبیح و حمد وثناء اور استغفار شروع کرتے، پھر مسواک کرتے اور وضو کرکے آٹھ رکعتیں نماز شب بجالاتے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام دیتے تھے اور ان آٹھ رکعتوں میں سے پہلی دو رکعتوں کی ہر رکعت میں حمد کے بعد ۳۰ مرتبہ قل ہو اللہ تلاوت کرتے اور ان دو رکعتوں کے بعد چار رکعتیں

نماز جعفر طیار بجالاتے اور انہیں نماز شب میں شمار کرتے تھے اور جب ان چھ رکعتوں سے فارغ ہو جاتے تو دو رکعت دیگر بجالاتے اور وہ یوں کہ پہلی رکعت میں سورہ حمد اور سورۂ تبارک الملک اور دوسری رکعت میں حمد اور سورۂ ہل اتی تلاوت فرماتے تھے۔

اور پھر سلام پھیر کر دو رکعت نماز شفع انجام دیتے اور ہر رکعت میں حمد کے بعد تین مرتبہ سورہ قل ہو اللہ پڑھتے۔ جب نماز شفع سے فارغ ہوتے تو ایک رکعت نماز وتر بجالاتے اور حمد کے بعد تین مرتبہ سورہ توحید اور ایک مرتبہ سورہ قل اعوذ برب الفلق اور ایک مرتبہ سورہ قل اعوذ برب الناس بھی تلاوت فرماتے پھر قنوت پڑھنا شروع کر دیتے اور یہ دعا پڑھتے:

اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد، اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت و تولنا فیمن تولیت و بارک لنا فیمن اعطیت و قنا شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت.

پھر ستر مرتبہ اَستغفِرُاللہَ وَاَسئَلُہُ التَّوبَۃَ پڑھتے اور جب سلام دیتے طلوع فجر تک تعقیبات میں مصروف رہتے پھر دو رکعت نافلہ صبح پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے جن میں سے پہلی رکعت میں حمد اور سورہ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں حمد اور سورہ توحید پڑھتے۔ اور جب صبح ہو جاتی تو نماز صبح کے لئے اذان اور اقامت پڑھتے اور نماز صبح ادا کرتے اور سورج طلوع ہونے تک ذکر و تعقیبات میں مصروف رہتے پھر دو سجدۂ شکر بجالاتے تھے جو اس قدر طولانی ہوا کرتے تھے کہ سورج بلند ہو جاتا تھا۔

آنحضرتؐ اپنی روزانہ کی واجبی نمازوں میں سے پہلی رکعت میں سورحمد اور سورہ قدر تلاوت فرماتے تھے جبکہ دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ قل ھواللہ پڑھتے تھے۔

لیکن جمعہ کے دن صبح، ظہر اور عصر کی نمازوں میں، پہلی رکعت میں حمد اور سورہ جمعہ اور دوسری رکعتوں میں سورہ حمد اور منافقین پڑھا کرتے تھے۔ اور شب جمعہ کی نماز میں بھی پہلی رکعت میں سورہ حمد اور جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ حمد اور سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الاعلیٰ تلاوت فرماتے تھے۔

منگل اور جمعرات کے دنوں میں، نماز صبح (کی دو رکعتوں) میں سے پہلی رکعت میں سورہ حمد اور سورہ دھر پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورہ حمد اور غاشیہ تلاوت کرتے تھے۔ چار رکعتی نمازوں میں سے آخری دو رکعتوں میں تین مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھتے اور ہر نماز کی قنوت میں یہ دعا پڑھتے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الاَعَزُّ الاَجَلُّ الاَکْرَمُ.

آپؐ جس شہر میں دس دن ٹھہرنے کا قصد فرماتے تھے دن میں روزہ رکھتے تھے اور جب رات ہو جاتی تو نماز کے بعد افطار کرتے۔ آپؐ نافلہ مغرب، نماز شب اور نماز شفع اور وتر نیز نماز صبح کے نافلے کو سفر اور حضر میں ترک نہیں کرتے تھے لیکن چار رکعتی نمازوں (ظہر عصر اور عشاء) کے نوافل کو سفر میں ترک کرتے تھے۔ اور مذکورہ نمازوں کو بجالانے کے بعد تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھتے، اور فرماتے تھے: ایسا سب نمازوں کے لئے ہے۔ اور ہمیشہ خواہ نماز میں ہو یا دعا کے وقت، رسولؐ اور آپ کی اولاد پر

بکثرت صلوٰت پڑھتے نیز قرآن کی زیادہ تلاوت فرماتے اور جب ایسی آیت پر پہنچتے جن میں جنت یا دوزخ کا ذکر ہوتا تو گریہ کرتے اور خدا سے بہشت طلب فرماتے تھے اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے۔

اپنی تمام نمازوں میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتے اور جب قل ھو اللہ احد پڑھتے تو ''اللہ احد'' کو آہستہ پڑھتے اور جب اس سورہ کے پڑھنے سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ کہتے کذالک اللہ ربّنا اور جب قل یا ایُّھا الکافرون پڑھتے تو آہستہ پڑھتے ''یا ایھا الکافرون'' اور جب اس سورہ سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ پڑھتے: رَبّیَ اللہُ دِیْنِی الاسْلَامَ اور جب سورہ التین تلاوت کرتے تو اس کے اختتام پر فرماتے بَلیٰ وَانا علیٰ ذالِکَ مِنَ الشّاھِدِیْنَ اور جب سورہ لا اُقْسِمُ بیومِ القیامة پڑھتے تو اس کے بعد فرماتے: سُبْحانَکَ اللّٰھُمَّ بلیٰ اور جب سورہ جمعہ پڑھتے تو اس کے بعد آیہ قُلْ مَا عِنْدَ اللہِ خَیْرٌ مِنَ اللَّھْوِ وَ مِنَ التِّجارَۃ تلاوت کرتے اور فرماتے تھے: لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا پھر فرماتے تھے وَاللہُ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ اور جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تھے تو الْحَمْدُ لِلہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھتے اور جب سبّحِ اسْمِ رَبِّکَ الاَعْلیٰ تلاوت کرتے تھے تو آہستہ پڑھتے سُبْحانَ رَبِّیَ الاعْلیٰ. آپؑ جب بھی قرآن میں یا اَیُّھا الَّذِیْنَ آمَنُوا تلاوت فرماتے تو آہستہ فرماتے: لَبَّیْکَ اللّٰھم لَکَ لَبَّیْکَ۔

آپؑ جہاں کہیں تشریف لے جاتے لوگ آپ کی خدمت کے مشتاق ہوتے اور آپؑ سے اپنے دینی مسائل پوچھتے اور آپؑ ان کو جواب دیتے تھے اور انہیں اپنے آباء اور حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر خداؐ سے بہت سی حدیثیں سناتے تھے اور جب میں

نے آپ کو مامون کے پاس لے گیا تو اس نے مجھ سے آپ کے (راستے میں گزرے ہوئے) حالات دریافت کئے اور میں نے جو کچھ آپ سے شب و روز میں اٹھتے بیٹھتے ہوئے مشاہدہ کیا تھا مامون کو بتا دیا۔ مامون نے کہا: علی یابن ابی ضحاک علی بن موسیٰ (+) اہل زمین میں سے بہترین اور سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ عبادت گزار شخص ہیں۔ لیکن اس بات کو کسی اور سے ذکر نہ کرنا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے سوا کسی اور کی زبان سے آنحضرت کی فضیلت دوسروں پر آشکار ہو جائے۔ اور میں خدا سے مدد چاہتا ہوں کہ ان کا مقام و مرتبہ بلند کروں اور ان کی قدر و منزلت کا پرچار کروں۔ (۱)

تواضع و فروتنی:

تواضع اور فروتنی انسان کی نیک صفات میں سے ہیں مخصوصا صاحبان منصب اور مقام و مرتبت رکھنے والوں کے لئے بہت زیادہ سزاوار اور مطلوب ہیں۔ بقول سعدی:

تواضع زگردن فرازان نکوست　　گدا گر تواضع کند خوی اوست

یعنی تواضع امیروں اور صاحبان جاہ و منصب سے زیادہ اچھا اور نیکو ہے (کیونکہ) گدا اور فقیر اگر تواضع کرتا ہے تو یہ اس کی فطرت اور عادت ہوگی۔

خداوند عالم نے ان لوگوں کو اپنے مخصوص بندوں میں سے قرار دیا جنہوں نے تواضع اور انکساری کو اپنی عادت بنایا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲، باب ۴۳ ۔ منتہی الآمال ج ۲، ص ۱۷۷

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا. (۱)

یعنی خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو روئے زمین پر انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو (تم پر)۔

ائمہ علیہم السلام جو دیگر تمام صفات میں دوسروں کے لئے سرمشق اور نمونہ تھے اس صفت میں سب سے آگے رہے ہیں چنانچہ ان حضرات کے حالات زندگی کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام بھی نہایت باادب اور منکسر المزاج اور مختلف طبقہ کے لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ابراہیم ابن عباس سے منقول ہے کہ میں نے ہرگز ابوالحسن الرضا کو کسی کی گفتگو کاٹتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ آپؑ گفتگو میں کسی پر تجاوز کرتے اور نہ برا بھلا کہتے تھے۔ بلکہ آپؑ دوسروں کی بات ختم ہونے تک صبر فرماتے اور جب وہ گفتگو سے فارغ ہوتے تو آپؑ گفتگو فرماتے تھے۔ میں نے ان کو ہرگز کسی کے سامنے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنے غلاموں اور خدمتگزاروں کو دشنام کہتے دیکھا۔ کبھی آپؑ کو تھوکتے نہیں دیکھا اور نہ آپؑ قہقہ لگا کر ہنستے تھے بلکہ تبسم ہی آپؑ کا ہنسنا ہوا کرتا تھا۔ جب خلوت ہو جاتی اور آپؑ کے لئے طعام حاضر کیا جاتا تو اپنے تمام غلاموں اور خدمتگزاروں حتی کہ دربانوں (چوکیداروں) کو بھی بلا کر اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے

۱۔ سورہ فرقان/۶۳

تھے۔(۱)

شیخ کلینی ایک بلخی آدمی سے روایت کرتے ہیں: اس نے کہا: میں خراسان کے سفر میں امام رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ ایک دن آپ نے کھانا منگوایا اور اپنے خادموں کو بھی اس پر بلایا میں نے عرض کیا: قربان جاؤں آپ پر، کاش کہ آپ ان کا کھانا الگ لگواتے! فرمایا خاموش رہو! ہم سب کا پروردگار ایک ہے اور ہمارے ماں باپ بھی ایک ہیں اور ہماری جزا ہماری اعمال کے مطابق ہوگی [تو یہ جدائی کس لئے؟] (۲)

ایک دن امام حمام میں داخل ہوئے وہاں ایک شخص نے آپؑ سے کہا: اے مرد! مجھے نہلا اور میری مالش کر! امامؑ اسے نہلانے لگے، اتنے میں کسی نے امام کا اس سے تعارف کرایا تو وہ شخص اپنی جسارت پر امامؑ سے عذرخواہی کرنے لگا لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا، کوئی بات نہیں مجھے اس کام کو انجام دوں گا۔(۳)

امام رضا - گرمیوں میں چٹائی اور سردیوں میں بوریے پر تشریف رکھتے تھے لیکن جب دوسروں کے سامنے جاتے تو فاخرہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔

علم ودانش

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ لوگوں کے سامنے تواضع کرنا ان کے جاہ ومقام اور دولت کی وجہ سے ہو تو یہ حقیقی تواضع نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا چاپلوسی اور تملق ہے جو کہ

۱۔عیون اخبار الرضاج ۲، باب ۳۹

۲۔منتہی الآمال ج ۲۔ روضۂ کافی نقل از مسند امام رضا - ج ۱ ۶۱ص

۳۔شرح زندگی حضرت امام رضا علیہ السلام احمد مغنیہ: ترجمہ سید جعفر غضبان

بہت مذموم اور ناپسندیدہ ہے ۔ اور دوسروں کی خصوصیتوں کو نظر میں نہ لاتے ہوئے کیجانے والی تواضع پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ بعض مواقع پر متکبروں اور مغرور افراد کے مقابلے میں بے اعتنائی اور تکبر کا مظاہرہ کرنا لازم ہوتا ہے چنانچہ محدث قمی کے نقل کے مطابق امام رضا علیہ السلام کی رفتار فقراء اور عوام کے ساتھ نہایت متواضع ہوا کرتی تھی لیکن جب فضل ابن سہل (وزیر مامون) آپؑ کی خدمت میں آیا تو وہ ایک گھنٹہ کھڑا انتظار میں رہا یہاں تک آپؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا: کیا کام ہے؟(۱)

امام رضا علیہ السلام کے زمانے میں آپؑ اور دوسرے مذاہب وادیان کے علماء کے درمیان بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں جن میں حضرت کی علمی برتری اور مرتبت سب پر عیاں وآشکار ہو چکا ہے، ہم آئندہ فصلوں میں ان کی طرف اشارہ کریں گے۔

مرحوم طبرسی ابراہیم ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی امام رضا علیہ السلام کو کسی سے کچھ پوچھتے ہوئے یا اپنے علم و دانش کے علاوہ دوسروں سے کچھ نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور آپؑ کے زمانے میں، مَیں نے آپؑ سے بڑھ کر کسی اور میں علم نہیں پایا۔ مامون امتحان کے بطور آپؑ سے ہر قسم کے سوالات کیا کرتا تھا اور آپؑ سب کا جواب دیدیتے اور ہر مقام پر قرآن سے دلیل پیش کرتے تھے۔(۲)

اباصلت سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے (حضرت) علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے بڑھکر کسی کو دانا نہیں پایا اور ہر دانشمند نے بھی اس بات کی تصدیق

۱۔ منتہی الآمال ج ۲

۲۔ ترجمہ اعلام الوریٰ ص ۴۳۸

کی ہے۔

ایک دن مامون نے مختلف ادیان و مذاہب کے علماء کو ایک مجلس میں بلا لایا اور امام علیہ السلام کو بھی اس مناظرے میں شرکت کی دعوت دی۔ امام نے ان سب کے سوالوں کا جواب دیا اور سب نے آپ کے علم و فضل کی تعریف اور اپنی کم علمی اور ناتوانی کا اعتراف کیا۔

مرحوم طبری نیز اباصلت سے ہی روایت کرتے ہیں کہ اسحاق بن موسی بن جعفر فرمایا کرتے تھے کہ میرے پدر بزرگوار (امام ہفتم ؑ) اپنے فرزندوں سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمہارے برادر "علی" عالم آل محمدؐ ہیں، اپنے مسائل اس سے دریافت کرو اور ان کی باتوں کو یاد رکھا کرو۔ میں نے اپنے پدر گرامی جعفر بن محمد علیہما السلام کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عالم آل محمدؐ تیرے صلب میں ہے اے کاش، میں اس کا دیدار کرسکتا! وہ امیر المومنینؑ کا ہمنام ہوگا۔ (۱)

ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب میں سلیمان جعفری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں کہا: میں ابوالحسن الرضاؑ کی خدمت مبارک میں تھا اور گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ آپؑ سے سوال کرتے اور حضرتؑ انہیں جواب دیتے تھے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا یہ تو انبیاء میں سے ہوں گے تو حضرتؑ نے لوگوں کو چھوڑ کر میری طرف رخ کرکے فرمایا: اے سلیمان ائمہ اور صاحبان حلم و علم ہم ہیں جبکہ جاہل ان کو انبیاء گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ انبیاء نہیں ہیں۔ (۲)

۱۔ ترجمہ اعلام الوریٰ ص ۴۳۹

۲۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا۔ تالیف ابوالقاسم سحاب ج ۲ ص ۷۸

طبرسی اباصلت سے روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو لوگوں کے ساتھ ہر زبان میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور خدا کی قسم! ہر زبان میں اس زبان کے بولنے والے سے زیادہ فصیح اور بلیغ تھے۔ ایک دن میں نے انؑ کی خدمت میں عرض کیا: یا بن رسول اللہ میں حیرت میں ہوں کہ آپؑ کیسے ہر زبان کو جانتے ہیں؟ فرمایا: اے اباصلت میں خداوند کی طرف سے حجت اور (اور امام وقت) ہوں اور خدا نے اپنی حجت کو ایسا قرار دیا ہے کہ وہ ہر زبان کو (اس کے بولنے والوں سے) زیادہ جانتا ہے۔ کیا تم نے امیر المومنینؑ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے کہ ہمیں فصل الخطاب کا لقب دیا گیا ہے اور فصل الخطاب سے مراد ہر لغت اور زبان سے آشنا ہونا ہے۔(۱)

ابوبصیر کہتا ہے میں نے (آپؑ سے) پوچھا: آپ پر قربان جاؤں! کیا امام لوگوں سے ہر زبان میں بات کر سکتے ہیں؟

فرمایا: ہاں وہ پرندوں کی زبان بھی جانتے ہیں اور میں اس کی علامت کو ابھی ہی تجھے دکھائے دیتا ہوں قبل اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھ جائے۔

ابوبصیر کہتا ہے: میں ابھی اپنی جگہ سے اٹھا نہیں تھا کہ خراسان کا رہنے والا ایک شخص آ کر آپؑ سے عربی میں گفتگو کرنے لگا تو امامؑ نے اسے فارسی میں جواب دیا خراسانی نے جواب میں کہا: میں نے صرف اس خیال سے آپؑ سے اپنی زبان میں

۱۔ ترجمہ اعلام الوریٰ ص ۴۴۴

گفتگو نہیں کی تھیں کہ مبادا حضور اچھی طرح نہ سمجھ پائیں۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ پس اگر میں تمہارے اس خیال کا جواب نہ دیتا تو پر میری تجھ کیا فضیلت ہوگی؟ (۱)

جودوبخشش:

جودو بخشش اور سخاوت بزرگوں کی فطرت ہوا کرتی ہے اور ایسی صفات کے حامل لوگ خدا کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ امام رضا علیہ السلام کے انفاق اور سخاوت کے بارے میں بھی متعدد روایتیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: امام رضا علیہ السلام نے جب خراسان میں عرفہ کے دن اپنے تمام اموال راہ خدا میں بخشدیا تو فضل بن سہل نے کہا (حضور!) اسطرح بخشش کرنا تو موجب خسارت ہوگا۔ آپ نے فرمایا: نا! بلکہ غنیمت ہے۔ پھر فرمایا: اس چیز کو خسارت نہ جانو جس کے ذریعے اجر وثواب کماتے ہو۔ (۲)

یعقوب بن اسحاق کہتے ہیں: ایک شخص امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگا: اپنی مروت کے شایان شان مجھے عطا فرما! آپ نے فرمایا اس قدر (شاید) میری قدرت میں نہ ہو۔ پھر فرمایا: البتہ میری مروت کے مطابق اس صورت میں ممکن ہے اس کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ ۲۰۰ دینار اس کو دیدے۔ [یعنی غلام کے ذریعے ایسا ممکن تھا۔ (۳)

۱۔ اثبات الوصیۃ ترجمہ نجفی ص ۳۷۱

۲۔ مناقب جلد ۲ ص ۳۱۴ مرحوم سحاب

۳۔ مناقب جلد ۲ ص ۳۱۴ مرحوم سحاب

مرحوم کلینی الیسع بن حمزہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں امام رضا علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور کافی لوگ آپؑ سے حلال وحرام سے متعلق سوالات کر رہے تھے اتنے میں ایک بلند قد اور گندمی رنگ کا آدمی آپہنچا اور کہنے لگا۔ السلام علیک یا بن رسول اللہ! میں آپ اور آپ کے آباء کے دوستداروں میں سے ہوں۔ میں مکہ کے سفر سے واپس آرہا تھا کہ میرے پیسے گم ہو گئے اور اب اپنے گھر جانے سے رہ چکا ہوں اگر حضور نے میری مدد فرمائی تو میں اپنے شہر پہنچ کر اتنی ہی رقم آپؑ کے نام پر فقراء میں صدقہ دوں گا کیونکہ میں مستحق صدقہ نہیں ہوں۔

آپؑ نے فرمایا بیٹھ جاؤ! اور کچھ دیر لوگوں سے گفتگو کرتے رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو آپؑ اندر کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ واپس آئے اور دروازہ کو اپنے سامنے کر کے اپنے دست مبارک کو اس کے اوپر سے باہر نکالا اور فرمایا: خراسانی کہاں ہے؟ اس آدمی نے کہا یہاں ہوں۔ فرمایا! یہ دوسو دینار لو اور اپنے لئے خرچ کرو اور اس خرچہ کو اپنے لے مبارک جان لو اور (میری طرف سے) صدقہ نہ کرنا اور نکل جا کہ نہ میں تجھے دیکھ پاؤں اور نہ تم مجھ کو۔

پھر وہ شخص چلا گیا۔ سلیمان جو وہاں بیٹھا ہوا تھا، نے عرض کیا: حضور جب احسان فرما رہے تھے تو اپنے آپ کو کیوں ظاہر نہیں کیا؟

فرمایا: اس خوف سے کہ مبادا اس کی حاجت روائی کرتے ہوئے اس کے چہرے پر سوال کی ذلت نظر آئے۔ کیا تو نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:

الْمُسْتَتِرُ بِالْحَسَنَةِ تَعدِلُ سَبْعِینَ حَجَّة و الْمُذِیعُ بِالسَّیئةِ مَخذُولٌ بها مَغْفُورةٌ له.

جو (اپنے) احسان کو پوشیدہ رکھے گا اس کو ستر حج کے برابر (ثواب) ہوگا اور جو کوئی گناہ کو آشکار کرے گا خوار و ذلیل ہوگا اور گناہوں کو چھپانے والا بخشدیا جائیگا۔(۱)

شیخ مفیدؒ غفاری سے نقل کرتے ہیں: خاندان ابی رافع کا ایک شخص جو پیغمبر اکرم ﷺ کا آزاد کردہ تھا، کا مجھ پر کچھ قرضہ تھا اور وہ اس کے مطالبہ میں اصرار کر رہا تھا۔ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو مسجد پیغمبر اکرمؐ میں نماز صبح ادا کر کے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس وقت آپؑ (مدینہ سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع عریض نامی) مقام پر تھے۔ جب آپؑ کے خانہ مبارک کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ آپؑ ایک استر پر سوار ایک چادر پہنے ہوئے دولت سرا سے نکل رہے تھے۔ جب میری نگاہیں آپؑ پر پڑیں تو اپنی حاجت بیان کرنے میں مجھے شرم محسوس ہوئی۔ جب امام علیہ السلام میرے نزدیک پہنچے تو ٹھہر گئے اور مجھ پر ایک نگاہ ڈالی میں نے آپؑ کو سلام عرض کیا، اس وقت رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے عرض کیا: آپؑ کے فلاں دوست کا مجھ پر کچھ قرض ہے اور اس نے اس کے مطالبہ کے سلسلے میں مجھے شرمندہ کیا ہے، اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ امام علیہ السلام اسے مجھ سے مطالبہ کرنے سے منع فرمائیں گے اور قسم خدا کی کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ کتنا اس کا مجھ پر قرض ہے اور نہ ہی کچھ گفتگو کی تھی۔

امامؑ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تا کہ میں لوٹ آؤں۔ میں جو کہ روزے کی حالت میں

۱۔ مسند امام الرضاؑ ج ۱ ص ۴۹

تھا، وہاں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ مغرب کی نماز ادا کی اور دل تنگ ہوا، چاہ رہا تھا کہ لوٹ جاؤں۔ اتنے میں آپؑ نمودار ہوئے جبکہ لوگ آپؑ کے اردگرد تھے اور دیگر حاجت مند بھی سرِ راہ بیٹھے ہوئے تھے۔ امامؑ ان کو صدقے دیئے جارہے تھے یہاں تک کہ آپؑ وہاں سے گذر کر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ پھر وہاں سے نکل کر مجھے آواز دی اور میں اٹھ کر حضرتؑ کے ساتھ دولت سرا میں داخل ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

میرا خیال ہے کہ تم نے افطار نہیں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! پھر میرے لئے کھانا لانے کا حکم دیا اور اپنے خادم کو بھی حکم فرمایا کہ میرے ساتھ کھانا کھائے ہم دونوں نے کھانا کھالیا جب کھانا ختم ہوا تو فرمایا: سرہانے کو اٹھاؤ اور جو کچھ اس کے نیچے موجود ہے لے جاؤ! میں نے جب سرہانہ اٹھایا تو دیکھا کہ سونے کے دینار پڑے ہوئے ہیں میں نے دینار اپنے بٹوے میں ڈالدئے پھر آپؑ نے اپنے چار خدمت گزاروں کو حکم دیا کہ میرے گھر تک میری ہمراہی کریں۔

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں آپؑ پر! مامون کے پہریدار راستے میں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے حضرتؑ کے خادموں کے ہمراہ دیکھ لے۔ فرمایا: تم صحیح کہہ رہے ہو خدا تجھے راہ ہدایت پر لگائے۔ پھر خادموں کو دستور دیا کہ میرے ساتھ چلیں اور جہاں سے میں کہوں لوٹ آئیں۔ جب ہم گھر کے نزدیک پہنچے تو میں نے ان کو لوٹایا اور اپنے گھر میں داخل ہوا اور روشنی میں جاکر دیناروں کو گننا چاہا تو دیکھا کہ اس میں ۴۸ دینار تھے جبکہ وہ شخص مجھ سے صرف ۲۸ دینار کے طلبگار تھا اور ان دیناروں کے درمیان کچھ ایسے دینار بھی تھے جو زیادہ چمکدار تھے اور ان کی چمک دمک مجھے اچھی لگی جب چراغ کے نزدیک لے جاکر ان پر نظر کی تو دیکھا کہ ان پر واضح خط میں لکھے ہوئے ہیں: اس شخص کا

قرض تم پر صرف ۲۸ دینار ہیں اور باقی تیرے لئے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے ہرگز اس شخص کے قرض کو معین کر کے نہیں بتایا تھا۔(۱)

یہ حدیث امام رضا علیہ السلام کے جود وسخاوت کے علاوہ آپ کے علم لدنی پر بھی دلالت کرتی ہے چنانچہ گزشتہ صفحوں میں ذکر کیا گیا کہ آپ تمام انسانی اور اخلاقی فضائل اور صفات میں کمال کے درجے پر فائز تھے۔ اور یہ جو راقم نے مختصراً ذکر کئے ہیں خرمن سے ایک خوشے کی مانند ہے۔

۱۔ ارشاد شیخ مفید ج ۲، باب ۲۱

دوسرا باب

۱۔ امامت سے متعلق بحث

۲۔ آنحضرتؐ کی امامت کو ثابت کرنے والے نص احادیث

۳۔ ہارون اور امام کی گرفتاری

۴۔ خراسان کی فتنہ انگیزیاں

۵۔ ہاروں کی خراسان کی طرف روانگی اور اس کی موت

۶۔ امین کی خلافت اور اس کے مامون کے ساتھ اختلافات

۷۔ امین اور مامون کے درمیان جنگ اور امین کا قتل

امامت سے متعلق بحث

شیعہ عقیدہ کے مطابق ''امامت'' بمعنائے پیشوائی اس شخص کے منصب کو کہا جاتا ہے جو تین پہلوؤں (حکومت، معارف واحکام کا بیان اور رہبری اور معنوی زندگی کی راہنمائی) سے اسلامی معاشرہ کی حکومت اور رہبری کو سنبھالتا ہو اور ایسی صفات کے حامل شخص خدا کی طرف سے معین ہو کر لوگوں میں متعارف ہونا چاہئے۔(۱)

کیونکہ، جس طرح کسی دین کے وجود کے لئے خداوند عالم کی طرف سے کسی پیغمبر کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اس دین کی بقاء کے لئے بھی خدا ہی کی طرف سے امام کا معین ہونا لازم وضروری ہوگا۔

چنانچہ راقم نے اب تک جتنی بھی کتابیں ائمہ علیہم السلام کی سوانح حیات سے متعلق لکھی ہیں ان میں سے ہر ایک میں، ایک باب موضوع امامت کی بحث کے لئے مختص کیا ہے۔لہذا اس باب میں بھی یہی روش اختیار کرتے ہوئے طوالت سے بچنے

۱۔شیعہ در اسلام ص ۱۰۹

کی خاطر صرف چند احادیث کے ذکر پر ہی اکتفاء کروں گا جنہیں شیخ صدوق ؒ نے عبدالعزیز بن مسلم کے ذریعے خود امام رضا علیہ السلام سے، امامت اور اس کے اوصاف وشرائط کے بارے میں نقل کیا ہے۔

عبدالعزیز بن مسلم کہتا ہے: جبکہ امام رضا علیہ السلام حال ہی میں مرو میں تشریف لائے تھے، میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے موضوع امامت پر گفتگو چھیڑ دی جو بہت سے لوگوں میں زیر بحث اور نقطہ اختلاف تھا۔ تو آپ نے مسکرا کر فرمایا: اے عبدالعزیز لوگوں نے کچھ نہیں سمجھا ہے اور اپنی آراء کا دھوکہ کھایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کی اس وقت تک قبض روح نہیں کی جب تک دین کو اس کے لئے کامل نہیں بنایا نیز قرآن جس میں حلال وحرام، حدود واحکام اور بشر کی ضروریات کا حل موجود ہے، کو نازل فرمایا اور امامت کو بھی کمال دین میں قرار دیا اور پیغمبرؐ نے رحلت سے قبل ہی اپنی امت کو دین کے معارف اور اس کی تعلیمات سے آگاہ کیا نیز ان کے لئے راہ حق واضح کر کے دکھایا اور علی علیہ السلام کو امام اور پیشوا بنایا اور ان کی ضروریات میں کسی چیز میں فروگذاری نہیں کی۔ اگر اس صورت میں کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ خداوند عالم نے اپنے دین کو کامل نہیں کیا ہے تو اس نے کتاب خدا کو رد کیا ہے اور جس نے کتابِ خدا رد کیا وہ کافر ہو گیا۔

کیا امت میں سے لوگ امام کی قدر ومنزلت جانتے ہیں تا کہ امام کا تعین اور انتخاب ان کے ہاتھوں ہو؟

مقام امامت اس قدر عظیم اور اس کی مرتبت اس قدر بالاتر اور اس کی عمق اتنا زیادہ ہے کہ لوگ اپنی عقلوں کے ذریعے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اپنی

موجود ہے، کو نازل فرمایا اور امامت کو بھی کمال دین میں قرار دیا اور پیغمبرؐ نے رحلت سے قبل ہی اپنی امت کو دین کے معارف اور اس کی تعلیمات سے آگاہ کیا نیز ان کے لئے راہ حق واضح کر کے دکھایا اور علی علیہ السلام کو امام اور پیشوا بنایا اور ان کی ضروریات میں کسی چیز میں فروگذاری نہیں کی۔ اگر اس صورت میں کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ خداوند عالم نے اپنے دین کو کامل نہیں کیا ہے تو اس نے کتاب خدا کو رد کیا ہے اور جس نے کتابِ خدا رد کیا وہ کافر ہو گیا۔

کیا امت میں سے لوگ امام کی قدر و منزلت جانتے ہیں تا کہ امام کا تعین اور انتخاب ان کے ہاتھوں ہو؟

مقام امامت اس قدر عظیم اور اس کی مرتبت اس قدر بالاتر اور اس کی عمق اتنا زیادہ ہے کہ لوگ اپنی عقلوں کے ذریعے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق اس کو منتخب نہیں کر سکتے۔ چونکہ منصب امامت ایک ایسا بلند و بالا مقام ہے کہ خداوند عالم نے اس کو نبوت اور خُلّت کے بعد تیسرے مرحلے پر حضرت ابراہیمؑ کو عطا کیا ہے۔

یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اسے آنحضرتؐ کو عطا کر کے آپؐ کا نامی گرامی کو بلند کیا جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّیَّتِی قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ ۔

ا۔ بقرہ/۱۲۴

خداوند نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کے لئے پیشوا اور امام قرار دینے والا ہوں ابراہیم نے کہا اور میرے فرزند میں سے! فرمایا: میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں یعنی تیرے فرزندوں میں جو ظالم ہیں وہ امامت کے لائق اور سزاوار نہیں ہیں۔(۱)

اس آیت میں ظالموں کے لئے مقام امامت کو قیامت تک کے لئے باطل قرار دیا ہے اور اسے صرف بزرگان اور نیک لوگوں سے مختص کیا ہے۔

پھر خداوند حضرت ابراہیم پر فضل کرتے ہوئے امامت کو ان کی برگزیدہ اور پاک اولاد میں قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ اِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَ كُلًّا جَعَلْنَا الصَّالِحِيْنَ وَ جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ.

یعنی پھر ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور سب کو صالح بنایا اور ان کو ہم نے امام قرار دیا جو ہمارے حکم سے (لوگوں) کی راہنمائی کریں گے اور ہم نے ان پر وحی نازل کی کہ وہ نیک کاموں کو انجام دیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور وہ ہماری (ہی) بندگی کرنے والے تھے۔(۱)

بنابراین امامت ہمیشہ ان کے (پاک اور برگزیدہ) فرزندوں میں رہ چکی ہے اور

۱۔انبیاء/۷۲۔۷۳

۲۔سورہ آل عمران ۶۸

۳۔سورہ روم ۵۶

صدیوں تک ایک دوسرے کو وراثت میں ملتی رہی ہے یہاں تک خداوند نے اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم کو ارث میں دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰاھِیمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَ ھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

یعنی لوگوں میں سے ابراہیم سے نزدیک ترین وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی؛ اور یہ پیغمبر اور ایمان لانے والے (ان سے نزدیک ہیں) اور اللہ مؤمنوں کا سرپرست ہے۔(۲)

پس امامت آنحضرتؐ سے مخصوص تھی اور صرف خدا کے حکم پر آپؐ نے اسے حضرت علی علیہ السلام کو عطا کیا ہے پھر (آپؐ) سے آپؐ کے برگزیدہ فرزندوں جن کو خدا نے علم وایمان عطا کیا تھا میں قائم رہی چنانچہ خدا فرماتا ہے:

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمُ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ۔ (۳)

یہاں آیت میں اہل علم وایمان سے مراد ائمہ ہدی علیہم السلام ہیں بنابر این قیامت تک امامت صرف اولاد علیؑ سے مخصوص ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کوئی پیغمبر نہیں۔ تو یہ نادان لوگ کیوں کر دوسروں کو اپنے لئے امام اختیار کررہے ہیں؟

امامت درحقیقت مقام انبیاء اور اوصیاء کی میراث ہے کیونکہ امامت، خدا ورسولؐ اور حضرت امیرالمؤمنین اور حسن وحسین علیہم السلام کی میراث ہے۔

امامت دین کی زمامداری، نظام مسلمین کا محور اور مومنوں کی دنیا وآخرت سنورنے

کا سبب ہے، امامت شجر اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے والی ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد کا صحیح معنوں میں انجام پانا اور اموال غنیمت، صدقات، احکام الٰہی کا اجراء اور ان کا تحفظ اور اسلامی ممالک کی ترقی یہ سب کچھ امام کی بدولت ہے۔

امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام جانتے ہیں، حدود الٰہی کے اجراء میں قیام کرتے اور دین کا دفاع کرنے والے ہیں اور لوگوں کو حکمت، وعظ و نصیحت اور قاطع دلیلوں کے ذریعے خدا کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔

امام خورشید کے مانند ہیں جس کی روشنی سارے جہاں کو روشن کر دیتی ہے اور یہ ایک ایسے افق سے طلوع کرتا ہے جہاں ہاتھوں اور نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں۔

امام چودھویں چاند اور روشن چراغ کے مانند ہیں اور ایک ایسا ستارا ہے جو رات کی گھٹاٹوپ اندھیرے میں شہروں، بیابانوں اور سمندروں سے گزرتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

امام (معارف الٰہی) کے پیاسوں کے لئے خوشگوار پانی ہے اور راہ حق کی طرف ہدایت کرنے والے اور ہلاکت سے نجات دلانے والے ہیں۔

امام خدا کا امین اور مخلوق میں اس کی حجت ہیں اور زمین پر اس کے بندوں میں اس کا نمائندہ ہیں جو خدا کی طرف دعوت کرنے والے اور اس سے دفاع کرنے والے ہیں۔

امام ہر قسم کے گناہ سے پاک اور ان سے دور ہیں اور مخصوص علم و دانش اور حلم کے حامل ہیں۔ امام نظام دین کا سبب، مسلمانوں کی عزت کا باعث اور منافقوں کے غیض

وعضب اور کافروں کی ہلاکت کا سبب ہیں۔

امام اپنے زمانہ کا منفرد شخص ہوتے ہیں کوئی اس کا ہمسر نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی دانشمند ان پر برتری حاصل کر سکتا ہے اور ان کی (دوسرے امام کے بغیر) کوئی نظیر نہیں ہو سکتی۔

ہر فضیلت اسی سے مخصوص ہوتی ہے بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسرے سے سیکھ لی ہو اور یہ فضیلتیں اور اوصاف خداداد ہوتے ہیں۔

پھر کون امام کے مقام و معرفت کو حقیقی معنوں میں درک کر سکتا ہے اور کون امام کو انتخاب یا نصب کر سکتا ہے؟

افسوس صد افسوس اس سلسلے میں عقلیں گمراہ اور سرگرداں ہو چکی ہیں بردبار لوگ بے راہروی کا شکار ہو چکے ہیں، نگاہیں بے نور ہو چکی، بزرگ حضرات کم فہم ہو گئے، حکیم و دانا حیران، خطباء گرفتار، صاحبان شعور بے شعور، شعراء، ادباء اور زباندان حضرات اس بات سے عاجز ہیں کہ امام کی شان اور ان کے اوصاف بیان کریں اور بھی اپنی کوتاہ زبانی اور عاجزی کا اعتراف کر رہے ہیں پس اس صورت میں کیونکر امام کے تمام اوصاف اور فضائل بیان کیے جا سکتے ہیں یا ان کی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے؟ اور کون ان کی جانشین بن کر اظہار بے نیازی کر سکتا ہے؟

جی ہاں! کیسے امام کی حقیقت سمجھی جا سکے گی؟ کیونکہ امام ایسا ستارا ہے جس کا افق لوگوں کے فہم و شعور سے بلند تر اور ان کے اوصاف، توصیف کرنے والے کی قدرت سے باہر ہیں۔ پس لوگوں کا انتخاب کہاں اور امام کہاں! اور لوگوں کے شعور کہاں اور امام کہاں! ان کی مثل اور نظیر کہاں پیدا ہو سکتی ہے؟

کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے خاندان کے علاوہ اور کہیں سے امام پیدا ہوسکتا ہے؟ خدا کی قسم (ایسا سوچنے والے) خود کو فریب دے رہے ہیں اور ایک باطل اور بیہودہ امر کی تمنا کر رہے ہیں اور ایک نہایت لغزندہ اور خطرناک سیڑھی پر قدم رکھا ہے۔ اور چاہتے ہیں اپنی حیرت زدہ عقل، اور ناقص اور گمراہ کن آراء کے ذریعے امام کا انتخاب کریں۔ خدا ان کو ہلاکت میں ڈالے! یہ کہاں کو بھٹک رہے ہیں، انہوں نے ایک بہت مشکل کام کے لئے اقدام کیا ہے اور اپنے تئیں سے ایک جھوٹ گڑھ کر بہت دور کی گمراہی میں پھنس گئے ہیں اور شدید قسم کی مشکلوں سے دوچار ہوئے ہیں اور غیرت اور سرگردانی کے گرداب میں گر چکے ہیں کہ انہوں نے کھلی آنکھوں سے امام کو چھوڑ کر راہ شیطان اختیار کیا ہے۔ اُن کے کاموں کو ان کی نظروں میں جلوہ دیا ہے اور گمراہ کیا ہے حالانکہ وہ صاحب بصیرت تھے چنانچہ خدا کا ارشاد ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِيْنَ.

انہوں نے خدا، رسول اور اس کے خاندان کے انتخاب سے ہٹ کر اپنے انتخاب کو ترجیح دی ہے جبکہ قرآن بہ بانگ دہل ان سے یہ کہہ رہا ہے: (۱)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ.

۱۔ سورہ عنکبوت/۳۸

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق فرماتا اور اختیار فرماتا ہے (اور) اختیار کرنا ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (۲) مزید ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ لِمُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ.

اور کسی مومن مرد اور عورت کو جب رسول کسی کام میں فیصلہ کریں تو کسی دوسرے کام کے انتخاب کا حق نہیں ہے۔ (۳)

آگے فرماتا ہے: مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ، اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ، اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَاتَخَيَّرُوْنَ، اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَاتَحْكُمُوْنَ، سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذَالِكَ زَعِيْمٌ، اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَائِهِمْ اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ.

تمہیں کیا ہو گیا ہے (اور) کیسے فیصلے کر رہے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس سے تم سیکھتے ہو کہ اس میں جو تم چاہو موجود ہو؟ کیا تم نے ہم سے کوئی قسم لے رکھی ہے کہ تم قیامت تک جو چاہو حکم کرو؟ (اے نبی) ان سے پوچھو کون ان میں سے اس کا ذمہ دار ہے؟ کیا (اس کام میں) ان کے شریک ہیں (اگر ایسا ہے) تو اپنے شریکوں کو لائیں اگر وہ سچے ہیں۔ (۱)

۱۔ قلم/۳۶۔۴۱

۲۔ سورہ محمد/۳۳

۳۔ انفال/۲۱۔۲۲۔۲۳

۴۔ (بقرہ/۹۳

ایک اور جگہ فرماتا ہے: اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا اَمْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لاَ یَفْقَهُوْنَ.

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں یا اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے ؟ (۲)

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لاَ یَسْمَعُوْنَ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لاَ یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ.

کہا ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے ۔ بے شک اللہ کے پاس بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو بوجھتے نہیں ۔ اور اگر اللہ ان میں کسی خیر کو دیکھ لیتا تو ضرور انہیں سننے کی توفیق عطا کرتا، اور اگر (بغیر صلاحیت کے) سماعت بخشتا تو یقیناً وہ منہ موڑ لیتے ۔ (۳)

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۔ کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی ۔ (۴)

(بنا براین مقام و منصب امامت انتخابی اور اختیاری نہیں ہے) بلکہ یہ عنایت خدا ہے کہ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور خدا ہی صاحب فضل و کرم ہے ۔ بَلْ هُوَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

پس کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگ امام کو انتخاب کریں حالانکہ امام ایک ایسی ہستی ہے جس کا وجود نافرمانی اور نادانی سے پاک و منزہ ہے، ایک چرواہے کے مانند ہے جو کبھی چراگاہ سے منہ نہیں موڑتے اور پاکیزگی و طہارت، طاعت و زہد اور علم و عبادت کا معدن ہے؟

۲۔ قصص ۲۸/۵۰
۳۔ سورۂ احزاب ۳۶/ پیغمبر کی دعوت صرف ایسی ہستیوں سے مخصوص ہے نیز ان سے جو زہرائے

مرضیہ کی پاک نسل سے ہیں اور ان کے خاندان پر کبھی طعن وکنایہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی صاحب (حسب ونسب) ان کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

وہ قبیلہ قریش، خاندان ہاشم اور اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں نیز اللہ تعالی کے پسندیدہ ہیں۔ باشرف لوگوں کی شرافت وحیثیت ان کی بدولت ہے وہ عبدالمناف کی (پاک) اولاد میں سے ہیں۔ علم میں کمال، حلم میں کامل، امامت میں نہایت قوی، اور سیاسی امور میں صاحب بصیرت ہیں۔ ان کی اطاعت واجب اور (ان کا حکم) خداوند تعالی کے ذریعے ہے وہ مخلوق خدا کے خیر خواہ اور دین خدا کے محافظ ونگہبان ہیں۔

خداوند عالم نے اماموں اور پیغمبروں کو بڑی توفیقیں عطا کی ہیں اور انہیں اپنے علم وحکمت کے خزانے سے وہ سب کچھ عطا کیا ہے جو دوسروں کو نصیب نہ ہوا۔ درنتیجہ ان کا علم دنیا والوں کے علم سے مافوق اور بیشتر ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اَفَمَنْ يَّهْدِىْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّىْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟

کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے، پیروی کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو صرف خود

۱۔ یونس/۳۵

۲۔ (سورہ بقرہ/۲۵۹)

۳۔ (بقرہ/۲۴۷)

۴۔ (نساء/۱۱۳)

ہدایت پانے کے بعد (دوسروں کو) ہدایت کرتا ہے! تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگا رہے ہو؟ (۱)

نیز فرمایا: وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيْراً.

جس کو حکمت عطا کی گئی (اسے) یقیناً خیر کثیر عطا کی گئی۔ (۲)

نیز ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.

یقیناً اللہ نے اسے تم پر برگزیدہ فرمایا ہے اور تم سے بڑھکر علم اور جسمانی طاقت عطا کیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے پادشاہی عطا کرتا ہے اور خدا صاحب وسعت اور جاننے والا ہے۔ (۳)

اور پیغمبرؐ سے فرمایا: وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً.

اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی اور حکمت عطا کی ہے اور تم کو وہ سب کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتے تھے۔ (۴)

ائمہ علیہم السلام جو کہ اہل بیت پیغمبرؐ اور آپ کی ذریت ہیں کی شان میں فرماتا ہے:

أَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيْمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكاً عَظِيْماً، فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَ

مِنۡهُمۡ مَنۡ صَدَّ عَنۡهُ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ۔

کیا تم لوگوں سے، اس لئے کہ اللہ انہیں اپنا فضل عطا کیا ہے حسد کرتے ہو، بتحقیق ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ہم ہی نے انہیں عظیم بادشاہت دی ہے تو ان میں سے بعض نے اس پر ایمان لایا اور بعض نے اس سے انکار کیا اور (عذاب کے لئے) جہنم کی (آگ) ہی کافی ہے۔(۱)

جس شخص کو خدا اپنی مخلوق کے امور کی اصلاح کے لئے انتخاب فرماتا ہے یقیناً اس کے دل کو وسعت عطا کرتا ہے اور اس سے ایسے علم وحکمت کے چشمے جاری کرتا ہے کہ کسی بھی سوال کرنے والے کے سوال سے عاجز نہیں رہتے اور راہ حق سے منحرف نہیں ہوتا پس وہ معصوم اور خدا کی طرف سے تائید شدہ ہیں اور (اسی کی) توفیق پا کر استوار اور محکم ہوا ہے۔ اور ہر لغزش اور خطاء سے محفوظ ہیں خداوند نے انہیں ایسی صفات سے (اس لئے) متصف کیا ہے تا کہ یہ بندوں پر حجت اور گواہ ہوں۔ یہ خدا کا فضل وکرم ہے کہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا عظیم فضل وکرم کا مالک ہے۔

تو کیا لوگ ایسے امام کا انتخاب کر سکتے ہیں؟ یا جوانہوں نے امام انتخاب کئے ہیں کیا ان صفات اور خصوصیات کے مالک ہیں کہ وہ پیشوا بن سکیں؟

بیت اللہ کی قسم کہ یہ لوگ راہ حق سے بھٹک گئے ہیں اور اللہ کی کتاب کو پس پشت

۱۔ قصص ۵۰/

۲۔ محمدؐ ۸/

۳۔ غافر ۳۵/

۴۔ اصول کافی کتاب الحجہ باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ۔ عیون ج ۱ باب ۲۰۔ امالی صدوق مجلس ۹۷

ڈالدیا ہے کہ وہ (اس سے متعلق) کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ حالانکہ اس کتاب میں ہدایت اور شفا پائی جاتی ہے لیکن (افسوس) لوگوں نے ان سے کنارہ کشی کی ہے اور اپنی ہوا و ہوس کی پیروی میں لگ گئے ہیں اور خدا نے ان کی مذمت کی ہے اور انہیں دشمن قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ.

کون اس شخص سے بڑھکر گمراہ ہو سکتا ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتا ہے یقیناً خدا ظالم قوموں کی ہدایت نہیں فرماتا۔ (۱)

فَتَعْسًا لَهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ.

پھر تباہی ہوئی ان کی اور (خدا) ان کے اعمال کو نابود کرے۔ (۲)

مزید فرماتا ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ آمَنُوا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ.

(یہ) خدا اور مومنوں کے نزدیک بڑی دشمنی ہے اور خدا اسی طرح ہی ہر مغرور اور جابر کے دل پر مہر لگاتا ہے۔ (۳)

۱۔ نساء/۵۳-۵۴

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. (۴) امام علیہ السلام کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ منصب امامت میں بھی، منصب نبوت کی طرح منشا الٰہی کا دخل ہے اور امام بھی خدا کی طرف سے معین ہونا چاہیے اور پیغمبرؐ یا اپنے سے پہلے امام کے ذریعے اس کا تعارف ہونا ضروری ہے چنانچہ امام اول (حضرت علی علیہ السلام) کو آیہ بلّغ کے مطابق غدیر خم میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تمام نشانیوں کے ساتھ لوگوں میں متعارف کرایا گیا، اور (ان کے) بعد کے اماموںؑ کا بھی، اسکے باوجود کہ نبی اکرم ﷺ نے، چنانچہ دونوں فریقین کی کتب میں پائی جانے والی احادیث کے مطابق، امام زمانہ علیہ السلام تک کا خاص نشانیوں کے ساتھ تعارف کرایا تھا۔ ہر ماقبل امام نے اپنے بعد آنے والے امام کی امامت کا قطعی اور صریح نص کے ذریعے تعارف کرایا ہے۔ ہم آنے والی فصل میں امام رضا علیہ السلام کی امامت سے متعلق نقل شدہ چند روایات کی طرف اشارہ کریں گے۔

امام رضاؑ کی امامت پردلالت کرنیوالی روایات

امام کے اندر موجود منفرد اور آسمانی صفات خود مقام امامت کی گواہی دیتی ہیں کیونکہ امامؑ علم، تقوی، شجاعت اور دیگر نفسانی صفات کے اعتبار سے ہر ایک پر برتری اور فوقیت رکھتے ہیں اور آپؑ کا سب سے مافوق ہونا آپؑ کی امامت کی دلیل ہے جیسے کہ خلیل بن احمد بصری آپؑ کے بارے میں کہتا ہے:

اِحْتِيَاجُ الْكُلِّ اِلَيْهِ وَاسْتِغْنَائُهُ عَنِ الْكُلِّ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ اِمَامُ الْكُلِّ.

یعنی سب لوگوں کا آپؑ کی طرف محتاج اور آپؑ کا لوگوں سے بے نیاز ہونا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپؑ سب کے امام ہیں۔

تاہم اتمام حجت کی خاطر آپؑ سے ماقبل امام کی امامت کے سلسلے میں صریح دلیل ہونا لازم ہے کہ ذیل میں امام رضاؑ کی امامت سے متعلق چند روایتوں کی طرف

۱۔ واقفیہ وہ مذہب ہے جو موسیٰ کاظمؑ کے بعد امامت کے توقف کے قائل ہے اور انہیں کو امام مہدی قرار دیتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اس کے مذہب کے پیروکار امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد امام رضا علیہ السلام کے منکر ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ جب امام موسیٰ کاظمؑ ہارون کے زندان میں تھے تو آپؑ کے کچھ

اشارہ کیا جاتا ہے:

ا۔ داؤد رقی کہتا ہے: میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: قربان جاؤں آپؑ پر! میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے (جہنم) کی آگ سے نجات دیجئے اور بتائیں کہ حضرت کے بعد میرا امام کون ہے؟

آپ نے اپنے فرزند ابوالحسن الرضا علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میرے بعد تمہارا امام یہی ہے۔

۲۔ نعیم قابوس کہتا ہے: امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: میری اولاد میں سے میرا سب سے بڑا فرزند علیؑ ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ میرے ساتھ جفر دیکھتا ہے اور جفر صرف پیغمبر اور اس کا وصی ہی دیکھا کرتے ہیں۔

۳۔ محمد بن اسحاق بن عمار کہتا ہے: کیا حضور مجھے کسی ایسے شخص کی طرف راہنمائی نہیں فرمائیں گے جس سے میں اپنے دینی احکام سیکھ لوں؟ فرمایا: (جس کی تمہیں ضرورت ہے) وہ میرا فرزند علیؑ ہے۔

۴۔ زیاد بن مروان قندی جو واقفیہ مذہب (۱) کا تھا، کہتا ہے: میں ابوابراہیم (امام ہفتمؑ) کی خدمت میں پہنچا جبکہ آپؑ کا فرزند ابوالحسنؑ (امام رضاؑ) آپؑ کے پہلو میں تشریف رکھتے تھے، تو فرمایا: اے زیاد یہ میرا فرزند ہے اس کی کتاب میری کتاب ہے، اس کا کلام میرا کلام ہے اور اس کا قاصد میرا قاصد ہے اور جو کچھ وہ کہے گا وہی حق ہے۔

۵۔ مخزومی جن کا نسب ماں کی طرف سے جعفر بن ابی طالب تک پہنچتا ہے، کہتا ہے: حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے کسی کے ساتھ مجھے بلا بھیجا اور ہمیں اکٹھا کر کے فرمایا: کیا جانتے ہو کہ تم کو کیوں بلایا ہے؟

میں نے عرض کیا نہیں! گواہ رہو! یہ میرا فرزند میرے بعد میرا وصی اور جانشین اور تمام امور میں سرپرست ہوگا۔ جو بھی مجھ سے طلب رکھتا ہو اس سے لے سکتا ہے اور ہر گروہ یا کوئی فرد جو مجھ سے طلبگار ہو اس سے حاصل کرے اور جو کوئی میرے دیدار (کی خواہش رکھتا ہو لیکن) کوئی راہ نہ پائے تو مجھ سے خط و کتابت کا سلسلہ رکھے۔

۶۔ داؤد بن سلیمان کہتا ہے: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: مجھے خوف ہے کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور میں آپ کو نہ دیکھ پاؤں، فرمائیں! حضور کے بعد امام (وقت) کون ہوگا؟

فرمایا: میرا بیٹا فلاں یعنی ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضاؑ۔

۷۔ نصر بن قابوس: میں نے حضرت ابو ابراہیم موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: میں نے حضور کے پدر گرامی (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) سے عرض کیا کہ آپ کے بعد امام کون ہیں؟ تو فرمایا: وہ تمہارا امام ہے۔ پھر آپ کی رحلت کے بعد لوگ پراکندہ ہو گئے لیکن میں اور میرے احباب حضور سے عقیدہ رکھتے تھے اور اب حضور بھی اپنے بعد آنے والے امام کا ہمیں تعارف فرمائیں۔ فرمایا: فلاں (علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام)۔

۸۔ داؤد بن زربی کہتا ہے کہ میں کچھ اموال امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا تھا آپ نے ان میں سے کچھ اٹھالیا اور باقی واپس کر دیے میں نے عرض کیا: خدا حضور کا بھلا کرے کیوں باقی میرے پاس چھوڑ دیے؟ فرمایا: اس کا مالک تجھ

اموال ان کے پاس رکھ دیے گئے تھے لہذا وہ امام ہفتم کی شہادت کے بعد مذکورہ اموال پر قبضہ کرنے اور انہیں امام رضا علیہ السلام کے سپرد نہیں کرنے کی خاطر امام رضا علیہ السلام کی امامت سے ہی انکار کر بیٹھے۔

سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ جب آپ کی شہادت کی خبر ملی تو حضرت ابوالحسن الرضا علیہ السلام نے ایک شخص کو میرے پاس بھیج کر ان کا مطالبہ کیا اور میں نے ان کو آنحضرت کے حوالے کیا۔

۹۔ حسین بن بشیر: (حضرت) موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اپنے فرزند علیؑ کو ہمارا امام قرار دیا جیسے کہ رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا تھا پھر فرمایا: اے مدینہ والو! یہ میرے بعد وصی ہے۔

۱۰۔ مفضل بن عمر کہتا ہے: میں موسیٰ بن جعفرؑ کی خدمت میں پہنچا جبکہ آپ کے فرزند علی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اس کو بوسے دے رہے تھے اور ان کی زبان چوس رہے تھے اور اپنے شانوں پر بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کس قدر پاک و پاکیزہ ہے تیری خلقت اور کس قدر تیری فضیلتیں واضح و آشکار ہیں۔ میں نے عرض کیا: قربان جاؤں آپ پر! اس بچے کی محبت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی ہے جو حضور کے سوا کسی اور کے لئے پائی نہیں جاتی تھی آپ نے فرمایا: اے مفضل میرے پاس اس کی فضیلت ایسی ہے جیسے میرے والد گرامی کے پاس میری منزلت تھی۔ ہم وہ ذریت ہیں جو یکے بعد دیگر (زمانہ کے امام ہیں)، روزگار اس بات کو خوب سنتا اور جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ طفل حضور کے بعد صاحب امر (امام) ہیں؟

فرمایا ہاں! جو کوئی اس کی اطاعت کرے گا نجات پا جائے گا اور جو اس کی مخالفت

۱: اصول کافی ج ۱، کتاب الحجہ: ارشاد شیخ مفید ج ۲، باب العشرین فصل ۱: عیون اخبار الرضا ج ۱: ترجمہ اعلام الوری ص ۳۲/۳۲۵۔ مسند الامام الرضا ج ۱، ص ۱

کرے گا وہ کافر ہوگا۔

امام رضا علیہ السلام کی امامت کے سلسلے میں اور بھی بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں جو تاریخ کی کتب میں پائی جاتی ہیں لیکن ہم نے ان میں سے صرف مذکورہ دس (مختصر) احادیث کو بیان کرنے پر اکتفا کی ہے۔(۱)

چونکہ امام رضاؑ کی زندگی مامون کے زمانے میں واقع ہوئی اور انہی کی دعوت پر مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے اور طوس کے سناباد (حالیہ مشہد) نامی مقام پر شہید کردیے گئے لہذا ہم اس سلسلے میں گفتگو کرنے سے پہلے ان علل و اسباب پر چند فصلوں میں بحث کریں گے جو ان حوادث کے موجب بنے۔ پھر تیسرے حصے میں اصل موضوع کو چھیڑیں گے۔

....

ہارون، اور امام موسیٰ کاظمؑ کی گرفتاری

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام رضاؑ کی امامت کے سلسلے میں جیسے کہ گزشتہ فصل میں شرح دی گئی، بہت سی روایتیں تصریح کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ آپ کو ہارون کے غاصبانہ دور حکومت میں بہت ستایا گیا اور اسی کے حکم پر زندگی کے آخری سالوں میں گرفتار کیے گئے اس کے بعد قید کر دیے گئے اور سر انجام بغداد کے زندان میں زہر سے شہید کر دیے گئے۔

مرحوم طبرسی یوں نقل کرتے ہیں کہ ۱۷۹ھ میں جب ہارون رشید حج کے ارادے سے سفر پر نکلا اور مدینہ پہنچا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس (کام کے لئے اس نے دو کجاوے ترتیب دینے کا حکم دیا جن میں سے ایک کو بغداد کی طرف روانہ کیا اور دوسرے کو بصرہ کی طرف، اور ہر کجاوے کے ساتھ ایک گروہ

میں واقع ہوئی۔ کتاب تجارب السلف میں لکھا گیا ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا جنازہ گھر سے اٹھایا گیا تو ایک شخص یہ آواز لگا رہا تھا کہ یہ رافضیوں کا امام ہے جو اپنی طبیعی موت سے دنیا سے چل بسے ہیں۔ امام حنبل وہاں موجود تھا اور چھپ چھپ کر رونا جا رہا تھا۔ جب کہا گیا: "رافضیوں کے امام اب باقی نہیں ہے"۔ تو امام حنبل نے کہا لا واللہ العظیم بلکہ مشرق و مغرب کے امام باقی نہیں رہے۔(۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے والد گرامی کی شہادت کے وقت ۳۵ سال کے تھے اور اپنے پدر گرامی کے بعد آپؑ ۲۰ سال منصب امامت پر فائز رہے، ان بیس سالوں میں سے دس سال ہارون کے زمانے میں، اور پانچ سال، امین کے دور خلافت میں اور پانچ سال مامون کے زمانہ خلافت میں گزار دئے۔

امام رضا علیہ السلام اپنے پدر گرامی کی شہادت کے بعد مدینے میں علم و دین کے نشر و اشاعت اور خدا کی بندگی اور عبادت میں اپنی زندگی گزارتے رہے۔ ہمیشہ آپؑ کے یاران و اصحاب آپؑ سے اپنے دینی احکام اور مسائل کے حل دریافت کیا کرتے تھے اور ظاہراً ہارون کی طرف سے بھی (اس وقت) کوئی مخالفت نہیں کی جاتی تھی۔

مسعودی لکھتا ہے کہ یحیٰ بن خالد نے ہارون سے کہا: کہ یہ علی بن موسیٰ ہیں جو خلافت کا دعوی کر رہے ہیں تو ہارون نے کہا: میں نے جو کچھ اس کے باپ کے ساتھ کیا ہے کیا وہ میرے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا تم ی چاہتے ہو کہ میں ان سب کو قتل کر دوں؟(۲)

اسی طرح کتاب مناقب میں محمد بن سنان سے نقل ہوا ہے: امام رضا علیہ السلام

۱۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا - تالیف: ابوالقاسم سحاب ج ص ۱۰۵

۲۔ اثبات الوصیہ ترجمہ محمد جواد نجفی ص ۳۸۸

سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے آپ کو اس امر خلافت کے ذریعے مشہور کیا ہے اور اپنے پدر کے مقام پر بیٹھ گئے ہیں جبکہ ہارون کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: میرا جواب وہی ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ابو جہل نے میرا ایک بال بھی بیکا دیا تو گواہ رہنا کہ میں پیغمبر نہیں ہوں۔ اسی طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر ہارون نے میرا ایک بال بھی بیکا دیا تو گواہ رہو کہ میں امام نہیں ہوں! (۱)

۱۔ بنقل مرحوم سحاب ج ۱ ص ۱۰۶

خراسان کی فتنہ انگیزیاں

خراسان کی سرزمین جو عباسیوں اور امویوں کی حکومت کے خاتمہ کے سلسلے میں بہت موثر رہ چکی تھی خود بخود خلفائے بنی عباس کی توجہ کا مرکز بن گئی اور ہر وقت خلفاء کے قابل اعتماد اشخاص وہاں کی حکومت اور ریاست کے لئے متعین ہوتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہارون نے بھی اپنے معتمد اور مقرب اشخاص میں سے فضل بن یحیٰ برمکی کو خراسان کی ریاست کے لئے منتخب کیا۔

فضل اس وسیع وعریض سرزمین پر حکمرانی کر رہا تھا لیکن دو سالوں کے بعد مامون نے اسے معزول کیا اور اس کی جگہ علی بن عیسیٰ بن ہامان کو منصوب کیا۔

علی بن عیسیٰ خراسان، سیستان، ماوراء النہر اور اصفہان سمیت ایران کے تمام مشرقی علاقوں پر حکمران بنا ہوا تھا۔ جو فضل کے برعکس بہت ظالم انسان تھا اور لوگوں پر نہایت ظلم وتشدد کرتا تھا۔ وہ ہارون کو خوش رکھنے کے لئے اسے بغداد سے بھاری ہدایا و تحائف ارسال کیا کرتا تھا۔ یہ تحائف و ہدایا جو در واقع خراسان کے باشندوں کے اموال ہوا کرتے تھے، کثرت اور زیادت کے حوالے اس کا سابقہ نہیں پایا جاتا تھا وہ یوں کہ جب ہارون نے ان کے اقسام کو گننا شروع کیا تو تعجب میں رہ گیا اور حکم دیا کہ

دربار عام میں خاص اہتمام کے ساتھ ان تحائف کے طبقوں کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا جائے۔

خلیفہ کے دستور پر عمل کیا گیا۔ جب خلیفہ کی آنکھیں اتنے سارے تحائف اور ہدایا پر پڑیں تو کھلی کی کھلی رہ گئیں اور یحیی برمکی سے کہنے لگا: یہ سارے اموال تمہارے بیٹے (فضل) کے زمانے میں کہاں چلے گئے تھے۔

یحیی نے جواب دیا یہ سارے اموال میرے بیٹے کے زمانے میں اپنے مالکوں کے گھروں میں تھے۔ (ہارون کا مقصد یہ تھا کہ کیونکر تیرے بیٹے فضل کے زمانے میں جو کہ خراسان کا حاکم تھا) یہ تحائف نہیں بھیجے جاتے تھے تو یحیی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا کہ میرا بیٹا لوگوں پر ظلم نہیں کرتا (اور عیسیٰ نے یہ سب لوگوں سے زبردستی چھین لئے ہیں) ہارون اس جواب سے غضبناک ہوا لیکن خاموش رہا۔ دوسرے دن جب یحیی خلیفہ کے دربار میں آیا تو اس سے کہا: کل تم لوگوں کے سامنے مجھ سے کیسی گستاخانہ باتیں کررہے تھے؟

یحیی نے کہا: میں ہمیشہ آپ کے خیر خواہ رہ چکا ہوں اور اس بات کو بڑے خلوص سے آپ کے خاندان کے حق میں کی تھی۔ چونکہ خراسان کی سرزمین بہت وسیع ہے جہاں ترک جیسے دشمن پائے جاتے ہیں لوگ علی بن عیسیٰ کے ہاتھوں تنگ آچکے ہیں اگر وہ خلیفہ سے مایوس ہوجائیں گے تو بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھائیں گے اور قیامت خیز فتنہ انگیزیاں وجود میں لائیں گے بطوریکہ خلیفہ اس بات پر مجبور ہوجائیگا کہ بذات خود ان علاقوں میں پہنچے اور ہر درہم کے بجائے ۵۰ درہم ادا کریں تاکہ فتنہ وفساد کی آگ

۱۔ تاریخ سیستان ص ۱۴۹ نقل عمادزادہ

بجھ جائے۔

ہارون نے جب یہ باتیں سنی تو چونکہ نصیحت پر مبنی تھیں لہذا ظاہراً خاموش رہا لیکن اندر ہی اندر یحیی برمکی سے بہت بیزار رہا اور یہ امر بھی بجائے خود برمکیوں کی نابودی کا ایک سبب بن گیا۔(۱)

جی ہاں! ہارون کی یحیی کی باتوں پر عدم توجہ اور علی بن عیسی کے لوگوں پر مسلسل ظلم و ستم کے نتیجے میں خراسان کے لوگ تنگ آئے اور تمام گوشہ و کنار سے علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اس کے مخالفت پر کھڑے ہوئے۔ان مخالفت کرنے والے والوں میں سے ایک رافع بن لیث (نصر بن سیار کا پوتا) تھا جو علی بن عیسیٰ کی طرف سے ماوراء النہر کے حکمران مقرر ہوئے تھے۔اس نے کچھ اپنے ہم خیالوں کو ساتھ لے کر سمرقند اور خراسان کی سرحدوں پر فتنہ انگیزیاں شروع کر دیں یہاں تک کہ علی بن عیسیٰ جو کہ والی خراسان تھا کو بھی قتل کر دیا۔اس کی سرکشی اور مخالفت نے کچھ ایسی شدت پکڑلی کہ اس نے خلیفہ سے بھی منہ موڑا اور اس کے ساتھ کی ہوئی بیعت توڑ ڈالی۔علی بن عیسی نے اس سے جنگ لڑنا شروع کیا لیکن اس نے علی کی سپاہیوں کو کئی بار پسپا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علی بن عیسی نے ہارون سے امداد طلب کیا۔

ہارون جو اس واقعہ سے نہایت رنجیدہ تھا اور اس کی علت کو علی بن عیسی کے ظلم و تشدد جانتا تھا (ساتھ ہی اندر سے یحیی برمکی کو حق بجانب سمجھتا تھا اور اس کی باتوں پر کان نہ دھرنے پر اپنی ملامت کر رہا تھا) نے ہرثمہ بن اعین کو ۱۹۱ھ میں ایک بڑے لشکر کے

۱۔تاریخ زندگانی امام رضا علیہ السلام۔تالیف:عبدالقادر احمد ترجمہ غلام رضا ص ۱۷۔۲۰) و تاریخ زندگانی امام رضا علیہ السلام تالیف عمادزادہ:ج ۱،ص ۱۷۴۔۱۷۴

ساتھ خرسان کی طرف روانہ کیا اور ساتھ ہی علی بن عیسیٰ کی مخفیانہ امداد کا حکم بھی دیا اور اس کے ہمراہ ایک غضب آمیز خط بھی ارسال کیا جس میں اسے ناسزا باتیں لکھی گئی تھیں اور اس خط میں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ جتنے مال فقراء اور ناداروں سے چھینے گئے ہیں سب اپنے اپنے مالکوں کو لوٹایا جائے۔

ہرثمہ جب مرو پہنچا تو علی بن عیسیٰ کو گرفتار کر کے اس کے تمام اموال چھین لئے اور مسجد میں جا کر خطبہ کے بعد ہارون کی طرف سے اپنے حاکم ہونے کا اعلان کیا، اور علی بن عیسیٰ کو قید کر کے اپنے بعض اہلکاروں کے ہمراہ بغداد روانہ کیا نیز اپنی طرف سے ہارون کو ایک خط بھی لکھ بھیجا۔

لیکن رافع بن لیث کے طرفدار مضبوط ہوتے گئے اور ہرثمہ بھی اس سے مقابلے کا تاب نہ لاتے ہوئے مجبوراً خلیفہ کو حالات سے آگاہ کیا۔

خراسان کے علاقوں میں واقع ہونے والی فتنہ انگیزیوں کے سبب سے دوسرے علاقوں میں بھی فساد اٹھنے لگے اور خلیفۂ وقت کے خلاف اقدامات ہونے لگے۔ چنانچہ حمزہ بن عبداللہ نامی ایک باغی نے سیستان کے علاقوں سے خروج کر کے تقریباً ۳۰ ہزار سواریوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ اور ہر ۵۰۰ سواری کو یہ دستور دیا تھا کہ خراسان کے مختلف علاقوں پر حملہ کیا جائے اور جہاں کہیں بنی عباس کے اہلکار نظر آئے انہیں قید کر کے موت کے گھاٹ اتاریں اور ان کے اموال کو غارت کریں۔ (۱)

ظہور المقنع بھی ایک طرح سے خراسان میں فتنہ وفساد برپا ہونے کے عوامل میں

سے تھا۔ اس تلخ واقعہ نے خلیفہ کو بہت رنجیدہ کیا اور آخر کار اس نے (اپنی مشکل) کا حل صرف اسی میں پایا کہ بذات خود خراسان جا کر وہاں کے فتنہ و فساد کی آگ بجھا دے۔

ہارون کی خراسان کی طرف روانگی اور اس کی موت

ہارون جو مہدی بن منصور کا بیٹا تھا، ۱۷۰ھ میں اپنے بھائی ہادی کی ہلاکت کے بعد خلافت پر پہنچا جو بنی عباس کے خلفاء میں سے پانچواں خلیفہ تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ مامون بھی انہی ایام میں پیدا ہوا تھا جبکہ اس کا دوسرا بیٹا محمد امین بھی مامون کے چھ مہینے بعد پیدا ہوا تھا۔

اگرچہ مامون سیاست اور ہوشمندی کے حوالے سے امین کی نسبت بہت آگے تھا مگر چونکہ مامون کی ماں ایک ایرانی کنیز تھی جبکہ امین کی ماں زبیدہ تھی جو حسب نسب میں ہاشمی خاندان سے تھی لہذا ہارون نے اپنی جانشینی کے لئے اسی کو انتخاب کیا اور ۱۷۵ھ میں امین کو جبکہ وہ پانچ سال کا تھا، اپنا ولی عہد مقرر کیا اور ۱۸۳ھ میں مامون کو بھی ولایت عہدی کا شریک بنایا اور ۱۸۶ھ کو جب حج پر گیا تو دونوں بھائیوں سے جانشینی کا عہد لیا اور ہر ایک کو ایک ایک عہد نامہ لکھنے پر مجبور کیا اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو کعبہ میں آویزاں کیا جائے، اور ۱۸۹ھ میں اس کے تیسرے بیٹے قاسم مؤتمن سے بھی عہد لیا کہ مامون کے بعد اپنا جانشین ٹھہرے۔

ہارون رشید نے ۲۳ سال حکومت کی اور اس کا دور اسلامی حکومتوں کے عروج کا زمانہ تھا نیز علم و دانش کا بھی دور و دورہ تھا۔

۱۹۳ھ (اواخر خلافت ہارون) میں، جبکہ اکثر اسلامی ممالک مخالف گروہوں کی سرکشی اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے لوٹ مار کا شکار ہو چکے تھے اور مخصوصا خراسان کے علاقوں میں یہ فتنہ و فساد زوروں پر تھے، ہارون نے اس کے باوجود کہ صحت کے اعتبار سے چنداں سالم نہیں تھا، بذات خود ان علاقوں کی طرف جانے کی ٹھان لی لہذا اس کے بیٹے محمد امین جو اس کا پہلا جانشین تھا کو بغداد میں چھوڑ کر خود لشکر لے کر مامون (جانشین دوم) کے ہمراہ "ری" اور "گرگان" کے راستوں سے خراسان کی طرف چل نکلا۔ وہ لوگ جو سیاستمدار اور بارسوخ تھے اور ہارون کے ہم رکاب تھے نیز جنہوں نے بعد کے حوادث کو وجود میں لانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، ان میں فضل بن ربیع اور فضل بن سہل کے نام قابل ذکر ہیں۔

فضل بن ربیع ہاروں کا وزیر تھا برمکی وزراء کے سقوط کے بعد ہارون نے اس کو وزارت کے عہدے پر منصوب کیا اور ہارون کے بعد بھی امین کا وزیر رہا۔ فضل بن سہل بھی خراسان کا باشندہ تھا جو پہلے آتش پرست تھا اور جب ہارون کے دربار تک راہ پا لی تو چونکہ وہ ایک عالم اور باصلاحیت شخص تھا لہذا ہارون نے اسے مامون کی تربیت کے لئے انتخاب کیا تھا۔

فضل مامون کی خدمت کرتا رہا اور اسے بہت چاہتا تھا اور اس کے ہاتھو اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس سفر میں چونکہ مامون بھی اپنے باپ کے ہمراہ خراسان کی طرف بڑھ رہا تھا لہذا فضل بن سہل بھی مامون کے ساتھ تھا۔ مورخون نے یوں لکھا ہے کہ

مامون کا اس سفر میں اپنے باپ کے ہمراہ ہونا بھی فضل بن سہل کی تدبیر اور مشوروں کی بنا، پر تھا۔ ورنہ پہلے ہارون کی خواہش یہ تھی کہ وہ بغداد میں ہی رہے۔

جرجی زیدان لکھتا ہے: چونکہ اس وقت ہارون بیمار تھا فضل بن سہل کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہارون کی موت واقع ہو اور مامون ہر طرف سے محروم رہے لہذا اس نے مامون سے کہا کہ تیرے بغداد میں ٹھہرنے میں مصلحت نہیں ہے کیونکہ تمہارا باپ بیمار ہے اور ممکن ہے کہ راستے میں اس کی موت واقع ہو۔ پھر اس صورت میں تیرا بھائی (امین) ہاشمیوں سے گٹھ جوڑ کر تم پر ٹوٹ پڑے گا۔

اور کم از کم تجھے ولیعہد کے منصب سے تو محروم کرے گا۔ لہذا ہارون سے تقاضا کرو کہ تجھے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ مامون نے بھی اپنے باپ سے یہی تقاضا کیا۔

ہارون نے پہلے پہل اس خواہش کو قبول نہ کیا لیکن بعد میں ہاں میں ہاں ملایا۔ شاید پہلے ہارون نے اس لئے منع کیا تھا کہ اسے اپنی موت نزدیک نظر آرہی تھی۔

سرانجام مامون اور فضل، ہارون کے ہمراہ خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔(۱)

اتفاق سے فضل بن سہل کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی اور گرگان نامی شہر میں پہنچ کر ہارون کی بیماری نے شدت پکڑ لی تو اس نے اپنی موت سے ۲۳ دن پہلے مامون کو مرو کی طرف روانہ کیا اور خود خراسان آیا۔ جب ہارون طوس پہنچا تو اگرچہ رافع بن لیث کی شکست اور اس کی گرفتاری کی وجہ سے وہاں کے اوضاع قدرے آرام

۱۔ تاریخ تمدن اسلام ص ۶۹۷

ہو چکے تھے لیکن ہارون کی بیماری شدید تر ہوتی گئی۔

جب اسے اپنی موت کا یقین ہوا تو فضل بن ربیع سے کہا: جب میری موت واقع ہو تو جو کچھ خزانے اور لشکر میرے ساتھ آئے سب کو مامون کے حوالے کر دو تا کہ وہ مرو جا کر دشمنوں سے نمٹ کر فتح حاصل کرے لیکن فضل نے ہارون کی موت کے بعد تمام اموال اور فوج کو بغداد لے آیا۔(۱)

ہارون ۴۵ سال (بعض مورخوں کے مطابق ۴۹ سال) کی عمر میں طوس کے سناباد نامی علاقے (حالیہ مشہد) میں دنیا سے چلا گیا اور اس کے بیٹے نے اس پر نماز پڑھائی اور حمید ابن قحطبہ کے باغ (جہاں ابھی قبر امام رضا علیہ السلام واقع ہے) میں دفن کر دیا گیا۔(۲)

....

۱۔تاریخ تمدن اسلام ص ۷۹۷، زندگانی علی بن موسی الرضا علیہ السلام تالیف سحاب ج ۱ص ۱۴۲

خلافتِ امین، اوراسکی مامون کے ساتھ کشمکشیں

ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی حکومت کی فکر شروع کی اور دو سیاسی شخصیتوں (فضل بن ربیع اور فضل بن سہل) کے ذریعے اپنی اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔

ہارون رشید کے دستور کے مطابق امین اس کا پہلا جانشین تھا اور اسی کو باپ کی موت کے بعد خلافت ملنی چاہیے تھی اور مامون کو اس کا جانشین بننا چاہیے تھا۔لیکن امین نے یہ ٹھان لی کہ خلافت پر پہنچنے کے بعد مامون کو ولیعہدی کے منصب سے معزول کرے اور اس کے بجائے اپنے بیٹے جو ابھی نو عمر تھا، کو اپنا جانشین بنائے۔چنانچہ اس نے اپنی حکومت کے دوسرے سال میں ایسا ہی کیا اور مامون کے نام کو خطبہ سے حذف کیا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کا نام رقم کیا۔

مامون جو امین کی سازشوں سے آگاہ تھا، فضل بن سہل کے تدبیروں سے اپنی پوری کوشش شروع کردی کہ امین کے مقابلے میں ڈٹ جائے۔

ہارون کی موت کے بعد امین نے بغداد سے ایک قاصد کے ذریعے فضل بن ربیع

کو لکھ بھیجا کہ خراسان کے لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لے حتی کہ مامون کو بھی ایک مخصوص خط لکھا تھا جس میں اسے یہ دستور دیا گیا تھا کہ فضل ابن ربیع کی اطاعت کرتے ہوئے سپاہیوں کے انعام واعطاء کے سلسلے میں ہر اقدام پر عمل کرے اور وہ خود (مامون) بھی بغداد کی طرف روانہ ہوجائے۔

جب امین کا خط طوس میں فضل تک پہنچا تو اس نے بھی مامون جو اس وقت مرو میں تھا، کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور فوجی آفیسروں کا ایک شوریٰ تشکیل دیا اور کہا کہ ہم اچھی خاصی حکومت کو اوروں کے حوالے نہیں کریں گے کیونکہ کیا معلوم اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس نے سپاہیوں کو بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور فوج بھی اپنے گھر بار اور بچوں کی طرف جانے کے خواہاں تھے لہذا انہوں نے فضل بن ربیع کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے امین کے حق میں بیعت کرلی اور اپنے وطن روانگی کے لئے تیار ہوئے یوں فضل بن ربیع ہارون کی وصیت کے خلاف عمل کرتے ہوئے طوس میں موجود اموال کو فوجی افسروں سمیت بغداد میں واپس لائے۔ (۱)

مامون نے بھی ہارون کی موت اور فضل بن ربیع کے اقدامات سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے پاس موجود فوجی افسروں کو بلا کر مشورہ کرنا شروع کیا۔ ہر ایک نے کچھ کہا جو مامون کی طبیعت پر نہیں اتر رہا تھا۔ سرانجام اس نے فضل بن سہل کے ساتھ تنہائی میں مشورت کی۔

فضل نے کہا کہ بہتر یہی ہوگا کہ ایک خط فضل بن ربیع کے نام لکھ کر ایک تیز رو

قاصد کے ذریعے بھیج دیا جائے اور اس سے پہلے کہ وہ بغداد پہنچے ان کو روک دیا جائے تاکہ تیری نسبت ان کی رفتار کا اندازہ لگایا جا سکے۔

مامون نے سہل بن ساعد کو اپنے خادم کے ساتھ روانہ کیا اور وہ دونوں نیشاپور میں فضل میں بن ربیع اور اس کے ہمراہیوں سے جا ملے اور مامون کا خط ان کے حوالے کیا۔

فضل بن ربیع نے عذر خواہی کرتے ہوئے کہا کہ میں اس قدر اختیار کا مالک نہ تھا میرے سپاہیوں میں سے ایک نے سہل کی طرف نیزے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: اپنے مالک سے کہد و کہ اگر تو موجود ہوتا تو میں اس نیزے کو تیرے منہ میں گھونپ دیتا، اور یہی میرا جواب ہے۔(۱)

ابراہیم کے خلاف دو بھائیوں کے اقدامات

فضل بن ربیع کے بغداد پہنچنے سے قبل ہی امین اپنے بھائی صالح بن ہارون کے رپورٹ جو خراسان سے بغداد کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا، کے ذریعے ہارون کی موت سے آگاہ ہو چکا تھا لہذا بلا فاصلہ اپنے محل سے نکل کر قصر خلافت میں منتقل ہوا اور نماز جمعہ قائم کر کے بالائے منبر گیا اور حاضرین کو ہارون کی موت سے آگاہ کیا۔ اور ان سے نیکی کا برتاؤ کرنے کا وعدہ کیا اور بغداد کے سپاہیوں میں چند مہینوں کی تنخواہیں تقسیم کر دی گئیں نیز لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیدی۔ اور لشکری سربراہوں اور افراد خانہ نے اس کی بیعت کر لی، یوں محمد امین ۱۵ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں خلافت پر قابض ہوا۔(۲)

۱۔ کامل ابن اثیر جلد ۹، بنقل مرحوم سحاب

۲۔ وہی کتاب معصوم دہم ص ۸۲

فضل بن ربیع اس خیال سے کہ مامون کے آئندہ شرارتوں سے امن میں رہے، بغداد پہنچتے ہی امین کو اس بات پر اکسایا کہ مامون کو ولیعہدی سے معزول کرے اور اس سلسلے میں وہ علی بن عیسیٰ جو ہارون کی زندگی میں خراسان کی حکمرانی سے اپنے ظلم وستم کے سبب معزول کردیا گیا تھا، کے ساتھ مل گیا۔

چونکہ امین ایک سست اور خود اعتمادی سے عاری انسان تھا لہذا ان دونوں کی باتوں میں آکر (مامون کو معزول کردیا) حالانکہ تجربہ کار اور اندیشمند افراد نے اسے اس کام سے باز رہنے کو کہا تھا اور عہد شکنی کے برے نتائج کی اسے نشاندہی بھی کی تھی لیکن اس کے کان پر جوں بھی نہ رینگی یہاں تک کہ اس نے جو عہد نامہ ہارون کے دستور پر لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا تھا، کو بھی مکہ سے بغداد منگوا کر اسے پھاڑ ڈالا، اور خانہ خدا کا بھی پاس نہیں رکھا۔

ایک طرف سے جوانی کی حرارت اور حکومت کی ہوس اور دوسری طرف سے فضل بن ربیع کی غلط تدبیروں نے اپنا اثر کر دکھایا اور سرانجام اپنی مصلحتوں (پر سوچنے کے) کے بجائے مامون کی مخالفت اور اس کی معزولی پر اتر آیا۔

مامون سہل بن ساعد کی واپسی اور فضل بن ربیع کی رفتار سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے اطرافیوں کے ساتھ مشورہ کرنے بیٹھا۔ فضل بن سہل نے کہا: آپ کی ماں ایرانی ہیں اور آپ بھی اس وقت ایرانیوں کے درمیان ہیں خراسان والے آپ کی حمایت کریں گے اور پھر میں بھی آپ کے لئے خلافت کے راستے کو ہموار کردوں گا۔

مامون کو فضل بن سہل کی استادی اور تجربوں پر اعتماد تھا لہذا امین کو تسلیم نہ کرتے ہوئے وہ اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔

اس کے علاوہ مامون جو ہر جہت سے امین سے زیادہ صلاحیتوں کا مالک تھا اور اس کے اطرافی بھی نہایت تجربہ کار اور آزمودہ تھے۔ ان میں سے ایک طاہر بن حسین (سلسلہ طاہریہ کا سردار) تھا جو امور لشکرداری اور جنگ میں زبردست تجربہ کار تھا اور اسے طاہر ذوالیمینین (۱) کہتے تھے۔ دوسرا ہرثمہ تھا جو ہارون کی طرف سے علی بن عیسیٰ کو معزول کرنے کے بعد خراسان کا حکمران متعین کیا گیا تھا اور اس وقت سمرقند میں تھا اور وہاں سے بغداد آکر مامون کا معتقد ہو چکا تھا۔ مامون نے علاقے کے انتظامی امور اس کے سپرد کئے تھے اور اس کا کافی احترام واکرام کیا کرتا تھا۔

رافع بن لیث جو پہلے سرکشی کرنے کے بعد پھر تسلیم ہو چکا تھا ہرثمہ اور طاہر ذوالیمین کے واسطے سے مامون سے امان مانگ کر اسی سے ملحق ہو چکا تھا اور ان سب میں فضل بن سہل پیش پیش تھا جو نہایت کہنہ مشق اور باصلاحیت سیاستدان تھا۔ وہ علم نجوم

۱۔ مورخوں نے طاہر کے ذوالیمینین کے نام سے موسوم ہونے کی تین وجوہات بیان کی ہیں:

الف: وہ بائیں ہاتھ سے بھی ایسے ہی تلوار چلایا کرتا تھا جیسے دائیں ہاتھ سے چلاتا تھا۔ یوں ان کا بایاں ہاتھ بھی دایاں ہاتھ شمار ہوتا تھا۔

ب: جب اس نے امام رضا علیہ السلام سے بیعت کی تو بائیں ہاتھ سے بیعت کی اور کہا میرا دایاں ہاتھ مامون کی بیعت میں ہے اور جب مامون نے (یہ بات) سنی تو کہا کہ میں اس بائیں ہاتھ کو بھی سیدھا ہاتھ قرار دیتا ہوں۔

ج: یہ کہ جب طاہر، علی بن عیسیٰ سے جنگ کے لئے روانہ ہونے لگا تو فضل بن سہل نے اس کے خروج کی ساعت کو دو ستاروں بنام سہیل یمانی اور شعرای یمانی کے برج میں دیکھا تھا جو آسمان کے وسط میں تھا اسی وجہ سے طاہر کو ذوالیمین کا لقب ملا پھر مامون بھی اسی پیش بینی سے متاثر ہو کر علم نجوم کی طرف توجہ دینے لگا۔

میں بھی کافی معلومات رکھتا تھا اور مامون کا کرتا دھرتا رہا تھا۔ چونکہ مامون نے فوجداری اور ملکی انتظامات کو اس کے ہاتھوں سونپ رکھا تھا لہذا اسے ذوالریاستین کہتے تھے۔ یوں مامون بھی امین کا تختہ الٹانے کے درپے ہوا۔ اور جب ان دونوں کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا تو نوبت نزاع وفسا تک پہنچی۔

وقت ضرورت چون نماند گریز　　　دست بگیرد بر سر شمشیر تیز

یعنی مجبوری کے موقع پر جب اور کچھ بن نہیں پڑتا تو تیز تلوار کی دھار ہاتھوں میں لے لیتا ہے۔

....

۱۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ تالیف سحاب ج ۱ص ۱۸۶

امین و مامون میں جنگ اور امین کا قتل

امین اور مامون کے درمیان واقع شدہ جنگ درحقیقت ان کے دو وزیروں (فضل بن ربیع اور فضل بن سہل) کی جنگ کہی جاسکتی تھی، کہ جن میں دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارا جاتا تھا اگرچہ یہ امکان بھی پایا جاتا تھا کہ صلح وصفائی سے معاملے کو آگے بڑھاتے اور جنگ وجدال کی نوبت نہ پہنچتی۔

جی ہاں! امین نے اپنی خلافت کے اعلان کے بعد مامون کو خطوط لکھ کر بغداد میں طلب کیا۔ لیکن مامون یہ بہانہ کر کے کہ ہارون نے یہ علاقہ میرے سپرد کیا ہے، بغداد جانے سے کتراتا رہا اور ظاہراً امین نے کچھ تحائف بھی سفیروں کے ذریعے اس کے لئے بھیج دئے۔

امین جو مامون کی آمد سے ناامید ہو چکا تھا، نے فضل بن ربیع کے مشورے پر اپنے خاص افراد کو خراسان کے شہروں اور قصبوں کی طرف آنے کی دعوت کو منتشر کرنے کیلئے روانہ کیا۔ لیکن مامون نے ان کے اس مشن میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے

سرحدوں پر نگہبانوں کو بٹھا کر آمدورفت کرنے والوں کو تحت نظر قرار دیا۔ اور اپنے جاسوسوں کو عراق روانہ کیا تا کہ امین اور فضل بن ربیع کے ہر قسم کے اقدام سے متعلق اسے آگاہ کرتے رہیں۔ (۱)

امین نے خلافت کے دوسرے سال ۱۹۴ھ میں، مامون کے نام کو درہم و دینار سے مٹا دیا اور منبروں پر مامون اور قاسم موتمن کہ جن کو ہارون نے بالترتیب دوسرا اور تیسرا جانشین قرار دیا تھا، کے نام لینے سے منع کیا اور ۱۹۵ھ میں اپنے بیٹے موسیٰ، اس کے باوجود کہ وہ ابھی کم سن بچہ تھا، کو اپنا جانشین بنانے کے لئے لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لے لی اور اس کو الناطق بالحق کا لقب دیا۔

اسی سال میں علی بن عیسیٰ کو ایک بڑے لشکر جس کی تعداد چالیس یا پچاس ہزار لکھی گئی ہے، کے ہمراہ مامون سے جنگ کے لئے روانہ کیا اور ہمدان، اصفہان اور قم کی حکمرانی اس کو بخش دی۔

علی بن عیسیٰ بھی فضل بن ربیع کے مانند امین کو مامون سے جنگ پر اکساتا رہا اسی وجہ سے امین نے اسے روانہ کئے گئے لشکر کا کمنڈر متعین کیا۔ اور یہ کام بھی امین کی سیاسی احمقانہ اقدامات میں سے ایک تھا۔ کیونکہ اہل خراسان علی بن عیسیٰ کے سابقہ ظلم و ستم کی وجہ سے اس سے متنفر ہو چکے تھے اور واضح تھا کہ اس کے خلاف جنگ کرنے کے لئے کس قدر مقاومت کریں گے۔

جب یہ خبر مامون تک پہنچی تو اس نے بھی اپنے وزیر فضل بن سہل کے مشورے پر

طاہر ذوالیمینین کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور یہ دستور دیا کہ علی بن عیسیٰ کی پیش قدمی سے جلوگیری کرے تا کہ جلد ہی طاہر کی تقویت کیلئے مزید امدادی لشکر بھیج دیا جائے۔

دونوں لشکر ایک مدت تک راہ چلنے کے بعد رَی کے گرد و نواح میں ایک دوسرے سے مدبھیڑ ہوئے اور ان دونوں میں جنگ شروع ہوئی اور دونوں طرف کے کافی سپاہی مارے جانے کے بعد سرانجام طاہر کے لشکر نے غلبہ حاصل کیا اور علی بن عیسیٰ کے سپاہیوں کو فرار ہونے پر مجبور کیا جبکہ خود علی بن عیسیٰ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

طاہر نے اپنی فتح جو علی بن عیسی کے قتل اور بغداد کے سپاہیوں کی شکست پر مبنی تھی، کی اطلاع ان تک پہنچادی۔ مامون نے جب اپنے آپ کو فاتح پایا تو اسی وقت امین کی معزولی کا اعلان کروایا اور خراسان کے تمام شہروں میں اپنی خلافت کا اظہار کیا اور اہل خراسان نے اس واقعہ پر خوب خوشیاں منائیں اور فتح کے آخری نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔

اس وقت ہرثمہ بن اعیُن بھی مامون کی طرف سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ طاہر کی مدد کے لئے رَی کی طرف روانہ ہوا۔(۱)

جب علی بن عیسیٰ کے قتل کی خبر امین تک پہنچی تو کسی حد تک اسے اپنے اقدامات پر پچھتاوا ہوا، تاہم اسی وقت اس نے عبد الرحمٰن بن جبلہ کو علی کے بجائے محاذ کا کمانڈر متعین کر کے ۲۰ ہزار کے لشکر کے ہمراہ طاہر کے ساتھ جنگ کے لئے محاذ کی طرف روانہ ہوا۔

۱۔ زندگانی حضرت علی بن موسی الرضاؑ تالیف سحاب ج۱، ص ۱۷۸

عبدالرحمٰن ہمدان پہنچ کر وہاں اپنا مورچہ جمایا۔ جب یہ خبر طاہر تک پہنچی تو وہ رَی سے ہمدان کی طرف کوچ کر گیا اور وہاں عراقی سپاہیوں سے جنگ کے نتیجے میں عبدالرحمٰن بھی مارا گیا اور اس کے لشکر بھی بغداد کی طرف فرار کر گئے۔

طاہر نے حلوان تک پیش رفت کی پھر، چونکہ اس علاقے کا محاذ مامون کی طرف سے ہرثمہ کے اختیار میں قرار دیا گیا تھا لہذا ہرثمہ کے حلوان پہنچنے کے بعد طاہر نے مامون کے تحریری دستور کے مطابق اس علاقے کو ہرثمہ کے حوالے کر کے خود اہواز کی طرف روانہ ہوا۔(۱)

طاہر نے اہواز کی راہ لی اور وہاں پہنچنے پر اپنا مدمقابل جو اس علاقہ کا حاکم تھا کو قتل کر کے اہواز پر اپنا قبضہ جمایا اور اپنے اہلکاروں کو اہواز، بصرہ، کوفہ وغیرہ کے (مختلف) علاقوں میں متعین کیا اور امین کے اہلکار جو پہلے سے ہی ان علاقوں میں تھے، یا تو تسلیم ہو کر مامون کی بیعت کرتے تھے یا مقابلہ میں جاتے تھے۔ طاہر نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور سرانجام مدائن کو بھی فتح کیا پھر بغداد کا محاصرہ کرنے لگا۔

چونکہ ہرثمہ بھی کسی دوسرے محاذ سے بغداد پہنچا ہوا تھا لہذا شہر مدائن جو کہ امین کا دارالخلافہ تھا، ہر طرف سے مامون کے لشکر کے محاصرے میں آگیا اور اندرون شہر بھی فتنے شروع ہوئے۔

امین کے سپاہی اردگرد سے پراکندہ ہوئے بعض تسلیم ہوئے بعض نے طاہر سے امان چاہا۔ آخر کار محرم ۱۹۸ھ میں طاہر کے حکم پر ایک خراسانی گروہ نے امین کے مخفی گاہ پر حملہ کیا اور اس کو ۲۸ سال کی عمر میں قتل کیا اور اس کی پانچ سالہ خلافت کا خاتمہ کر

دیا۔(۱)

پھر امین کے سر کو خلافت کی مہر شدہ فتح مندی کے رپورٹ کے ضمن میں مامون کے لئے مرو میں بھیج دیا گیا اور مامون اس دن (۱۹۸ھ) سے مستقل طور پر خلافت پر پہنچا اور بغداد کے بجائے مرو کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔

....

۱۔ تاریخ طبری بنقل سحاب

تیسرا باب

دوران ولایت عہدی

۱۔علویوں کی تحریک اوران کا قیام

۲۔مامون کی امام رضا علیہ السلام کو دعوت

۳۔امامؑ کے مدینہ سے مرو تک کے راستے اور رونما ہونے والی کرمات

۴۔مامون کی پیشکش

۵۔ولایت عہدی کا جشن

۶۔مرو میں امامؑ کے مناظرے

۷۔بغداد کی شورش

۸۔مامون کی تغییر روش

۹۔شہادت امامؑ

۱۰۔موضوع ولیعہد سے متعلق بحث وگفتگو

۔ زندگانی حضرت رضا – تالیف: ابوالقاسم سحاب ج ۱، ص ۲۳۲

علویوں کی تحریک اوران کا قیام

امین کو ٹھکانے لگانے کے بعد عبداللہ مامون جو خود کو بغیر کسی مدمقابل کے تمام علاقوں پر حکمران خیال کرتا تھا، نے 'مرو' کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا اور چاہتا تھا کہ اپنے وزیر فضل بن سہل کے ساتھ آرام وسکون کی زندگی گزارے۔

لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ گوشہ وکنار سے اس کے خلاف شوروغل اٹھنے لگا اوراس کا آرام فتنہ وفساد میں تبدیل ہوگیا۔

فضل بن سہل نے تمام اسلامی ممالک پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے یہ غوروفکر کیا کہ اپنا بھائی حسن بن سہل کو ان مفتوحہ علاقوں میں بھیج دیا جائے جو طاہر اور ہرثمہ کی وساطت سے زیر تسلط آئے تھے تاکہ اپنے بھائی کے ذریعے سے دور دراز علاقوں پر بھی مسلط رہے لہذا اس نے مامون کو اس بات پر ابھارا کہ مذکورہ علاقوں کی حکومت حسن بن سہل کو سونپ دی جائے۔

مامون نے فضل کی تدبیر اور مشورے کے مطابق اس کے بھائی کو عراق کی طرف روانہ کیا اور تمام مفتوحہ علاقے فارس، اہواز، بصرہ، کوفہ، حجاز اور یمن کو اس کے سپرد کیا

جبکہ طاہر کو اس کے ماتحت صرف موصل اور جزیرہ شام کے امور کا ذمہ دار بنایا اور ہرثمہ کو "مرو" میں واپس بلالیا۔

اس منصوبے کے نتیجے میں جو فضل بن سہل کی تدبیر سے طے پایا تھا اور جو اس کے غرور اور خودخواہی کی نشاندہی کر رہا تھا، کئی پہلوؤں سے برے اثرات پیدا ہوئے۔ کیونکہ ایک طرف سے طاہر ذوالیمین جس نے بڑی مشقتوں سے عراق اور حجاز وغیرہ جیسے علاقوں کو سر کر کے زیر تصرف لایا تھا اور مامون اسی کی تلوار کے زوروں سے خلافت پر پہنچا تھا، (اس وقت) حسن بن سہل کے ماتحت ایک معمولی علاقے کا حاکم قرار دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حسن بن سہل نے عراق پہنچنے پر اس کو نصر بن شیث جو حلب کے شمالی علاقے میں مامون کے خلاف قیام کر رہا تھا، کی سرکوبی کے لئے بھیجا تو طاہر نے عمداً مقابلے میں عقب نشینی کی اور خود کو شکست خوردہ ظاہر کیا تا کہ نصر فتح پا جائے حالانکہ نصر اور اس جیسے طاہر کے آگے نہایت معمولی چیز تھے۔

دوسری طرف سے اہل عراق حسن بن سہل سے چنداں خوش نہ تھے اور طبری کی تحریر کے مطابق یوں کہا گیا ہے: فضل بن سہل مامون پر تسلط پا گیا ہے اور اس کے نام پر جو جی چاہتا کر گزرتا ہے اور اس کے بھائی کو بھی ان علاقوں کی حکومت عطا کی گئی ہے۔

عباسیوں کو بھی مامون پر بڑا غصہ تھا کہ اس نے امین (جس کی ماں ایرانی تھی) کو قتل کیا اور ان سے علیحدہ ہو کر "مرو" کو اپنا مرکز حکومت قرار دیا نیز عرب پر ایرانی عنصر کو ترجیح دی تھی۔ انہی اوضاع کے ساتھ ہی دوسرے اسلامی نقاط اور شہروں میں بھی

۲۔ مقاتل الطالبین

علویوں کی طرف سے مامون کے خلاف بغاوت شروع ہوئی جس کی شرح یوں ہے:

کوفہ میں:

محمد ابراہیم معروف بہ طباطبا جو امام حسن علیہ السلام کے پوتوں میں سے تھے، نے جمادی الثانی ۱۹۹ھ کو کوفہ میں قیام کیا اور بظاہر لوگوں کو رضائے آل محمدؑ اور کتاب وسنت پر عمل کی دعوت دی اور ابوالسرایا جو پہلے ہرثمہ کے ماتحت ایک کمانڈر تھا اور کچھ اختلافات کی بناء پر اس سے جدا ہو چکا تھا، سے جاملا اور آہستہ آہستہ کوفہ اور دیگر گردونواح کے لوگ بھی ان کے ہمدست ہوئے۔

حسن بن سہل نے زہیر بن مسیّب کو دس ہزار سوار اور پیادہ فوجوں کے ساتھ کوفہ بھیج دیا جو زہیر بن طباطبا کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے بعد شکست کھا گیا اور جو کچھ اس کے ساتھ اسلحہ اور اموال تھے سب طباطبا کے سپاہیوں کے ہاتھ آئے۔ جب ابوالسرایا نے یہ جان لیا کہ طباطبا کی موجودگی میں اس کو حکومت نہیں مل سکتی لہذا (بعض مؤرخوں کے مطابق) حکومت کے لالچ میں اس کو زہر دیدیا۔ اور بعض نے اس کی موت کی علت بیماری بتائی ہے۔(۱)

بہر حال طباطبا کی موت کے بعد ابوالسرایا نے اس کے لائحہ عمل پر عمل کرتے ہوئے مخالفوں سے جنگ لڑی۔

حسن بن سہل نے زہیر کی شکست سے آگاہی سے پہلے عبدوس بن محمد کو چار ہزار سوار سپاہیوں کے ہمراہ زہیر کی مدد کے لئے بھیجا۔ ابوالسرایا نے عبدوس سے جنگ لڑی

۱۔ کامل ابن اثیر ج۶، تاریخ طبری ج۱۰، ص۲۲۹۔ کتاب منتخب التواریخ ص۵۴۱

اوراس کو قتل کرنے کے بعد اس کے سپاہیوں کو بھی قتل یا اسیر کیا۔

ابوالسرایا نے درہم و دینار پر اپنا نام لکھوایا اور اپنی سپاہیوں کو بصرہ، واسط اور دیگر علاقوں کی طرف روانہ کیا اور علویوں میں سے بعض افسروں کو بصرہ، مکہ، یمن، فارس اور اہواز کی طرف بھیجدیا۔(۱)

ان واقعات نے حسن بن سہل کو چارہ اندیشی پر مجبور کیا اور ابوالسرایا کو راستے سے ہٹانے کے لئے اس نے یہ عزم کیا کہ کسی ماہر اور تجربہ کار جنگجو کو اس سے جنگ کے لئے روانہ کیا جائے لہذا بنقل ابوالفراج اصفہانی پہلے اس نے طاہر ذوالیمین کے نام پر ایک خط لکھا کہ وہ بغداد آجائے تاکہ اس کو ابوالسرایا کے ساتھ جنگ کے لئے بھیجدیا جائے لیکن ایک خط جس پر لکھنے والے کا دستخط نہیں تھا، اسے موصول ہوا جس میں چند اشعار بھی تھے جن میں اس کو یہ کام نہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ کیونکہ طاہر تشیع کی طرف مائل تھا اور علویوں کے ساتھ اس کا جنگ لڑنا صحیح نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں سے ایک میں (یوں اشارہ کیا گیا تھا):

اَتَبعَثُ طاهراً لِقتالِ قومٍ بِنُصرَتِهِمْ وَطَاعتِهم یَدِیْن ؟

یعنی کیا طاہر کو ایک ایسی قوم کے ساتھ جنگ پر بھیج رہے ہو جس کی مدد اور پیروی کرنا اس کا دین ہے۔(۲)

حسن بن سہل نے ایک اور خط ہرثمہ بن اعین جو حلوان میں تھا، کے نام لکھا جس میں اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اگرچہ پہلے پہل تو ہرثمہ نے حسن کے ساتھ پائی

۱۔ ارشاد شیخ مفید ج ۲، باب ۱۲، فصل ۱

جانی والی کدورتوں کی بناء پر اس کام کی انجام دہی سے انکار کیا لیکن اس کے نام پر بھیجے گئے دوسرے خط نے اسے اس کام پر تیار کیا جو شفقت آمیز انداز میں تھا۔ ہرثمہ، شعبان ۱۹۹ھ کو بغداد آیا اور جنگی ساز وسامان تیار کرنے کے بعد کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس سفر سے پہلے شہر مدائن سے گزرا اور اس کو ابوالسرایا کے لشکریوں سے آزاد کرایا۔ پھر ابن ہبیرہ کے محل کے نزدیک دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی جس میں کثیر تعداد میں ابوالسرایا کے لشکر مارے گئے اور ہرثمہ نے دشمنوں کا پیچھا کرنا شروع کیا اور اس نے اس کام میں اس قدر استقلال کا مظاہرہ کیا کہ ابوالسراء میں مزید کوفہ کو سنبھالنے کی سکت نہ رہی لہذا مجبوراً کوفہ ترک کر کے علویوں سے دور ہوا۔ اور محرم ۲۰۰ھ میں قادسیہ کی جانب چل نکلا اور سرانجام ہرثمہ کوفہ کو دوبارہ عباسیوں کے ہاتھوں لوٹانے میں کامیاب ہوا۔

ابوالسرایا قادسیہ کو بھی ترک کر کے شوش ایران کی طرف روانہ ہوا جہاں بادغیسی معروف بہ ماموںی کے لشکر سے روبرو ہوا اور جنگ چھڑ گئی۔ اگر چہ ماموںی کا لشکر پسپا ہوا تاہم اب ابوالسراء میں بھی زخمی ہونے کی وجہ سے اتنا دم نہیں رہا کہ مزید جنگ کر سکے لہذا وہ، جزیرہ جہاں اس کے اہل عیال تھے کی طرف چلا گیا۔ لیکن راستے میں وہ اور اس کے ساتھی گرفتار ہوئے اور ان کو حسن بن سہل جو نہروان میں تھا کے پاس لایا گیا حسن نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا اور اس کے جسد کو بغداد میں دار پر لٹکا دیا گیا۔

ہرثمہ ابوالسرایا کے خاتمہ کے بعد دوبارہ حسن بن سہل کے پاس نہیں گیا بلکہ وہ خراسان کی طرف روانہ ہوا اور اس دوران ماموں کی طرف سے ہرثمہ کے نام ایک خط پہنچا (جس میں حکم دیا گیا تھا) کہ شام اور حجاز کی طرف روانہ ہو جائے لیکن ہرثمہ نے

اس سے سرپیچی کی اور کہنے لگا کہ میں جب تک خلیفہ سے نہ ملوں لوٹ نہیں جاؤں گا۔ اور اس کا یہ قصد تھا کہ فضل بن سہل کے غلط پالیسوں کو خلیفہ کے سامنے واضح کر کے سمجھائے اور لوگوں کی بے رغبتی جو اس کے بھائی حسن بن سہل کی نسبت پائی جاتی تھی ،سے بھی اسے آگاہ کرے۔

چونکہ فضل بن سہل بھی اس مطلب سے آگاہ تھا اور وہ ہرثمہ کی نیت کو جان لیتا تھا لہذا اس نے اس سے پہلے کہ ہرثمہ مرو پہنچ کر خلیفہ سے ملاقات کرے ،اس کے حجاز جانے کے سلسلے میں دے گئے دستور سے سرپیچی اور نافرمانی سے خلیفہ کو مطلع کیا۔اور آخری مشکلات اور ناسازگاریاں جو در حقیقت ابولسرایا کے قیام کے بہ سبب وجود میں آئی تھیں،کو اس کی طرف سے بتلایا تو مامون بھی فضل کی باتوں میں آکر غضبناک ہوا۔

ہرثمہ جو ان تمام باتوں سے بے خبر تھا مرو کی طرف روانہ ہوا یہاں تک مامون کو بھی اپنی آمد کی اطلاع دیدی۔اپنے ہمراہیوں کو دستور دیا کہ ان کی آمد پر طبل بجائیں تا کہ اس کی آواز مامون کے کانوں تک پہنچ سکے۔ جب مامون نے طبل بجانے کی آواز سنی تو پوچھا: کیا بات ہے؟

جواب ملا: ہرثمہ ہے اور (اپنی آمد کا) اعلان کر رہا ہے لیکن ہرثمہ اس بات سے غافل تھا کہ فضل بن سہل نے پہلے سے ہی اسکا کام تمام کر کے مامون کو اس کے خلاف خشمگین کر رکھا تھا۔مامون نے کہا ہرثمہ کو آجانے دو،اور جیسے ہی اس کے سامنے پہنچا اسے بات کرنے کا موقع دے بغیر غصے میں کہا: تم نے کوفہ والوں کو علویوں کے ہمراہ کر دیا اور ابو السریا کو فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے بھڑکا دیا جب کہ تم ان سب کو گرفتار بھی کر سکتے تھے پھر بغیر اس کے کہ اس کی باتوں کو سنے حکم دیا کہ اسکے پہلو اور ناک پر

ضربے ماریں اور اس کو کھینچتے ہوئے دربار سے نکال لے گئے۔

فضل بن سہل نے ہرثمہ کو اپنے اہل کارواں کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ رفتاری کی جائے اور (طرح طرح) کا شکنجہ دیا جائے۔ ہرثمہ کچھ مدت تک یونہی زندان میں پڑا رہا۔ پھر فضل نے مامون سے اس کے قتل کا حکم حاصل کیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ زندان میں ہی ہلاک ہوا۔ یوں وہ کار آزمودہ اور تجربہ کار کمانڈر اتنی ساری فدا کاریوں اور خدمات کے باوجود فضل بن سہل کی سازشوں کا شکار ہوا۔

ابن شہر آشوب کی تحریر کے مطابق، امام رضا علیہ السلام نے اسی واقعہ کی پہلے سے ہی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور جب آپؑ نے مدینہ میں ہرثمہ پر نگاہ ڈالی تو فرمایا: مرو لے جایا جائے گا اور وہاں اس کی گردن کاٹی جائے گی۔ (۱)

بصرہ میں:

زید بن موسیٰ برادر حضرت رضا علیہ السلام جو ابو السرایا کے حکم پر بصرہ کا حاکم منصوب ہوا تھا، نے وہاں عباسیوں کے خلاف اقدامات کئے اور ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا جس کی وجہ سے انہیں زید النار کا لقب ملا۔

حسن بن سہل نے ایک گروہ کو علی بن ابی سعید کے سرکردگی میں بصرہ کی جانب روانہ کیا اور کافی جنگ و جدال کے بعد اس شہر کو اپنی سابقہ حالت پر بحال کرنے میں کامیاب ہوا۔ زید نے بھی اس سے امان چاہا اور اسیر کر دیا گیا حسن نے انہیں مرو میں مامون کے پاس بھیج دیا۔ (۲)

۱۔ محاضرات خضری ص ۱۷۷، کامل ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۲۹ بنقل مرحوم سحاب

۲۔ ۱۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا ۔ تالیف: عماد زادہ ج ۱، ص ۲۰۷

عراق کے شہروں میں پیدا ہونے والے فتنہ وفساد کے علاوہ بیرون ملک بھی مامون کے خلاف اقدامات ہوتے رہے۔

مکہ میں:

مکہ میں بھی علویوں کا ایک گروہ محمد بن جعفر (فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام) کے اطراف میں جمع ہوئے اور انہیں مامون کے خلاف قیام کرنے پر ابھارا۔ اگرچہ وہ شروع شروع میں اس اقدام سے منع کرتے رہے لیکن لوگوں کے اصرار کے نتیجے میں بعد میں اس پیش کش کو قبول کر لیا۔

شیخ مفید کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں: انہوں نے ۱۹۹ھ میں مامون کے دوران خلافت میں مکہ میں خروج کیا اور زیدیہ اور جارودیہ نامی طائفے بھی ان کی ہمراہی میں نکل آئے اور مامون کے خلاف قیام کیا۔

عیسی جلودی مامون کی طرف سے محمد بن جعفر سے مقابلہ کرنے کے لئے آیا اور ان کے لشکر کو پسپا کر دیا۔ اور محمد بن جعفر کو گرفتار کر کے مامون کی طرف بھیج دیا۔ محمد جب طوس میں پہنچا تو مامون نے اس کا احترام کیا اور انہیں اپنے پہلو میں بٹھا دیا اور کافی تحفے بھی دیئے پھر وہ خراسان میں مامون کے پاس ہی رہا۔ (۱)

یمن میں:

یمن میں بھی ابراہیم بن موسی بن جعفر وہاں کی حکومت پر منتخب ہو چکے تھے۔ جب انہوں نے ابوالسرایا کی بابت میں سنا تو مکہ سے یمن کی طرف کوچ کیا۔ حاکم

۱۔ عصر مامون ج ۱ ص ۲۲۳ منقل عماد زادہ

یمن جب ابراہیم کی آمد سے مطلع ہوا تو نہایت خشمگین ہو کر اپنے لشکر کے ہمراہ یمن سے نجد کی طرف روانہ ہوا اور یمن کو ابراہیم کے لئے خالی کر دیا گیا چونکہ ان (ابراہیم) سے جنگ لڑنا بڑے خطرے کو مول لینا تھا یوں ملک یمن بھی علویوں کے ہاتھ میں آیا۔ یہاں تک کہ مامون بھی مجبور ہوا کہ علویوں کی خواہشات کے مطابق ابراہیم کو یمن کی حکمرانی پر متعین کر کے اس کو تصدیق کرے۔ (۱)

خراسان میں:

مامون کے زمانے میں، علویوں کے مشوروں اور خواہشات پر خراسان میں حسین بن ہرش کی سرکردگی میں ایک تحریک وجود میں لائی گئی جو لوگوں کو رضائے آلِ محمد ﷺ کی طرف دعوت دیتی تھی۔ ان کے پیروکار جو بھی علی -کے حبدار تھے بڑی مقدار میں تھے بطور یکہ مامون ان سے خوفناک ہوا۔ کیونکہ شہر مرو جو اس کی حکومت کا مرکز تھا، دھمکیوں کے زد میں آچکا تھا۔ لیکن فضل بن سہل کی (شیطانی) سازشوں سے مامون کا لشکر ان پر غلبہ پا گیا۔ اور حسین کو گرفتار کر کے مامون کے پاس لایا گیا جہاں بلا فاصلہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا (۲)

مذکورہ باتوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہد مامون میں اسلامی ممالک کے اوضاع وحالات بہت نا امن اور فتنہ وفساد سے پر تھے اور علویوں کا قیام جو عباسیوں خصوصاً ہارون کے ظلم وتشدد کا ردعمل تھا، نے مامون کو ایک نئی چارہ جوئی کی

۱۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا -، تالیف: عبدالقادر احمد ترجمہ، ریاضی، ص ۵۹-۶۰

۲۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا -، تالیف: عبدالقادر احمد ترجمہ، ریاضی، ص ۵۹-۶۰

طرف موڑ دیا تا کہ ایک انوکھے اقدام کے ذریعے یہ ہرج ومرج اور فتنہ وفساد آرام وسکون میں بدل جائے۔

....

۲۔ تاریخ تمدن اسلام، ص ۷۹۸

مامون کی امام رضاؑ کو دعوت

مامون کی طرف سے امام رضا کو کی جانے والی ولیعہدی کی پیشکش کے سلسلے میں تاریخ و سیر کے علماء نے مختلف علل و اسباب لکھے ہیں اور اس سلسلے میں نقل ہونے والی روایتیں بھی ایک دوسرے سے قدرے مختلف اور متضاد ہیں جو صاحبانِ قلم اور محققوں کے لئے کافی رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

بعض مورخوں کا عقیدہ ہے کہ چونکہ (چنانچہ گذشتہ فصل میں گزر گیا) فرزندان علی مختلف علاقوں میں قیام کر رہے تھے۔ لہذا مامون نے ان کو خوش کرنے اور ان کی تحریکوں اور فتنوں کو دبانے کے لئے امام رضا علیہ السلام جو علویوں کی منفرد اور ممتاز شخصیت تھے کو ولیعہدی کے سلسلے میں دعوت دے کر مرو میں بلا لایا۔ تا کہ امامؑ کی شخصیت کے احترام میں وہ مامون کے خلاف مزید اقدامات نہ کریں۔ (۱)

۱۔ ابن خلدون ج ۳ ص ۹ نقل از زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا - تالیف: عبد القادر احمد ترجمہ ریاضی ص ۸۲

بعض روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مامون دل ہی دل میں بنی عباس سے پھر چکا تھا لیکن چونکہ امام رضا علیہ السلام کے زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری سے وہ بخوبی آگاہ تھا لہٰذا ظاہراً اس نے اپنے ارادے کے مطابق یہ اقدام کیا ہے۔

ڈاکٹر رفاعی مؤلف کتاب عصر مامون لکھتا ہے کہ مامون کی امام کو ولیعہدی کی پیشکش سیاسی اغراض کے پیش نظر تھی۔(۱)

جورج زیڈان لکھتا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کو ولیعہدی کی پیشکش پہلے پہل فضل بن سہل کے مشورے پر کی گئی تھی۔ فضل نے جب اپنے بھائی کو عراق اور فارس کی فرمانروائی پر متعین کیا اور حکومت کے مرکز کو بغداد منتقل کیا تو سوچنے لگا کہ خلافت کو علویوں میں منتقل کیا جائے۔ امام رضا -جن کے خراسان میں بہت سے ارادتمند تھے کو ولیعہد بنا لیا جائے۔ (یہ تدبیر سوچنے کے بعد اس نے) مامون کو بھی اس بات پر ابھارا اور شاید یہ شرط پہلے سے ہی طے ہو چکی تھی کہ اس پیشکش کو قبول کرنے کی صورت میں اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اور اگر یہ شرط نہ بھی ہوئی ہوگی تو بعد میں مامون کو اس بات پر ضرور تشویق کی ہوگی۔ مامون نے بھی اس تدبیر کو قبول کیا چاہے از روئے ناچاری یا اپنی خواہش سے یا اس محبت کی وجہ سے جو اسے علویوں سے تھی کہ وہ بچپن سے ہی علویوں کے ساتھ پروان چڑھا تھا اور اپنے شیعہ ہونے کا بھی اظہار کیا کرتا تھا۔ بہر حال ۲۰۱ھ میں مامون نے علی بن موسیٰ الرضا -کو اپنا ولی عہد بنایا۔(۲)

شیخ صدوقؒ نے بھی عیون اخبار میں ایک روایت (تقریباً جرجی زیدان کی تائید

۱۔عیون اخبار الرضا ترجمہ جلد ۲ ص ۳۰۲ ـ ۳۰۱

شیخ صدوقؒ نے بھی عیون اخبار میں ایک روایت (تقریبا جرجی زیدان کی تائید میں) نقل کی ہے کہ فضل بن سہل نے اشارے میں مامون سے یہ کہا کہ ولیعہدی کے ذریعے علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے صلہ رحمی بجالائی جائے تا کہ اس وسیلے سے خدا اور رسول کا تقرب اور خوشنودی حاصل کر کے ہارون رشید کی طرف سے اولاد فاطمہؑ پر کی جانے والی تمام سختیوں کی تلافی کی جائے۔ پس مامون نے رجاء بن ابی ضحاک یا اپنے خادم یاسر کو خراسان سے مدینہ کی طرف روانہ کیا تا کہ محمد بن جعفر اور علی بن موسی الرضا + کو اپنے دربار میں حاضر کرے۔ یہ واقعہ ۲۱۰ھ کو پیش آیا۔ جب علی بن موسی الرضا - مرو پہنچے تو مامون نے آپؑ کو ولیعہد بنایا اور سپاہیوں کو ایک سال کے اخراجات بھی دیے اور اس واقعہ کو دیگر دور دراز علاقوں میں بھی لکھ بھیجا اور آپؑ کو رضا کا لقب دیا گیا اور آپؑ کے اسم مبارک پر سکے مہر کر دیئے گئے۔(۱)

لیکن ایک اور روایت جو ریان بن صلت سے نقل ہوئی ہے، میں یوں ہے کہ مامون نے فضل بن سہل سے مشورہ لئے بغیر اپنے طور سے یہ اقدام کیا ہے اور اس کی علت بھی ایک شرعی نذر کو پورا کرنا تھا اور وہ امر یہ ہے کہ ریان بن صلت نے کہا: اعلی عہدیداروں، سپاہیوں اور عوام کی اکثریت نیز ان لوگوں نے بھی جو امام رضا علیہ السلام کی بیعت پر راضی نہ تھے اور اب آنحضرتؑ کی اس بیعت میں شریک ہوئے تھے ،یہی کہدیا ہے کہ یہ عمل فضل بن سہل کی تدبیر سے ہوا ہے۔ جب یہ خبر مامون تک پہنچی تو اس نے آدھی رات میں مجھے بلا بھیجا۔ میں اس کے حضور میں پہنچا تو کہا: اے ریان میں نے سنا ہے کہ حضرت رضا علیہ السلام کی بیعت فضل بن سہل کی تدبیروں سے عمل

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲، باب ۳۹

میں آئی ہے!

میں نے کہا: صحیح ہے اے امیر المؤمنین لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔

کہا: افسوس ہو تم پر اے ریان۔ کیا کوئی ایسی جرأت کر سکے گا کہ کسی ایسی ہستی کے آگے آئے جو خود بھی خلیفۂ زماں ہوں اور فرزندِ خلیفہ بھی نیز تمام رعایا اور عوام اس کے حکم کے آگے سر خم کرتے ہوں، اور اس کی خلافت مضبوط و استوار ہو، پھر اس سے کہے کہ اپنی خلافت کو چھوڑ دو اور اسکو کسی غیر کے حوالے کر دو؟

کیا صاحبان عقل کے پاس ایسا کہنا جائز ہے؟

میں نے کہا: یا امیر المومنین خدا کی قسم ایسا کہنا جائز نہیں اور کسی کو ایسی گفتگو کی جرأت بھی نہیں ہوگی۔

اس نے کہا: خدا کی قسم جو کچھ لوگ بول رہے ہیں غلط ہیں لیکن میں تجھے اس (امام علیہ السلام کو دعوت دینے) کی اصل علت بتائے دیتا ہوں۔ جب میرے بھائی امین نے مجھے خط کے ذریعے حکم دیا کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں تو میں نے انکار کیا۔

جب یہ خبر اس تک پہنچی تو علی بن عیسیٰ کو سپہ سالار بنا کر اسے یہ حکم دیا کہ مجھے قید کر کے میری گردن میں طوق ڈالدیا جائے۔

اور جب یہ خبر مجھ تک پہنچی تو میں نے ہرثمہ بن اعین کو سیستان اور کرمان اور اس کے نواحی علاقوں میں روانہ کیا لیکن معاملہ میرے خلاف تمام ہوا اور ہرثمہ فرار ہوا اور وہاں کے تخت نشین نے قیام کیا اور خراسان کے کچھ حصے پر قبضہ جمایا اور ایک ہی ہفتہ

۲۔ منتہی الآمال، اصول کافی ج ۲ باب التاریخ، ارشاد مفید

۱۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۱۴۴ نقل از مسند الامام الرضا جلد ۱ ص ۱۱۷

روبرو ہوا تو مجھ میں مزید جنگ وجدال کی طاقت رہی اور نہ ہی اتنا مال ودولت کہ جس کے ذریعے کوئی لشکر تیار کر سکتا۔ میں نے اپنے فوجی عہدیداروں کو بھی ترساں اور ہراساں دیکھا لہذا میں نے سوچا کہ کابل کے بادشاہ کے ساتھ ملحق ہو جاؤں پھر دل میں سوچا کابل کا بادشاہ تو کافر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے محمد جو اسکو کافی مال ودولت دیتا ہے، کے حوالے کردے۔ لہذا میں نے اسی سے زیادہ بہتر اور کوئی راہ نہیں پائی جسکے ذریعے اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کردی جائے اور خدا ہی سے استعانت و مدطلبی کریں اور اسی کی پناہ لوں۔

سرانجام میں نے دستور دیا کہ اس (ایک گھر کی طرف اشارہ کیا) کو صاف ستھرا کردیا جائے جب اس گھر کی صفائی کردی گئی تو اپنے آپ کو غسل دے کر سفید لباس پہن لیا اور چار رکعت نماز ادا کی اور ان چار رکعتوں میں قرآن شریف کی جتنی سورتیں حفظ تھیں تلاوت کیں اور خدا سے دعائیں مانگی اور اسی کی پناہ چاہی اور خلوص دل سے خدا سے یہ محکم وعدہ کیا کہ اگر خدا خلافت کو میری طرف پلٹائیں اور مجھے مشکلات کے بھنور سے نجات دے تو اس خلافت کو اسی کے حقدار تک پہنچا دوں گا جن کو خدا نے پہلے سے عطا کی تھی۔

اس کے بعد مجھ میں ہمت آئی اور میں نے طاہر کو علی بن عیسی کی طرف بھیج دیا اور جو ہونا چاہیے تھا وہ ہو گیا۔ اور ہرثیمہ کو بادشاہ کے پاس روانہ کیا اور اس کے ساتھ صلح کی گئی اور اس کیلیے کچھ اموال بھی دیئے گئے۔ اس وقت سے میری خلافت روبہ ترقی ہوئی یہاں تک کہ محمد کا واقعہ پیش آیا یعنی اس کو قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ خداوند عالم اس خلافت کو میری طرف پلٹائے اور میں استقلال حاصل کرسکوں۔

جب خدا نے میرے وعدے کو پورا کیا تو میں بھی چاہتا تھا کہ اپنا وعدہ پورا کروں اور اس کام کے لئے کسی کو حضرت علی بن الرضا علیہ السلام سے زیادہ سزاوار نہیں پایا۔ سرانجام خلافت کو ان کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا مگر جو کچھ تجھے معلوم ہے یعنی صرف ولیعہدی کو اختیار کیا اور یہ واقعہ آپؑ کی ولیعہدی کا سبب بنا۔ (۱)

ابوالفرج اصفہانی، طبرسی، کلینی اور شیخ مفید ؒ نے دوسرے مؤرخوں سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مامون نے حضرت رضا علیہ السلام کو دعوت دی اور آپؑ مرو پہنچے تو مامون نے فضل بن سہل اور اس کے بھائی کو بلا کر کہا: میں نے اپنے تئیں عہد کرلیا ہے کہ اگر میں اپنے بھائی (امین) پر غلبہ پا جاؤں تو خلافت کو آلِ علی کے بہترین فرد کے لئے پیش کردوں اور اب دیکھتا ہوں کہ کوئی بھی ان سے زیادہ افضل اور حقدار نہیں ہے لہذا میں نے ان دونوں (فضل بن سہل اور اس کے برادر) کو حضرت رضا علیہ السلام کی خدمت میں گفت وشنید کے لئے بھیج دیا۔ (۲)

مرحوم مجلسیؒ نے بھی آپؑ کی دعوت کو مامون کے فضل بن سہل کے ساتھ کیے گئے مشوروں کا نتیجہ جانتے ہوئے لکھا ہے: معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملعون مامون کا حکم دنیا کے گوشہ و کنار میں نافذ ہوا اور عراق کے علاقوں کو حسن بن سہل کے حوالے کیا اور خود شہر مرو میں اقامت گزین ہوا اور حجاز کی مملکتوں سے فتنہ وفساد کے گردو

۱۔ جلاء العیون ص ۵۴۶۔ بحار الانوار ج ۴۹

غبار بلند ہوئے تو بعض علوی سادات نے خلافت کے طمع میں علم بغاوت بلند کیا۔

جب یہ خبر مامون کے کانوں میں پہنچی تو اس نے فضل بن سہل ذوالریاستین جو اس کے وزیر اور مشیر تھا سے مشورہ کیا اور ان دونوں کے کافی غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کو مدینہ سے بلا لیا جائے اور اپنا ولیعہد بنا دیا جائے تا کہ دوسرے سادات بھی اس کی اطاعت میں رہیں اور خلافت کا شوق ان کے سر سے جاتا رہے۔ لہٰذا اس نے رجاء بن ضحاک کو اپنے بعض خاص افراد کے ساتھ مدینہ کی طرف آنحضرتؑ کی خدمت میں روانہ کیا۔(۱)

کتاب تجارب السلف میں لکھا ہے: مامون چاہتا تھا کہ خلافت کو آل عباس سے آل علی کی طرف منتقل کرے اور وہ اس فکر میں پڑا ہوا تھا کہ اپنے بعد خلافت کا کیا انجام ہوگا؟ اور چاہتا تھا کہ ولیعہدی کو ایک ایسے شخص کے حوالے کیا جانا چاہئے جو (واقعی) اس کا حقدار اور سزاوار ہو تا کہ خود بری الذمہ ہو جائے۔ اس کے بعد اس نے خاندان علی اور عباس میں خوب تحقیق کی اور کسی کو حضرت علی بن موسی الرضا ؑ سے افضل اور داناتر نہیں پایا لہٰذا یہی قرار پایا کہ ولیعہدی کا منصب حضرت کو پیش کیا جائے تا کہ علوی اور بنی ہاشم کے افراد اطاعت گزاری پر اتر آئیں اور خلافت سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔(۲)

مسعود بھی مذکورہ بالا روایت کے مضمون سے ملتی جلتی روایت نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: کہ حضرت ابوالحسن علی بن موسی الرضا جب مرو میں مامون کے ہاں پہنچے تو اس

۱۔ جلاء العیون ص ۵۳۶

۲۔ زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا - تالیف سحاب ج ۱، ص ۲۵۳

نے آنحضرتؑ کا خوب استقبال کیا اور اپنے قریبی افراد اور خواص کو جمع کرنے کو حکم دیا اور ان سے کہنے لگا، میں نے اولاد علیؑ اور عباسؓ میں اچھی طرح دیکھا اور کسی کو اس عہدہ کے لئے علی بن موسیٰ الرضاؑ سے زیادہ سزاوار نہیں پایا۔ پھر آنحضرتؑ کی ولیعہدی کی لوگوں سے بیعت لی اور آپؑ کے اسم مبارک پر سکے مہر کردیئے گئے۔(۱)

اس کے علاوہ اور بھی روایتیں مؤرخوں سے نقل ہوئی ہیں جو مامون کی امامؑ کو دعوت دینے کی علت ایرانیوں کی آل علیؑ کی حمایت بتائی گئی ہے۔

بہر حال واقعیت جیسی بھی ہو (یہ امر قطعی ہے کہ) یہ دعوت انجام پا چکی ہے اور مامون نے حضرتؑ کو بعض دیگر علویوں اور عباسیوں کے ہمراہ مدینہ سے مرو بلا لایا ہے اور ہم اس حصہ کے آخری فصل میں اس دعوت کی کیفیت اور اس کے اغراض ومقاصد سے متعلق بحث کریں گے۔

....

امام ؑ کے مدینہ سے مرو تک کے راستے اور آپؑ کی کرامات

مامون نے ۲۰۰ ھ کے اواخر میں رجاء بن ضحاک کو اپنے خصوصی خادم یاسر اور دیگر چند افراد کے ہمراہ علویوں اور عباسیوں کے چند افراد کو لانے کے غرض مدینہ روانہ کیا اور حضرت امام رضا -کی خدمت بھی ایک خط لکھ بھیجا جس میں آپؑ کو مرو تشریف لانے کی دعوت دی گئی تھی۔

بعض مؤرخین نے امامؑ کے لانے پر مامور کیے گئے شخص کا نام جلودی ذکر کیا ہے شاید یہ شخص بھی رجاء بن ابی ضحاک کے ہمراہ تھا یا دوسری دفعہ مدینہ کی طرف چلا گیا ہوگا کیونکہ امام رضا - پہلے پہل اس کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے لیکن اس نے کئی خطوط کے ذریعے اصرار کیا یہاں تک امام اس کی دعوت کو قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔

مامون نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ حضرت رضا ؑ کے ساتھ خوش رفتاری کی جائے اور آپؑ کا احترام کا خاص خیال رکھیں اور انہیں قم اور کوفہ کے راستوں سے نہ

گزاریں بلکہ بصرہ، اہواز اور فارس کے راستوں سے آپ کو خراسان پہنچایا جائے۔

مامون کی طرف سے روانہ کیا ہوا گروہ اور امام رضا ؑ کے نام لکھا گیا نامہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب امامؑ نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ اب مامون کی دعوت کو قبول کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے لہذا آپؑ مجبور ہو کر سفر کے لئے آمادہ ہوئے بغیر اس کے کہ اپنے اہل بیتؑ سے کسی کو ہمراہ لیں۔ اور علم امامت سے اپنے لیے پیش آنے والے تمام واقعات کی پیش گوئی فرمائی۔

شیخ صدوق ؒ نے محول جستانی سے روایت کی ہے کہ اس نے: کہا جب امام رضاؑ مدینہ سے نکلنے والے تھے تو آپؑ مسجد میں داخل ہوئے اور سرور کائنات اور اپنے جد بزرگوار کی ضریح کے پاس تشریف لائے اور وداع کیا۔ اور جب وداع فرماتے تھے تو قبر شریف کی طرف پلٹ کر اسے چومتے اور بلند آواز میں گریہ کرتے تھے اور اس روضہء مقدس کی جدائی میں بے چین ہو جاتے تھے۔ جب آپؑ حسرت بھرے دل کے ساتھ رسول خداؐ کی قبر مطہر سے جدا ہوئے تو میں ان کی خدمت میں گیا۔ سلام عرض کرنے کے بعد آپؑ سے اس سفر کے سلسلے میں تبریک عرض کی۔ فرمایا: یہ کونسی تبریک کا مقام ہے کہ میں جد بزرگوار کے مرقد مبارک سے بچھڑ رہا ہوں اور پردیسی کے عالم میں دنیا سے چلا جاؤں گا اور ہارون کی قبر کے نزدیک دفن کر دیا جاؤں گا۔ (۱)

طبری لکھتا ہے جب امامؑ کو خراسان آنے کی دعوت دی گئی تو آپؑ نے اپنے اہل بیتؑ کو جمع کیا اور حکم فرمایا کہ اپنے لئے مجلس عزا برپا کریں اور آپؑ نے ان کے درمیان ۱۲ ہزار دینار تقسیم کئے اور ان سے فرمایا میں اس سفر سے واپس نہیں آ پاؤں

گا۔ اپنے بیٹے ابوجعفر (امام نہم) کے دست مبارک کو تھام کر مسجد نبوی میں لے گئے اور اسرار امامت ان کے حوالے کر دیئے اور آئندہ کے احوال سے انہیں آگاہ کر دیا۔ (۱)

شیخ یوسف بن حاتم نے کتاب درالنظیم میں اصحاب امام رضا -کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"آنحضرت نے فرمایا کہ جب میں مدینہ سے خراسان کی طرف جانے لگا تو اپنے اہل وعیال کو ایک جگہ جمع کر کے ان سے کہا کہ مجھ پر گریہ کرو تا کہ میں تمہاری صدائے گریہ سن لوں۔ میں نے ان کے درمیان بارہ ہزار دینار تقسیم کر دئے اور کہا کہ دوبارہ میں تمہاری طرف لوٹ نہیں آسکوں گا۔ پھر ابوجعفر (امام نہم) کا ہاتھ پکڑ کر انہیں مسجد نبوی میں لے گیا اور میں نے انہیں قبر رسول سے لپٹا کر آنحضرتؐ کے واسطے میں (خدا سے) ان کا حفظ وامان چاہا اور اپنے تمام وکیلوں اور عقیدتمندوں کو اس کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کا حکم دیا نیز ان کی مخالفت نہ کرنے کا بھی دستور دیا اور انہیں (اچھی طرح) سمجھایا کہ یہی میرا جانشین ہے۔" (۲)

مامون کی دعوت ۲۰۰ھ کے آواخر میں عمل میں آئی تھی اور بعض مؤرخوں کے نقل کے مطابق چونکہ حج کا موسم نزدیک تھا لہذا امام رضا -پہلے مدینہ سے مکہ کی طرف تشریف لے گئے اور ۲۰۱ھ کے اوائل میں مناسک حج انجام دینے کے بعد، حجاز کی سرزمین کو مرو جانے کے قصد سے ترک فرمایا۔

مؤرخین کے اس نظریے کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو کتاب کشف الغمہ اور

۱۔ منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۸۹

۲۔ منتخب التواریخ ص ۵۴۲۔ ستارگان درخشان ج ۱۰، ص ۲۶

اثبات الوصیہ میں امیہ ابن علی سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا:

جب امام رضاؑ مکہ سے خراسان کی طرف سفر فرما رہے تھے تو اس وقت میں مکہ میں آنحضرت کی خدمت میں تھا اور آپ طواف کے بعد مقام ابراہیم پر نماز طواف میں مشغول ہوئے اور آپ کے موفق نامی غلام امام جوادؑ کو اپنے دوش پر اٹھائے طواف دے رہا تھا۔ جب حجر اسماعیل پر پہنچا تو امام جوادؑ کو نیچے اتار کر بیٹھ گئے اور غم واندوہ کے آثار آپ کے رخسار مبارک سے عیاں تھے۔ موفق نے امام رضاؑ کی خدمت آکر عرض کیا: آپ پر قربان جاؤں! فرزند ارجمند حجرہ میں بیٹھے ہوئے اٹھ نہیں رہے ہیں۔ آپؑ اپنے بیٹے کے پاس تشریف لائے اور نہ آنے کی علت دریافت کی۔ انہوں عرض کیا: میں کیسے اٹھتا جبکہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپؑ خانہ کعبہ سے اس انداز میں وداع کر رہے تھے کہ گویا دوبارہ اس کی طرف لوٹیں گے ہی نہیں۔

بصرہ میں: امام۔ مکہ سے روانہ ہونے کے بعد قادسیہ اور نباج کے راستوں سے ہوتے ہوئے بصرہ میں وارد ہوئے۔ ابن شہر آشوب نے علوان سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے خواب کے عالم میں کسی نے کہا کہ رسول خدا ﷺ بصرہ تشریف لاچکے ہیں میں نے دریافت کی کہ کہاں قیام فرما چکے ہیں کہا کہ فلاں شخص کے گھر میں۔ میں نے وہاں جاکر دیکھا کہ رسول خدا تشریف فرما ہیں اور آپ کے آگے طبقوں میں برنی کے خرمے چنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ان خرموں میں سے اٹھا کر کچھ مجھے عنایت کیا جب دیکھا تو اس میں ۱۸ دانے تھے پھر نیند سے بیدار ہوا۔

کچھ مدت بعد لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ علی بن موسیٰ الرضا - بصرہ پہنچ چکے

۱۔ منتخب التواریخ ص ۵۴۳۔ معصوم دہم ص ۹۶

ہیں۔ میں نے پوچھا: آپ - نے کہاں قیام فرمایا ہے؟ کہا کہ فلاں قبیلہ والوں کے پاس ہیں اور میں نے آپ - کو ایک ایسی جگہ تشریف رکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ جہاں حضور اکرم ﷺ تشریف فرماتے تھے۔ اور آپ - کے آگے طبقوں میں خرما رکھے ہوئے تھے اور ان میں سے اٹھارہ دانے مجھے بھی عطا کئے۔ میں نے عرض کی: یا بن رسول اللہ بیشتر عنایت کیجئے۔ فرمایا: اگر میرے جد بیشتر عطا کئے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔ مسعودی نے بھی ابوحبیبہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔(۱)

اہواز میں: امام- کی سواری بصرہ سے روانہ ہونے کے بعد کشتی کے ذریعے محمرہ (خرمشہر) پہنچی اور وہاں سے اہواز میں نزول فرمایا:

ابوالحسن صائغ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ حضرت اہواز میں شدت گرمی کی وجہ سے کافی ناآرام تھے تو آپ - نے کچھ گنے لانے کو فرمایا۔ لوگ کہنے لگے یہ عرب قوم سے ہیں جو نہیں جانتے کہ گرمیوں کے موسم میں گنے کی فصل نہیں ہوا کرتا۔ حضرت نے فرمایا: تم لوگ تلاش کرو کہ گنا پیدا ہو جائے گا۔

اسحاق بن ابراہیم نے کہا: خدا کی قسم میرے آقا! جو چیز موجود ہی نہیں اس کو کیا ڈھونڈیں! فرمایا: جاؤ پوچھو مل جائے گا۔ اس وقت ایک گروہ آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہمارے پاس گنے ہیں جو ہم نے بیچنے کے لئے ذخیرہ کر رکھے ہیں اور اب حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔(۲)

مؤرخوں میں آپ کے اہواز سے نیشاپور تک کے راستوں سے متعلق اختلاف

۱۔ مناقب ج ۴ ص ۲۹۷۔ اثبات الوصیہ ترجمہ نجفی ص ۲۹۵

۲۔ حدیقۃ الرضویہ۔ مسند الامام الرضا- ج ۱ کتاب الامامۃ، حدیث ۲۷۵

ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت فارس، اصفہان اور قم کے راستوں سے نیشاپور داخل ہوئے ہیں جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ اصفہان، یزد اور طبس کے راستوں سے آپ تشریف لائے ہیں اور کچھ مورخوں نے اصفہان سمنان، دامغان سبزوار اور نیشاپور لکھا ہے اور بعض دیگر نے اہواز، اراک، ری اور نیشاپور کے راستے ذکر کیے ہیں۔ مامون کے اس حکم کے مطابق جو اس نے اپنے اہلکاروں کو دیا تھا کہ امام کو قم سے نہ گزارا جائے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ قم کے راستے سے گزرے ہوں۔ سمنان اور دامغان کے راستے بھی اس زمانے میں پائے نہیں جاتے تھے۔ احتمال قوی ہے کہ حضرت[1] اصفہان، یزد اور طبس (کہ جس کو اعراب خراسان کے نام سے پکارتے تھے) کے راستوں سے گزرے ہوں۔ بہر حال اس بات پر مورخین کا اتفاق نظر ہے کہ حضرت[2] نیشاپور سے عبور کر چکے ہیں۔

نیشاپور میں:

نیشاپور اس زمانے کا ایک بارونق اور گنجان آباد شہر تھا اور علم و تمدن کے حوالے سے اسے مرکزیت حاصل تھی اور بہت سے فقہاء اور محدث اس شہر میں بس رہے تھے یہی وجہ تھی حضرت امام رضا علیہ السلام کے استقبال کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ اجتماع نکل آیا تھا۔

ابو واسع محمد بن احمد نیشاپوری کہتا ہے: جب امام رضا علیہ السلام نیشاپور پہنچے تو ''لاشاد باد'' نامی ایک محلے میں میری دادی خدیجہ کے گھر میں نزول فرمایا اور اسکو ''پسندہ'' نام دیا جو لفظ مرضی کا فارسی ترجمہ ہے اور اس کی علت یہ تھی کہ چونکہ حضرت نے نیشاپور میں سے اسے میزبانی کیلیے انتخاب فرمایا۔ جب حضرت اس گھر میں داخل

۱۔ معصوم دھم ص ۹۷

۲۔ مسند امام رضا – ج ۱ص ۵۹

ہوئے تو صحن کے ایک گوشے میں بادام کی ایک بیج ڈالدی اور بادام اُگ کر ایک درخت بن گیا اور ایک سال کے بعد پھل دینے لگا۔ جب لوگ اس واقعہ س آگاہ ہوئے تو آکر شفاء کے لئے اس بادام سے کھاتے تھے اور صحت پاجاتے تھے اور جو آنکھوں کے درد میں مبتلا ہوتے تھے آکر اس بادام کو اپنی آنکھوں سے مل لیتے تھے تو شفایاب ہوجاتے۔ ہر خاتون جس کو وضع حمل دشوار ہوجاتا اس درخت کا پھل کھاتی تو اس پر زچگی آسان ہوجاتی اور اگر کوئی حیوان یا مویشی قولنج (انتڑیوں کا شدید درد) کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا تو اس درخت کی ایک شاخ کو اس کی شکم پر ملتے تو اس کا درد جاتا رہتا تھا۔(۱)

اگلے روز جب حضرتؑ نیشاپور سے کوچ کرنے لگے (۲) تو آپؑ ایک کجاوے میں تشریف فرما تھے جو ایک سرخ رنگ کے استر پر نصب کیا ہوا تھا اور شہر نیشاپور لوگوں کے ہجوم اور ان کے شور غل کی وجہ سے گونج رہا تھا۔

ابوزرعہ رازی اور محمد اسلم طوسی جو حافظان حدیث میں سے تھے، حضرتؑ کی خدمت میں آکر آپ سے عرض کرنے لگے کہ آپؑ کجاوے سے اپنے چہرۂ مبارک کو ظاہر فرمائیں اور ان (عقیدت مندوں) کی نگاہوں کو اپنی زیارت شریف سے روشن کریں اور ان کے افتخار اور سربلندی کے لئے ایک حدیث بھی بیان فرمائیں۔

برقع از روی برانداز که تا خلق جهان
بیکی روز دو خورشید ببینند عیان

۱۔ عیون اخبار الرضا ترجمہ ج ۲ ص ۳۷۳

۲۔ بعض نے اس واقعے کو حضرتؑ کے نیشاپور میں داخل ہونے کے موقع پر لکھا ہے۔

ترجمہ: ذرا رخ سے نقاب تو ہٹا دیجئے کہ دنیا والے ایک ہی دن میں دو سورج کو واضح و آشکار دیکھیں۔

اس پر حضرت رضا -نے اپنی سواری کو روک کر سر مبارک کو کجاوے سے باہر نکالا اور دیکھنے والوں کی آنکھوں کو اپنی صبیح طلعت جمال سے روشن فرمایا۔

آپ کا چہرہ مبارک نہایت خوبصورت اور آپ کی زلفیں رسول خدا کی زلفوں جیسی تھیں جب آپ نے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو نمایاں کیا تو بعض آپ کے حسن و جمال میں کھوگئے جب کہ بعض شوق دیدار کی شدت سے گریہ کرنے لگے بعض گریبان چاک کر رہے اور بعض آپ کے بار بار دیدار کے لئے گردن نکال نکال کر دیکھ رہے اور بعض زمین پر گر رہے تھے اور نیشاپور میں ہر طرف شور وغل کا ایک عالم تھا۔

راویوں نے لوگوں سے چیخ پکار کر کہا کہ خاموش ہو جاؤ اور حضرتؑ کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو بلکہ آپؑ کو گفتگو کرنے دو۔ سب لوگ خاموش ہو گئے ہر طرف ہو کا عالم تھا اتنے میں امام رضاؑ نے بلند آواز میں مندرجہ ذیل حدیث جو "حدیث تہلیل یا سلسلۃ الذہب" کے نام سے مشہور ہے، بیان فرمائی (۱)

حَدَّثَنِی اَبِی مُوسَیٰ بْنِ جَعْفَرِ الْکَاظِم ، قَالَ؟ حَدَّثَنِی اَبِی جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ الصَّادِق، قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی عَلِیِّ بن الْحُسَیْنِ زَیْنُ الْعابدین قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی حُسَیْنِ بن علی شَهِیدُ اَرْضِ کَرْبَلا ، قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی اَمِیْرُ الْمُومِنِیْنَ عَلِیّ شَهِیدُ اَرْضِ الْکُوفَه، قَالَ حَدَّثَنِی اَخِی وَ ابْنُ عَمِّی مُحَمَّد رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِه ،قَالَ حَدَّثَنِی جِبْرَئِیلُ، قَالَ سَمِعْتُ رَبُّ

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ باب ۳۸

الْعِزَّةِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰی يَقُوْلُ : كَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِي فَمَنْ قَالَهَا دَخَلَ حِصْنِي وَ مَنْ دَخَلَ حِصْنِي اَمِنَ مِنْ عَذَابِي.

ترجمہ: مجھے میرے پدر بزرگوار موسیٰ بن جعفر کاظمؑ نے فرمایا کہ آپؑ نے فرمایا کہ میرے پدر نے جعفر صادقؑ سے فرمایا آپؑ نے فرمایا مجھے میرے پدر محمد باقرؑ نے، آپ نے فرمایا مجھے میرے پدر علی بن الحسینؑ نے، آپؑ نے فرمایا مجھے میرے پدر حسین بن علی شہید کربلا نے، آپؑ نے فرمایا مجھے میرے بابا امیر المومنینؑ شہید کوفہ نے، آپؑ نے فرمایا مجھے میرے پدر اور ابن عم محمد رسول خداؐ نے اور آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے کہا، جبریل نے کہا کہ میں نے حضرت رب العزت سبحانہ وتعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے پس جو یہ کلمہ کہے گا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوا وہ امن پا گیا۔(۱)

شیخ صدوقؒ نے امالی میں لکھا ہے کہ جب آپؑ کی سواری چلنے لگی تو آپؑ نے فرمایا: بشرطها وشروطها وانا من شروطها یعنی مگر اس کی شرط وشروط ہیں (یعنی آپؑ کی ولایت) اس کی شروط میں سے ہے۔(۲)

محمد بن اسلم امامؑ کے ان گران بہا کلمات کو دوسروں کے لئے لکھنے کے بارے میں تکرار کرتا تھا بطوریکہ مورخین نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ۲۴ ہزار اہل قلم حدیث لکھنے کے لئے آچکے تھے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؑ کے استقبال کے لئے آنے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔

۱۔ مسند امام رضا - ج ۱، ص ۵۹۔ صحیفۃ الرضاؑ

۲۔ امالی صدوقؒ مجلس ۴۱، حدیث ۸

اس حدیث کو اس لئے سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے کہ اس کو روایت کرنے والے بھی معصوم ہیں مزید یہ کہ اس حدیث کو لکھنے کے لئے سینکڑوں سونے سے زینت دیئے گئے قلمدان استعمال کئے گئے۔(۱)

کشف الغمہ میں استاد ابوالقاسم قشیری سے نقل ہوا ہے کہ یہ حدیث سامانی امراء میں سے کسی کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس نے حکم دیا کہ اس کو آب طلا سے لکھدیا جائے اور یہ وصیت بھی کی کہ مرنے کے بعد سونے سے لکھی گئی یہ حدیث اس کی قبر پر نصب کردی جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ اس کی موت کے بعد اسے خواب میں دیکھا گیا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ کہا کہ لا الہ الا اللہ کے کہنے اور اس کے رسول کو خلوص سے قبول کرنے نیز اس حدیث کے لئے کی گئی تعظیم و احترام کی بدولت خدا نے مجھے بخش دیا۔ (۲)

قریۃ الحمراء میں

شیخ صدوق ؒ نے عبدالسلام ہروی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام رضا - نیشاپور سے طوس کی طرف روانہ ہو کر دہ سرخ نامی مقام جو ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے (اور حالیہ مشہد سے ۶ فرسخ کے فاصلے پر ہے) پر پہنچے تو لوگوں نے آپؑ سے عرض کی: یا ابن رسول اللہ زوال کا وقت ہو چکا ہے کیا نماز قائم نہیں کریں گے؟ تو آپؑ سواری سے اترے اور فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لایا جائے۔ جواب ملا کہ پانی ہمارے ہمراہ نہیں ہے۔ امامؑ اپنے دست مبارک سے پہاڑی کا دامن کریدنے لگے اور

۱۔ اباصلت عبدالسلام ہروی، امام رضا - کے مقرب خدمتگاروں میں سے تھے اور اس بزرگوار سے بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان کا مرقد مشہد مقدس میں واقع ہے جو با قاعدہ بارگاہ کی صورت میں تعمیر کیا گیا ہے۔

(دیکھتے ہی دیکھتے) چشمہ ابلنے لگا اور سب نے وضو کر کے نماز ادا کی اور یہ چشمہ اب بھی موجود ہے۔(۱)

سناباد میں

جب حضرت امام رضا ؑ وہ سرخ نامی مقام سے روانہ ہو کر سناباد پہنچے جہاں راستے میں سنگ خارا (جس سے پتھر کے ظروف تراشے جاتے ہیں اور حالیہ مشہد کے جنوب میں واقع ہے) کے ایک پہاڑی پر تکیہ کر کے دعا کرنے لگے: خدایا اس پہاڑی کو نفع بخش قرار دے اور اس سے بنے ہوئے ظروف میں پکنے والی غذا میں برکت عطا کر۔ پھر حکم دیا کہ اپنی غذا پکانے کے لئے اس کے پتھر سے برتن تراشے جائیں۔ اسی وقت سے آنحضرتؑ کی دعاؤں کی بدولت اس پہاڑ میں منفعت اور برکت پائی جاتی ہے۔

پھر امام ہشتم ؑ نے حمید ابن قحطبہ (جو ہارون کی طرف سے طوس کا حاکم تھا) کے گھر میں قیام فرمایا اور مزار ہارون کے نزدیک تشریف لے گئے اور اور اپنے دست مبارک سے اس کی قبر کے گرد ایک خط کھینچتے ہوئے فرمایا:

یہ میری قبر کی جگہ ہوگی اور میں یہیں مدفون ہوں گا اور جلد ہی خداوند عالم اس مقام کو شیعوں اور میرے دوستداروں کی آمد و رفت کا محل قرار دے گا۔ خدا کی قسم جو بھی ان میں سے میری زیارت کرے گا اور مجھے سلام کرے گا ہم اہل بیتؑ کی شفاعت سے

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ باب ۳۸، مناقب ابن شہر آشوب

بخشا جائے گا اور رحمتِ خدا اس پر واجب ہو جائے گا۔(۱)

حضرت امام رضاؑ سنا باد سے سرخس کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے مرو کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد وارد مرو ہوئے۔

مامون کی پیشکش

بعض اہل قلم نے مرو میں امام رضا ؑ کی غم انگیز آمد کو ۲۰۱ھ میں منحصر کیا ہے حالانکہ یہ کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا چونکہ مؤرخین کے نقل کے مطابق ولیعہدی کا دستور جسے مامون نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور جس کی پشت پر امام رضا ؑ نے بھی اپنے دست مبارک سے کچھ مطالب تحریر فرمائے تھے، رمضان المبارک کے اوائل سنہ ۲۰۱ھ میں جاری ہوا ہے، بطوریکہ ابن بابویہ عیون اخبار الرضاؑ (۱) میں اور دیگر مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ دو مہینوں کی مدت میں نیز عہد نامہ کی تحریر سے قبل بھی امام رضا ؑ اور مامون کے مابین مذاکرات ہوتے رہے تھے اور مذاکرات سے پہلے بھی حضرتؑ نے سفر کی خستگی کو دور کرنے کے لئے کچھ مدت آرام فرمایا ہے۔ بنابراین مرو میں آپؑ کی آمد ۲۰۱ھ کے پہلے نصف میں ہونی چاہئے۔

شہر مرو جو امام رضا ؑ کی آمد کا منتظر تھا، مامون کے حکم پر چراغانی کر کے سجایا گیا

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ باب ۳۸

اور خود مامون اور ذو الریاستین بھی، علما، وفقہاء اور دیگر برجستہ افراد کے ہمراہ کئی کلومیٹر کے فاصلے پر امام رضاؑ کے استقبال کے لئے آ چکے تھے۔

مامون نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ امام کا خیر مقدم کیا اور حضرتؑ کو اسی گھر میں بٹھانے کا حکم دیا جو خود مامون کے محل کے ساتھ واقع تھا اور ایک ہی دروازے کے ذریعے اس سے متصل تھا۔ کافی سازوسامان اور کئی خدمت گزار بھی آپؑ کی خدمت کے لئے پیش کیے گئے تاکہ آپؑ کو ہر قسم کی سہولت وآسائش فراہم ہو اور ساتھ ہی امام کے ہمراہیوں جن کی اکثریت علویوں پر مشتمل تھی، کے لیے بھی ایک گھر میں جگہ دی گئی۔

چند روز کے بعد جب آپؑ کی خستگی دور ہو گئی اور مذاکرات کے لئے زمینہ فراہم ہوا تو مامون نے (بہ نقل شیخ صدوقؒ از اباصلت ہروی) یوں اپنی پیشکش کا آغاز کیا: (۱)

یا ابن رسول اللہ میں آپؑ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور عبادت کو جان چکا ہوں اور آپ کو خود سے زیادہ خلافت کیلئے مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: میں خدا کی بندگی پر فخر کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ دنیا سے بے رغبتی کے ذریعے میں دنیا کے شر سے نجات پا جاؤں گا اور پرہیزگاری اور محرمات سے اجتناب کے ذریعے آخرت کی نعمتوں کے حصول کی امید رکھتا ہوں اور

۱۔ ترجمہ ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۲۵۰_۲۵۱

دنیا میں انکساری اور فروتنی کے ذریعے کل خداوند تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سربلندی کا امیدوار ہوں۔

مامون نے کہا: میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ خلافت سے برکنار ہوکر اسے آپ کے لئے پیش کروں اور آپ کی بیعت کروں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اگر یہ خلافت تیرا حق ہے اور خداوند نے اسے تیرے لئے قرار دیا ہے تو جائز نہیں ہے کہ جو لباس خداوند تجھے پہنایا ہے اسے اتار کر کسی اور کو پہنائے اور اور اگر خلافت تیرا حق نہیں ہے تو یہ کیونکر جائز ہوگا کہ کسی ایسی چیز کو میرے اختیار میں دو جو تمہاری ہی نہیں۔ مامون نے کہا: اے فرزند رسول آپ کو کسی صورت میں اس کام کو قبول کرنا ہوگا۔

امامؑ نے فرمایا: میں اپنی مرضی اور خوشی سے ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا۔

مامون چند روز اس سلسلے میں جدوجہد اور اصرار کرتا رہا اور حضرتؑ ہر مرتبہ انکار فرماتے رہے یہاں تک کہ مامون مایوس ہوکر کہنے لگا: اگر خلافت قبول نہیں کہ میں آپ کے ہاتھوں بیعت کرتا تو ولیعہدی قبول فرما کہ میرے بعد خلافت آپ تک پہنچے۔

حضرت رضاؑ نے فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے والد نے، انہوں نے اپنے آباء سے انہوں نے امیرالمؤمنینؑ سے یہ خبر دی ہے کہ میں تجھ سے پہلے ہی دنیا سے چلا جاؤں گا اور ظلم کے ساتھ زہر سے شہید کیا جاؤں گا اور زمین و آسمان کے فرشتے مجھ پر گریہ کریں گے اور پردیس کے عالم میں ہارون کی قبر کے پہلو میں دفنایا جاؤں گا۔

مامون گریہ کرنے لگا اور کہا: یابن رسول اللہ کون ہے جو آپ کو قتل کرے یا اتنی طاقت رکھتا ہو کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کو نقصان پہنچائے؟

آپ نے فرمایا: اگر میں بتانا چاہوں کہ کون مجھے قتل کرے گا تو یقیناً بتا سکتا ہوں۔

مامون نے کہا: یابن رسول اللہ آپ اس گفتار سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس کام سے سبکبار کریں اور اس سے منہ موڑیں اور لوگ یہ کہیں کہ آپ کو دنیا سے کوئی رغبت نہیں۔

حضرت رضاؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! جب سے خداوند نے مجھے خلق فرمایا ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے اور نہ میں دنیا سے بے رغبت ہوا ہوں بلکہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ تم کیا ارادہ رکھتے ہو۔

مامون نے کہا: میرا کیا ارادہ ہے؟

فرمایا: اگر حقیقت کہوں تو کیا امان ہے؟

کہا: آپ کے لئے امان ہے۔

امام نے فرمایا: اس پیشکش سے تیرا مقصود یہ ہے کہ علی بن موسیٰ الرضا دنیا سے بے رغبت اور زاہد نہیں ہے بلکہ دنیا اس سے بے رغبت ہو چکی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ کس قدر طمع اور لالچ کے ساتھ ولیعہدی کے منصب کو قبول کر لیا ہے؟

مامون بہت غضبناک ہوا اور کہا: آپ ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں جسے سنتے ہوئے مجھے کراہت ہوتی ہے! گویا میری سلطنت سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر ولایت عہدی کو قبول نہ کیا تو آپ کو مجبور کروں اور اگر پھر بھی قبول نہ کیا تو سر تن سے جدا کر دوں گا۔

آپؑ نے فرمایا: خداوند متعال نے مجھے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ میں اپنے ہی ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالوں۔ پس اگر صورت یہی ہے تو جو کچھ تم کرنا چاہتے

ہو کر گذر رو اور میں اس موضوع کو قبول کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ نہ میں کسی کو (کسی عہدے پر) تعین کروں گا اور نہ کسی کو معزول کروں گا اور نہ کسی رسم و راج کو توڑوں گا اور نہ کسی کام میں مشورہ ہی دوں گا۔

مامون ان باتوں سے راضی ہوا اور آنحضرتؑ کی اس قدر کراہت اور ناپسندی کے باوجود ان کو اپنا ولی عہد بنایا۔(۱)

شیخ طوسی کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں:

حضرت رضاؑ کے مرو پہنچنے کے بعد مامون نے آپ کی رہائش کے لئے یک جداگانہ گھر کا انتظام کیا اور نہایت عزت و احترام کرنے لگا۔ پھر اس نے کسی کے ذریعے آنحضرتؑ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ خلافت سے اپنے آپ کو در کنار کروں اور اس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس سلسلے میں حضور کا کیا ارادہ ہے؟

امامؑ نے اس پیشکش سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: میں تجھے اس بات سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں اے امیر المؤمنین، اور دوسروں کو بھی جو اس بات کو سنے۔

مامون نے پھر آنحضرتؑ کی خدمت میں کہلا بھیجا: اگر خلافت کی پیشکش کو قبول نہیں فرماتے تو مجبوراً ولیعہدی کے منصب کو قبول کرنا پڑے گا۔ امامؑ نے بھی دوبارہ شدت کے ساتھ انکار فرمایا۔ مامون نے آپؑ کو خصوصی طور پر اپنے پاس بلا لیا اور تنہائی میں جبکہ فضل بن سہل کے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا، آپ سے کہا: میں نے یہ

۱۔ علل الشرائع ج۱ص ۲۲۶۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ص ۱۳۹ نقل از مسند امام رضا - ج۱ص ۶۸۔ امالی صدوق" مجلس ۱۶ حدیث ۶

ارادہ کرلیا ہے کہ مسلمانوں کی زمامداری آپ کے شانوں پر ڈالدوں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے امیر المومنین! خدا کی یاد کرو اور اس سے ڈرو کیونکہ مجھ میں ایسے کاموں کی انجام دہی کی طاقت نہیں ہے۔

مامون نے کہا: تو پھر میں آپ کو اپنے بعد ولیعہد اور جانشین بنانا چاہتا ہوں۔

فرمایا: اے امیر المومنین! مجھے اس کام سے معذور سمجھو۔

مامون دھمکی آمیز لہجے میں کہنے لگا:

عمر بن خطاب نے خلافت کو چھ افراد میں محدود کیا جن میں سے ایک آپ کا جد امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ تھے اور حکم دیا گیا کہ ان چھ افراد میں سے جو بھی مخالفت کرے گا اس کی گردن کاٹی جائے گی۔

پس آپ کو بھی جو کچھ میں نے ارادہ کیا، قبول کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راہ نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں اس شرط کے ساتھ ولیعہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ کسی کو حکم کروں گا اور نہ کسی کو نہی کروں گا، نہ فتویٰ دوں گا اور نہ کوئی فیصلہ سناؤں گا، نہ کسی کو کسی عہدے پر متعین کروں اور نہ کسی کو معزول کروں گا اور نہ تیری حکومت کی روش میں کسی قسم کی تبدیلی ہی لاؤں گا۔ پھر مامون نے ان شرائط کو قبول کیا۔(۱)

ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں کچھ یوں تحریر کیا ہے:

مامون نے آنحضرتؑ کو طلب کر کے ان کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو

۱۔ راقم مامون کے عہد نامہ کے فقط ترجمے پر اکتفا کر رہا ہوں لیکن جو مطالب جب امام رضا ؑ نے مذکورہ

آپ نے انکار فرمایا۔ اس پر مامون نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا: عمر نے اپنی موت کے وقت کہا کہ چھ افراد پر مشتمل شوریٰ تشکیل دیا جائے کہ جن میں سے ایک آپ کا جد تھے اور حکم دیا کہ ان چھ افراد میں سے جو بھی مخالفت کرے گا اس کی گردن کاٹی جائے پس آپ بھی مجبور ہیں کہ میری ولیعہدی کو قبول کریں۔

علی بن موسی الرضاؑ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو قبول فرمایا۔(۱)

شیخ صدوق اور شیخ مفیدؒ نے موسی بن سلمۃ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں محمد بن جعفرؑ کے ہمراہ خراسان میں تھا۔ وہاں سے میں نے سنا کہ ایک دن ذوالریاستین گھر سے نکل آیا اور کہنے لگا، کیا ہی تعجب خیز چیز میں نے دیکھی! اور مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیا چیز دیکھی؟

کہنے لگے اصلحک اللہ (خدا تمہاری بھلا کرے) کیا چیز دیکھی؟

کہا: میں نے مامون کو علی بن موسی الرضا سے یہ کہتے ہوئے دیکھا:

میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی زمہداری آپ کے شانوں پر ڈالوں اور جو میری گردن پر ہے اسکو اٹھا کر آپ کی گردن پر ڈالوں۔ میں نے دیکھا کہ علی بن موسی الرضا یہ کہہ رہے تھے: مجھ میں اس کام کی برداشت اور طاقت نہیں۔ میں کسی بھی خلافت کو اس خلافت سے زیادہ بے قیمت اور بے اہمیت نہیں سمجھتا جسے مامون اپنے شانوں سے اٹھا کر علی بن موسی الرضا کی گردن پر ڈالنا چاہتا ہے اور علی بن موسی الرضا پھر اسے ٹھکراتے ہوئے مامون کی طرف پلٹاتا ہے۔(۲)

۱۔ ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۵۲۴

۲۔ عیون اخبار الرضا ج ۲۔ ارشاد مفیدؒ ج ۲

جو بات گزشتہ روایات سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مامون نے پہلے تو ظاہراً مسند خلافت اور بعد میں ولیعہدی کی پیشکش کی اور جب حضرتؑ نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی قبول نہیں فرمایا تو اس نے زبردستی آپؑ کو ولیعہد بنایا۔

....

عہدنامے کی پشت پر رقم فرمائے ہیں، بطور تبرک ترجمہ کے ساتھ اس کا متن بھی درج کیا جا رہا ہے۔

۳۔ فصلت/۴۲

جشن ولیعہدی

جب امام رضاؑ نے مامون کے اصرار اور دھمکی پر مجبوراً ولایت عہدی کو قبول فرمایا تو مامون نے اس موقع پر اپنے ہاتھوں سے ایک عہد نامہ لکھدیا اور حضرتؑ نے بھی اس عہدنامے کی پشت پر کچھ مطالب تحریر فرمائے۔

اس عہدنامے کے اصل متن کو علی بن عیسیٰ صاحب کشف الغمہ نے اپنی کتاب میں تحریری کیا ہے اور مرحوم مجلسیؒ نے بھی بحارالانوار میں اسے نقل کیا ہے۔

علی بن عیسیٰ لکھتا ہے:

سنہ ۶۷۰ھ میں میرے رشتہ داروں میں سے ایک جو مشہد الرضا میں آیا کرتا تھا، کے ہمراہ ایک عہدنامہ تھا جسے مامون نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا اور جب (دیکھا کیہ) اس کے سطروں کے درمیان اور اس کی پشت پر امام رضاؑ کے دست مبارک سے کچھ مطالب مرقوم ہیں، میں نے حضرتؑ کے خط کو چوم لیا اور آپؑ کے گلستانِ سخن پر نظر ڈالی اور اپنے آپ کو اس سے آگاہی کے لئے آمادہ کیا اور خدا کے فضل ورحمت سے

اسے حرف بہ حرف نقل کیا اور یہ حصہ مامون کا دستخط تھا۔(۱)

مامون کے عہدنامے کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط عبداللہ بن ہارون رشید امیر المومنین کی طرف سے اپنے ولیعہد علی بن موسیٰ الرضا کو لکھا جا رہا ہے۔

اما بعد: خداوند عز وجل نے دین اسلام کو اختیار فرمایا اور اپنے پیغمبروں کو بندوں پر ہادی و رہبر بنا کر بھیجا اور ہر پیغمبر نے اپنے آنے کے بعد اپنے بعد والے پیغمبر کی خوشخبری سنائی ہے اور اسکی تصدیق بھی کی یہاں تک کہ زمانہ گزرنے کے بعد علوم کے کہنہ اور قدیم ہونے، وحی کے منقطع ہونے اور قیامت کے نزدیک ہونے پر، محمد ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوت اختتام کو پہنچا۔

پس خداوند نے آپؐ کو خاتم الانبیاء قرار دیا اور آپؐ کو ان پر شاہد اور امین بنا دیا اور اور اپنی بے مثال کتاب کو آنحضرتؐ پر نازل فرمایا۔ ایک ایسی کتاب جس کے آگے یا پیچھے سے باطل کے لئے کوئی گزر پایا نہیں جاتا۔ یہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ لا یَأتِیهِ البَاطِلُ من بَین یَدَیه و لا من خلفِه تَنزِیلٌ مِن حَکِیمٍ حَمِید. (۲)

جس میں حلال وحرام بیان کئے گئے ہیں، خوف ورجاء (کی باتیں ہیں) اور اس

۱۔ یا داؤد اِنّا جَعَلنٰاکَ خلیفۃً فی الاَرضِ فاحکُم بَینَ النّاسِ بالحَقِّ و لا تتّبِعِ الهوىٰ فیُضِلَّکَ عَن سَبِیلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذینَ یَضِلُّونَ عَن سَبیلِ اللّٰه لهم عذابٌ شدیدٌ بما نَسُوا یومَ الحساب. (ص/۲۶)

میں ڈرایا گیا اور امر و نہی کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کبھی غلط تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ لوگوں کے لئے ایک حجت ہے۔ اور جو گمراہی اور ضلالت کی راہ پر لگ چکے ہیں دلیل و حجت کے باوجود لگ چکے ہیں اور جس نے نورِ ہدایت سے حیاتِ جاوید پائی وہ بھی دلیل اور حجت ہی کے ذریعے ہے اور یقیناً خدا سننے والا اور دانا ہے۔ (۱)

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اور حکمت، وعظ و نصیحت اور اچھی قسم کی بحث و دلیل کے ذریعے انہیں خدا کی طرف دعوت دی پھر دین کے دشمنوں کے ساتھ سختی اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ خدا نے انہیں اپنے پاس اٹھایا اور اپنی رحمت کو ان کے لئے قرار دیا۔

جب دورانِ نبوت ختم ہوا اور خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے سلسلے کو منقطع کیا تو دین کے قوام و استحکام اور امر مسلمین کو خلافت کے ذریعے کامل کر دیا اور اسی کے ذریعے اس کا شرف بڑھایا۔ اور خدا کی خاطر قیام کرنا ایسی اطاعت و بندگی ہے جس کے ذریعے واجبات، خدا کی حدود اور اسلام کے احکام اور اس کی سنتوں کو قائم اور دین کے دشمنوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہ سکتے رہیں۔

بنا برایں یہ بات ان (حقیقی) جانشینوں کے ذمے ہے جن کو خدا نے اپنی مخلوقات اور دین کے محافظ قرار دیا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کریں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے خلیفوں کی پیروی کرتے ہوئے خدا کے (دین) حق کی حمایت میں کھڑے ہونے، امن اور عدل و انصاف کو قائم کرنے نیز (لوگوں کے) خون کے تحفظ اور

۱۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (سورہ انفال آیہ ۴۲)

معاملوں کی اصلاح اوران کے درمیان اتحاد کے سلسلے میں ان پیشواؤں کی مدد کریں۔ اوراگراس حکم کے خلاف عمل کریں گے تو مسلمانوں کے اتحاد کا رشتہ کمزور ہو جائیگا نیز ان کے اوران کے معاشرے میں پائے جانے والے اختلافات (سب پر) واضح ہو جائے گا اور دین کی شکست اور دشمنوں کا تسلط نمایاں اوراقوال میں تفرقہ اور تضاد پیدا ہو جائے گا جس کے نتیجے میں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارت اٹھائیں گے۔

پس اس شخص کیلئے جس کو خدا نے روئے زمین اپنا خلیفہ بنایا ہے اوراپنے بندوں پر امین بنا کر بھیجا ہے، سزاوار ہے کہ وہ راہ خدا میں کوشش اور جستجو کرتے ہوئے زحمتوں اور مشقتوں کو برداشت کرے اور خدا ہی کی اطاعت اوراس کی رضایت کو (ہر چیز پر) ترجیح دے اور خود کو ان کاموں کے لئے آمدہ کرے جو خدا کے احکام اور فرامین کے موافق ہوں۔

اور جو کچھ خدا نے اس کے ذمے لگایا ہے (اس کے بارے میں) حق وانصاف کے ساتھ حکم لگائے چنانچہ خداوند داؤد پیغمبرؑ سے ارشاد فرماتا ہے:

اے داؤد! ہم نے تجھے روئے زمین پر خلیفہ بنایا پس لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کر اور ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرو مبادا وہ تجھے راہِ خدا سے گمراہ کردے۔ بے شک وہ لوگ جو راہِ خدا سے بہک جاتے ہیں ان کے لئے روزِ قیامت کو بھلانے کے سبب سخت سزا ہوگی۔(۱)

نیز خدائے عزّ وجل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے:

تیرے رب کی قسم ہم بھی لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے۔(۱)

روایت میں آیا ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا: اگر میں فرات کے کنارے کسی بھیڑ کو باندھ لوں اور وہ ضائع ہو جائے اور کچھ کھو جائے تو مجھے خوف آتا ہے کہ خدا مجھے اس کے بارے میں مؤاخذہ کرے۔ اور خدا کی قسم جو اپنے اور خدا کے مابین کسی فرد کا ذمہ دار ہو تو وہ ایک عظیم پر خطر مرحلے پر قرار پایا ہے۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو معاشرہ اور اجتماع کا مسئول ہو۔

اس معاملے میں خدا ہی پر اعتماد ہے اور وہی پناہگاہ ہے اور اسی کی جانب سے گناہوں سے بچتے رہنے کی توفیق اور عنایتوں کے متمنی ہوں۔ اور وہ ایسی چیز کی طرف راہنمائی فرمائے جس میں اس کی حجت ہو اور خدا ہی کی خوشنودی اور رحمت سے سرفراز ہوں۔

وہی امت میں خلیفہ ہو سکتا ہے جو سب سے زیادہ بابصیرت اور روئے زمین پر صرف خدا کی خاطر اس کی مخلوقات اور دین کے بارے میں نصیحتیں کرنے والا ہو، جو خدا، اسکی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنتوں پر عمل کرتا ہو اور اپنی تمام تر فکر و تدبر اس بابت میں صرف کرے کہ کسی ایسے شخص کو اپنا ولیعہد بنایا جائے جو مسلمانوں کی قیادت کو سنبھالے اور دوستی اور محبت سے ان کے ساتھ رفتار کرتے ہوئے ان میں اتحاد پیدا کرے اور ان کو نا اتفاقی اور انتشار سے بچائے رکھے اور انکے خون کا احترام کرے اور

۱۔ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ. عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (حجر/۹۲،۹۳)

خدا کے اذن سے ان میں پائے جانے والے اختلافات کو حل کرتے ہوئے انہیں فساد و تباہی اور آپس کے تفرقہ سے نجات دلائے اور شیطان کے حیلوں اور وسوسوں کو ان سے دور کرے۔ کیونکہ خداوند نے خلافت کے بعد ولایت عہدی کو ہی اسلامی امور کے متمم اور مکمل قرار دیا ہے نیز اسی کو مسلمانوں کی فلاح کا ذریعہ اور ان کے لئے باعث افتخار قرار دیا ہے اور اپنے خلفاء کو اس عہدے کے سلسلے میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے: کسی ایسے شخص کو اس عہدے (ولیعہدی) کے لئے انتخاب کیا کرو جو سب کے لئے نصیحت کی افزودگی اور عافیت کا باعث بنے اور خدا جابروں کے مکر و حیلوں اور تفرقہ اندازی کرنے والوں اور فتنہ و فساد پھیلانے والوں کی کوشش کو خوب جانتا ہے۔

جب خلافت امیر المؤمنین (مامون) کے ہاتھوں میں پہنچ گئی وہ اس کی تلخی کا مزا چکھ چکا ہے اور خلافت کی سنگینی اور اس کی سختی اور تکالیف سے بھی آگاہ ہو چکا ہے اور ایک پیچیدہ ذمہ داری جو خلیفہ کو اطاعت خدا اور دین کی نگہداری کے سلسلے میں انجام دینی چاہئے، سے بھی آگاہ ہوا لہذا اس نے ہمیشہ ایسے کاموں کے بارے میں سوچ بچار کی ہے جو دین کی عزت اور مشکلوں کی ریشہ کنی، معاشرتی فلاح و بہبودی، قیام عدالت اور کتاب و سنت کی برتری کا موجب بنے۔

اسی امر نے اس کو آرام و راحت اور آسائشوں سے دور رکھدیا ہے۔ چونکہ وہ اس بات سے آگاہ ہے جس کے بارے میں خداوند عالم باز پرس فرمائیگا لہذا چاہتا ہے کہ خدا سے ملاقات کے وقت دین اور اس کے بندوں کے سلسلے میں ناصح اور خیر خواہ رہے اور کسی ایسے شخص کو ولیعہدی کے لئے انتخاب کرے جو امت کی صورت حال کی

ا۔ اسراء/۳۴ ۲۔ انعام/۵۶

رعایت کرنے والا ہو نیز دینداری، پاکدامنی اور علم و آگاہی میں سب سے برتر اور ارفع ہو اور امر خدا کے قیام اور اس کے حق کی ادائیگی میں دوسروں سے زیادہ اسی سے امید وار ہو۔

اس مقصد کے حصول کی خاطر اس نے دن رات بارگاہ خداوندی میں راز و نیاز کرتے ہوئے اس سے طلب خیر کیا ہے کہ وہ ولیعہدی کے انتخاب کے سلسلے میں ایک ایسے شخص کو اس پر الہام کرے جو خدا کی خوشنودی کے طالب اور اس کی اطاعت کرنے والا ہو اور اس سلسلے میں اس نے اپنے خاندان میں سے عبداللہ ابن عباس اور علی بن ابی طالبؑ کے فرزندوں پر نظر رکھی ہے اور ان میں سے علم و دین اور شخصیت کے حوالے سے سب سے مشہور فرزند کے احوال کے بارے میں کافی تحقیق و جستجو کی ہے تاکہ ان سب کے کردار سے آگاہی حاصل ہو اور جو کچھ ان کے بارے میں سنا تھا آزمایا گیا ہے یوں ان کی خصوصیتوں اور شخصیت کو اچھی طرح جانچ لیا ہے پھر خدا سے طلب خیر کے بعد اس کے احکام پر عمل کرنے نیز اس کے بندوں میں اور اس کی سرزمین پر اس کے حق کی ادائیگی کے لئے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لا چکا ہے اور مذکورہ خاندان کے افراد کے بارے میں تحقیق و تفحص کو عمل میں لایا ہے؛ جس شخص کو میں نے اس مقام (ولیعہدی) کے لئے منتخب کیا ہے وہ **علی بن موسیٰ الرضا بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب** ہیں۔ جن کو میں نے واضح فضیلت، علم نافع، کھلی پاکدامنی، خالص زہد و تقویٰ، دنیا سے بے اعتنائی اور لوگوں کی تسلیم کے حوالے سے برتر اور ممتاز پایا؛ اور اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر زبان اس کی تعریف و ستائش میں گویا ہے اور سب لوگ ان کی بابت میں متحد ہیں۔

نیز چونکہ وہ ان کے بچپنے، جوانی اور پیری (غرض ہر دور کی) فضیلتوں سے آگاہ و آشنا تھا لہذا اس نے ولیعہدی اور اپنے بعد خلافت کے عہدے کو خدا پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے حوالے کیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ یہ کام خدا اور دین کی راہ میں فداکاری، اسلام و مسلمین کے لئے طلب سلامتی، راہِ خدا میں استقامت اور اس دن میں نجات و رستگاری کے لئے انجام دیا ہے کہ جب لوگ پروردگار عالم کی بارگاہ میں محشور کئے جائیں گے۔

اس وقت امیر المومنین اپنے فرزندوں، خاندان اور خواص، عہدیداروں اور خدمت گزاروں کو دعوت دیتا ہے کہ بیعت کے سلسلے میں اظہار شادمانی کریں اور لوگوں پر یہ بات واضح ہو کہ امیر المومنین نے اپنے قوم و اقرباء کے بارے میں اطاعت خداوندی کو ہوائے نفس پر مقدم رکھا ہے اور ان کو رضا کا لقب دیا گیا کیونکہ وہ امیر المومنین کا پسندیدہ اور مورد رضا ٹھہرے۔

پس اے خاندان امیر المومنین اور اے عہدیدارو! اے سپاہیو! اور اے اس شہر میں بسنے والے مسلمانو! خدا ہی کے نام اور اسی کی برکتوں سے اس کے دین اور اپنے بندوں کے سلسلے میں کئے گئے بہترین فیصلے پر امیر المومنین اور اس کے بعد علی بن موسیٰ الرضاؑ کی بیعت عمل میں لاؤ۔ ایسی بیعت جس سے تمہارے ہاتھوں اور سینوں کو وسعت ملے۔ جان لو! امیر المؤمنین نے یہ کام خدا کی اطاعت اور اپنی اور تمہاری خیر و عافیت کی خاطر انجام دیا ہے۔ پس خدا کے شکر گزار ہو کہ جس نے مجھ پر اس کام کے سلسلے میں الہام فرمایا اور ایسا؛ میرے تمہاری اصلاح اور راہنمائی سے متعلق پائے جانے والے شوق اور اصرار کے نتیجے میں ہوا ہے اور اس بات کے امیدوار ہو کہ یہ کام

(لوگوں میں) الفت و محبت پیدا کرنے، ان کے خون کے تحفظ، اتحاد و یگانگی، سرحدوں کو مضبوط کرنے، دین کو استحکام بخشنے، دشمنوں کو سرکوب کرنے اور تمہارے اندر استقامت پیدا کرنے میں موثر رہے اور تم اس کے ثمرہ سے بہرہ مند ہو۔ پس اطاعت خدا اور امیر المومنین کی فرمانبرداری میں پیش پیش رہو کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو یہ باعث امنیت اور آسائش ہوگا نیز اس بات پر خدا کا شکر بجالاؤ کہ انشاء اللہ تم اس کے فیضان کا مشاہدہ کرو گے۔

اس خط کو عبداللہ مامون نے بروز ہفتہ ۷ رمضان المبارک ۲۰۱ھ کو اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا۔ پھر حضرت امام رضا - نے مامون کے عہدنامہ کی پشت پر یوں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْفَعَّالِ لِمَا يَشَاءُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، وَلَا رَادَّ لِقَضَائِهِ، يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ، وَصَلَاتُهُ عَلَىٰ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ.

أَقُولُ وَأَنَا عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الرِّضَا بْنُ جَعْفَرٍ: إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَضَدَهُ اللَّهُ بِالسَّدَادِ وَوَفَّقَهُ لِلرَّشَادِ، عَرَفَ حَقَّنَا مَا جَهِلَهُ غَيْرُهُ، فَوَصَلَ أَرْحَامًا قُطِعَتْ، وَآمَنَ نُفُوسًا فَزِعَتْ بَلْ أَحْيَاهَا وَقَدْ تَلِفَتْ، وَأَغْنَاهَا إِذَا افْتَقَرَتْ، مُبْتَغِيًا رِضَى رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا يُرِيدُ جَزَاءً مِنْ غَيْرِهِ، وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ وَلَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ.

وَأَنَّهُ جَعَلَ إِلَيَّ عَهْدَهُ وَالْإِمْرَةَ الْكُبْرَىٰ إِنْ بَقِيتُ بَعْدَهُ، فَمَنْ حَلَّ

عُقْـدةَ امرِ اللّهِ بشـدّهـا وقـصـم عُروة احبّ اللهُ ايثاقها، فقد اباح حريمهُ واحلّ مُحرمَهُ اذا كانَ بذلك زارياً على الامام، مُنهتِكاً حُرمةَ الاسلام.

بذلك جرى السّالفُ فصبرَ منهُ على الْفَلتاتِ، ولَمْ يَعترِضْ بعْدها على الْعزماتِ، خوفاً مِنْ شتاتِ الدّينِ واضطرابِ حبْلِ الْمُسلمينَ ولقُرْبِ امْرِ الْجاهليّةِ ورَصَدِ فُرْصةٍ تُنتهزُ وبايقةٍ تُبتدر.

وقدْ جعلْتُ اللّهَ على نفْسي اِنِ اسْترْعاني امْرَ الْمُسْلمينَ وقلّدني خلافتَهُ انْ اعْملَ فيهِمْ عامّةً، وفي بني الْعبّاسِ خاصّةً بطاعتِهِ وطاعةِ رسولِهِ صلّى اللّهُ عليْهِ وآلِهِ انْ لا اسفكَ دماً حراماً، ولا اُبيحَ فرْجاً ولا مالاً اِلّا ماسفكتْهُ حُدودُ اللّهِ واباحتْهُ فرائضُهُ، وانْ اتخيّرَ الْكُفاة جُهدي وطاقتي، وجعلْتُ بذلكَ على نفْسي عهْداً مُؤكّداً يسْئلُني اللّهُ عنْهُ فانّهُ عزّ وجلّ يقولُ:

"واوْفُوا بالْعهْدِ انّ الْعهْدَ كانَ مسْئُولاً." (۱)

وانْ احْدثْتُ اوْ غيّرْتُ اوْ بدّلْتُ كُنْتُ لِلْغيرِ مُسْتحقّاً وَ للنّكالِ مُتعرّضاً واعوذُ باللّهِ منْ سخطِهِ والَيْهِ ارْغبُ في التّوْفيقِ لِطاعتِهِ والْحوْلِ بيْني وبيْنَ معْصيتِهِ في عافيةٍ لي وللْمُسْلمينَ.

والْجامعةُ والْجفْرُ يدُ لّانِ على ضِدّ ذلكَ، وما اَدْري ما يفْعلُ بي ولا بكُمْ [انِ الْحُكْمُ الّا للّهِ يقُصُّ الْحقّ وهُوَ خيْرُ الْفاصِلينَ.] (۲)

لكنّي امْتثلْتُ امْرَ الْمُؤْمنينَ وآثرْتُ رِضاهُ واللّهُ يعْصِمُني واياهُ و

۱۔ امالی صدوق مجلس ۹۶ حدیث ۱۳

اَشْهَدْتُ اللّٰهَ عَلٰى نَفْسِى بِذٰلِكَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

وَكَتَبْتُ بِخَطِّى بِحَضْرَةِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَطَالَ اللّٰهُ بَقَائَهُ وَالْفَضْلِ بْنِ سَهْلٍ، وَسَهْلِ بْنِ الْفَضْلِ، وَيَحْيٰى بْنِ اَكْثَمٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ طَاهِرٍ وَ ثُمَامَةَ بْنِ اَشْرَسٍ ، وَبِشْرِبْنِ الْمُعْتَمِرِ، وَحَمَّادِ بْنِ النُّعْمَانِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ سَنَةَ اِحْدٰى وَمِأَتَيْنِ. (۱)

ترجمہ:

حمد اس خدا کے لئے کہ جو کچھ چاہے انجام دیتا ہے کیونکہ اس کے حکم کو نہ کوئی چیز رد کر سکتی ہے اور نہ اس کو پس پشت ہی ڈال سکتی ہے اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو مسترد کر سکتا ہے جو آنکھوں کی خیانت اور دل میں مخفی بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ اس کی رحمت اس کے آخری نبی محمدؐ پر جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی پاک و طاہر آل پر۔

میں علی بن موسیٰ الرضا بن جعفر کہتا ہوں: امیر المومنین جن کی خدا (کاموں کی) استواری میں مدد کرے اور نیکو کاری کی توفیق عطا کرے۔ اس نے ہمارے حق میں سے اس چیز کو پہچان لیا جو دوسرے نہ پہچان سکے۔ پس اس نے قطع شدہ رشتہ داری کو ملا دیا اور ہراسان جانوں کو امن دیا بلکہ ان کو تلفی کے بعد بحالی دیدی اور محتاجوں کو بے نیاز کیا (اور ایسا اس نے) رضایت خدا کے طلب میں کیا اور وہ خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے اس کی پاداش نہیں چاہتا اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو جزا عطا کرنے والا ہے اور وہ کسی احسان کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ یقیناً اس نے مجھے اپنا ولیعہد بنا لیا اور اپنے بعد امارت و خلافت کی عظیم (ذمہ داری) مجھے سونپ دی ہے

۱۔ کشف الغمہ ج ۳ ص ۱۷۲۔۱۷۹ نقل از مسند امام رضا - ج ۱ و بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۴۸۔۱۵۳

بشرطیکہ میں اس کے بعد زندہ رہ سکوں۔ پس جو اس گرہ کو کھولے جس کو خدا نے باندھنے کا حکم دیا ہے، اور اس حلقے کو توڑے جس کو خدا نے مضبوط کرنا چاہتا ہے تو یقیناً اس نے حریم خدا کی حرمت کو کچل ڈالا ہے اور اور اس کے حرام کردہ چیز کو حلال جانا ہے کیونکہ اس نے اس کام کے ذریعے امام کو رسوا کیا ہے اور حرمت اسلام کو پامال کیا ہے۔

اگلوں نے بھی یہی روش اختیار کی اور انہوں نے لغزش اور غلطیوں پر صبر کیا اور اس کے بعد تلفات اور نقصانات پر اعتراض نہیں کیا چونکہ انہیں دین کا شیرازہ بکھر جانے اور مسلمانوں کے (اتحاد کے) ٹوٹ جانے کا خوف تھا اور ان کو یہ خطر اس لئے لاحق تھا کہ جاہلیت کا زمانہ نزدیک تھا اور منافقین بھی اس تاک میں تھا کہ فتنہ وفساد برپا کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔

اور میں اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنالیتا ہوں کہ اگر مجھے امور مسلمین کا نگہدار بنایا جائے اور خلافت کی (ٹوکری کو) میری گردن میں ڈالے تو میں مسلمانوں کے معاملے میں عموماً اور بنی عباس کے معاملے میں خصوصاً خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے رفتار کروں گا۔ اور ناحق کسی کا خون نہیں بہاؤں گا اور نہ ہی کسی کے ناموس اور مال کو مباح قرار دوں گا جب تک خدا کے قوانین اور حدود اس کو جائز نہ کہیں اور شریعت کے فرائض اس کو مباح نہ کریں؛ اور اپنی تمام طاقت وہمت کو مناسب اور شائستہ افراد کے انتخاب میں صرف کروں گا اور میں نے ان باتوں کے ذریعے اپنے نفس پر ایک مضبوط عہد کو باندھا ہے جس سے متعلق خدا مجھ سے سوال فرمائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے: ''اور عہد وپیمان کو پورا کیا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں

۲۔ منتخب التواریخ ص ۵۴۵

۱۔ ترجمہ اعلام الوری ص ۴۴۷۔ ارشاد شیخ مفید'' ج ۲

پوچھا جائیگا۔"

اور اگر میں احکام الٰہی میں کوئی چیز اضافہ کروں یا اس میں تغیر و تبدیلی پیدا کروں تو دوسروں کی سرزنش اور سزا کا مستحق ہوں گا اور میں خدا کے غضب سے اس کی پناہ مانگتا ہوں اور میں شوق و رغبت کے ساتھ اسی کی طرف رخ کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی طاعت اور فرمانبرداری کی توفیق عطا کرے اور یہ کہ وہ میرے اور گناہوں کے درمیان حائل رہے اور مجھے اور مسلمانوں کو عافیت عطا کرے۔

لیکن (حالاتِ) معاشرہ اور جفر (ایک علم جس کے ذریعے غیبی حالات کا پتہ لگایا جاتا ہے) دونوں اس کے برخلاف دلالت کرتے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ "حکم صرف خدا ہی کا ہوگا جو حق کو بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

لیکن میں نے امیر المومنین کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس کی رضایت کے پیش نظر (اس عہدے کو) سنبھالا ہے اللہ مجھے اور اسے محفوظ رکھے اور میں اللہ کو اپنے اوپر گواہ ٹھہراتا ہوں "اور گواہی کے لئے خدا ہی کافی ہے۔"

میں نے اس خط کو امیر المومنین جس کو خدا طول عمر عطا کرے، اور فضل بن سہل، سہل بن فضل، یحیٰی بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمانہ بن اشرس، بشر بن معتمر، اور حماد بن نعمان کے موجودگی میں ماہ رمضان مبارک ۲۰۱ھ کو اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔

شیخ صدوقؒ (امام رضاؑ کے خادم) یاسر سے نقل کرتے ہیں کہ جب امامؑ ولیعہد بنے تو آپ نے دست مبارک کو اٹھا کر دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنِّی مُکْرَہٌ وَ مُضْطَرٌّ فَلَا تُؤَاخِذْنِی کَمَا لَمْ تُؤَاخِذْ

عَبْدِکَ وَ نَبِیِّکَ یوُسُفَ حِینَ دُفِعَ اِلی وِلَایَةِ مِصْر.

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں مجبور اور لاچار ہوں پس تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے اور نبی یوسف پر مواخذہ نہ فرمایا جب انہوں نے مصر کی حکومت کو قبول کیا۔

طبری لکھتے ہیں کہ دو ماہ مبارک رمضان بروز منگل مامون نے لوگوں سے امام رضا -کی ولایت عہدی کی بیعت لی اور آنحضرتؑ کو اپنا خلیفہ قرار دیا اور انہیں رضائے آل محمدؐ کا لقب دیا اور اپنے بھائی قاسم مؤتمن (جسے ہارون نے تیسرا خلیفہ قرار دیا تھا) کو ولی عہدی کے منصب سے معزول کیا۔(۱)

شیخ مفید لکھتے ہیں: مامون نے اس سلسلے میں جمعرات کے دن اپنے خواص میں ایک مجلس ترتیب دی اور فضل بن سہل نے اس مجلس سے نکلتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ مامون نے علی بن موسیٰ الرضا کو ولیعہد منتخب کیا ہے اور نہیں رضا کا لقب دیا ہے اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ سبز لباس پہنیں (اور سیاہ لباس کو اتار دیں جو بنی عباس کا معمول تھا) اور آئندہ جمعرات کو سب کے سب آنحضرتؑ کی بیعت کیلئے مامون کے دربار میں جمع ہوں۔(۲)

جب مقررہ دن آپہنچا تو تمام فوجی افسران، قاضی اور دیگر افراد مامون کے دارالخلافہ میں جمع ہوئے اور حضرت امام رضاؑ کی بیعت کیلئے تیار ہوئے۔

مامون نے دستور دیا کہ دو عدد گدے اور گاؤ تکیے اپنے بیٹھنے کی جگہ پر ایک

ا۔ عیون اخبار الرضا جلد ۲ ص ۱۴۴ نقل از مسند الامام الرضا -ج ا۔ اعلام الوریٰ

دوسرے کے مقابل میں لگا دیے جائیں پھر امام - جبکہ آپؑ کے سر مبارک پر دبیز عمامہ اور ہاتھ میں تلوار تھی مجلس میں تشریف لائے اور مامون نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اس کے بعد اپنے بیٹے عباس کو حکم دیا کہ سب سے پہلے حضرتؑ کی بیعت کرے۔

امامؑ نے اپنے دائیں دست مبارک کو یوں بلند فرمایا کہ اس کی پشت اپنی طرف اور ہتھیلی لوگوں کی طرف قرار دیا۔ مامون نے کہا، اپنے ہاتھ کو بیعت کیلئے باز کریں! حضرتؑ نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ لوگوں اسی طرح بیعت لیا کرتے تھے۔ پھر بھی لوگوں نے آنحضرتؑ سے اسی صورت میں بیعت کی کہ آپؑ کا دست مبارک دوسروں کے ہاتھوں سے بالاتر تھا۔ (۱)

عباس بن مامون کے بعد فضل بن سہل اور اس کے بعد یحیٰ بن اکثم اور عبداللہ بن طاہر اور پھر دوسروں نے بھی اسی طریقے سے آنحضرتؑ کی بیعت کی۔ (۲) پھر زرو جواہر کے اشرفیوں کو جو پہلے سے تیار تھے، مامون کے حکم پر علویوں اور عباسیوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ایک نے اپنی اپنی شان و مرتبت کے مطابق تحفے حاصل کیے۔

ان رسومات کے بعد مامون نے حضرت رضاؑ سے عرض کی کہ لوگوں کے لئے خطبہ دیا جائے اور ان سے گفتگو کی جائے۔ حضرتؑ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

۱۔ مقاتل الطالبین۔ عیون اخبار الرضا جلد ۲

۲۔ صدوقؒ نے ریان بن صلت، یاسر خادم اور دوسروں سے نقل کیا ہے کہ اس پورے اجتماع میں سے صرف تین افراد (عیسیٰ جلودی، علی بن ابی عمران اور ابو یونس) نے بیعت نہیں کی جس کے نتیجے میں تینوں مامون کے حکم پر قید کر دیے گئے۔

إِنَّ لَنا عَلَيْكُمْ حقّاً بِرَسُوْلِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْنا حَقّاً بِهِ فَإذا أنْتُمْ أدَّيْتُمْ إلَيْنا ذٰلِكَ وَجَبَ عَلَيْنا الْحَقُ لَكُمْ.

اس اعتبار سے کہ ہم اہل بیت رسول ہیں یقیناً تم پر ہمارا ایک حق ہے اور اسی طرح ہم پر بھی آنحضرتؐ کے توسط سے تمہارا ایک حق ہے۔ پس جب تم ہمارا حق ادا کرو گے ہم پر واجب ہو جائیگا کہ ہم (تمہارا) حق ادا کریں۔ ان کلمات کے علاوہ آپؑ نے اس مجلس میں مزید کچھ نہیں فرمایا۔(۱)

اس کے بعد مامون کا عباسی نامی خطیب کھڑا ہوا اور امام رضا ؑ کی ولیعہدی کے سلسلے میں مامون کی تعریفیں کرنے لگا اور اپنے خطاب کے اختتام پر مامون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

فَلا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ شَمْسٍ وَمِنْ قَمَر
فَأنْتَ شَمْسٌ وَهٰذا ذٰلِكَ الْقَمَر

لوگوں کو خواہ نخواہ ایک سورج کی ضرورت ہے پس تُو سورج ہے اور یہ (امامؑ) قمر ہیں۔ مامون نے حکم دیا کہ درہم و دینار پر حضرت امام رضا ؑ کے اسم مبارک مہر کردی جائے کہ جن کے نمونے آج دنیا کے معروف عجائب گھروں میں پائے جاتے ہیں۔ پھر ایک خاص پروگرام کے تحت عراق، حجاز اور ایران کے تمام شہروں میں یہ اطلاع دی گئی کہ حضرتؑ کی ولیعہدی کی خبر منبروں سے عوام الناس تک پہنچادی جائے چنانچہ عبدالجبار بن سعید (والی مدینہ) نے منبر رسولؐ سے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

اتدرُوْنَ مَنْ وَلِیُّ عَهد کُمْ؟

کیا تم جانتے ہو کہ کون تمہارے ولی عہد ہیں؟ کہا ہم نہیں جانتے۔ کہا:

هـذا عَلـيُّ بـن مـوسـى بـن جـعـفـر بن مُحَمّد بن علي بن الْحُسين بن ابيطالب .

پھر دعا کرتے ہوئے کہا:

سِتَـــةُ آبـا ئِهِـم ، مَـنْ هُـمْ

هُمْ خَيْرُ مَنْ يَشْرِبُ صَوْبَ الْغَمـامِ

ان کے چھ آباء ہیں اور وہ کون ہیں؟ وہ بہترین آبِ باران نوش جان کرنے والے ہیں (یعنی یہی بہترین لوگ ہیں)۔

مدائنی کہتا ہے کہ جب امام امام رضا ؑ ولیعہد کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے جبکہ خطباء اور شعراء آپؑ کے مقابل میں کھڑے تھے اور مختلف قسم کے جھنڈے آپؑ کے سر مبارک کے اوپر لہرا رہے تھے تو حضرتؑ نے اپنے کسی قریبی صحابی سے فرمایا: اس سلسلے میں زیادہ خوشی نہ منانا اور اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں سرگرم نہ رکھ کیونکہ یہ کام انجام کو نہیں پہنچ پائے گا۔(۱)

اس شان وشوکت والی مجلس میں شعراء نے اپنی اپنی باری پر امام رضا ؑ کی ولیعہدی کے مقام پر منصوب ہونے کے سلسلے میں اشعار کہے اور مختلف قصیدے بھی پڑھے جن میں سے ایک حسن بن ہانی معروف بہ ابونواس تھا جسے مامون نے کہا کہ علی

۱۔ اعلام الوریٰ۔ ارشاد شیخ مفید

بن موسی الرضا کی مقام ومنزلت کو جانتے ہوئے ان کی مدح سرائی میں کیوں تاخیر کی جبکہ تم زمانہ کے (نامی) شاعر ہو؟

توابونواس نے کہا:

قِيلَ لِي اَنْتَ اَوْحَدُ النَّاسِ طُراً   فِي فُنُونٍ مِنَ الْكَلامِ النَّبِيهِ
لَکَ مِنْ جَوْهَرِ الْكَلامِ بَدِيعٌ   يُثْمِرُ الدُّرَّ فِي يَدَى مُجْتَنِيهِ
فَعَلامَ تَرَكْتَ مَدْحَ ابْنِ مُوسَى   وَالْخِصَالَ الَّتِي تَجَمَّعْنَ فِيهِ؟
قُلْتُ لا اَهْتَدِي لِمَدْحِ اِمَامٍ   كَانَ جِبْرِيلُ خَادِماً لِاَبِيهِ (۱)

مجھ سے کہا گیا کہ تم فن سخنوری اور ذہانت میں سب سے یگانہ ہو تمہارے کلام کے جوہر میں بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے گویا وہ جوہر چننے والے کے ہاتھوں میں موتیوں کا پھل عطا کرتا ہے۔ پس کس بنا پر تم نے فرزند موسیٰ کی مدح سرائی اور ان میں پائی جانے والی خصوصیتوں کو بیان سے گریز کیا؟

میں نے کہا: میں اس امام (عظیم) کی صفت کیوں کر بیان کر سکتا ہوں کہ جن کے پدر بزرگوار کا جبرئیل خادم ہوا کرتے تھے۔

مامون نے جب اس کے یہ اشعار سنے تو اس کو داد دی اور دوسرے تمام شاعروں کے برابر اس اس کو بھی تحفہ دیا۔ اور یہی ابونواس اگلے دن حضرتؑ امام رضا - سے ملا جبکہ آپؑ جو مامون کے پاس سے باہر تشریف لے جا رہے تھے اور ایک استر پر سوار تھے، تو سلام کے بعد اس نے عرض کیا: یا ابن رسول اللہ میں نے چند بیت حضور کی شان میں لکھے ہیں اور چاہتا ہوں کہ آپؑ ہی ان کو سماعت فرمائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا سناؤ۔

ابونواس کہا:

مُطَهَّرُوْنَ نَقِيَاتٍ ثِيَابُهم

تَجْرِی الصَّلواةُ عَلَیْھِمْ اَیْنَما ذُکِرُوْا

مَنْ لَمْ یَکُنْ عَلَوِیّاً حِیْنَ تَنْسِبُہُ

فَما لَہُ مِنْ قَدِیمِ الدَّھْرِ مُفْتَخَرُ

فَا للّٰہُ لَمَّا بَرَأَ خَلْقاً فَا تْــقَنَہُ

صَفَا کُمْ وَ اصْطَفٰیکُمْ اَیُّھَاالْبَشَرُ

فَاَنْتُمُ الْمَلأُ الاَعْلیٰ وَ عِنْدَ کُمْ

عِلْمُ الْکتابِ وَ ما جائَتْ بِہِ السُّوَرُ

(آل محمد ؐ) خود پاک ومنزہ ہیں اوران کے دامن بھی (ہر عیب سے) پاک ہے۔

جہاں کہیں جب ان کا تذکرہ ہوتا ہے تو ان پر درود سلام بھیجے جاتے ہیں جو نسب کے حوالے سے مولاعلی -تک نہ پہنچتا ہوتو قدیم الایام سے ہی اس کے لئے کوئی فخرومباہات نہیں ہے۔

اے بنی نوع انسان جب خدا نے مخلوق کوخلق فرمایااوراسے محکم کیاتو آپ لوگوں کوان سب میں سے منتخب فرمایا۔

پس آپ لوگ ہی مقام اعلیٰ کے مالک ہیں اورآپ لوگوں کے پاس ہی کتاب (خدا) کاعلم ہے اور جو کچھ (اس کے) سوروں میں پائے جاتے ہیں ان کاعلم بھی۔

امام رضا نے فرمایا:تم نے ایسے اشعارسنائے جوتم سے پہلے کسی نے نہیں کہے

تھے پھر آپؑ نے اپنے غلام سے فرمایا: کیا کچھ ہمارے پاس بچا ہوا ہے؟

غلام نے عرض کیا: تین سو دینار میرے پاس ہیں فرمایا: وہ ابونواس کو عطا کیا جائے۔ پھر فرمایا: شاید یہ کم ہو، آپؑ اپنی سواری سے اترے اور اسے شاعر کے حوالے کر دیا۔

جب گرد و نواح کے خطباء اور شعراء امامؑ کی مرو میں آمد اور آپؑ کی ولایت عہدی کے بارے میں مطلع ہوئے تو وہ بھی دارالخلافہ کی طرف چل دیے تاکہ آپؑ کی شان میں مدح سرائی کریں جن میں دِعبل خزاعی بھی شامل تھے۔ انہوں نے اہل بیتؑ کی مدح اور ان حضرات کے غصب شدہ حقوق نیز ان کی مظلومیت کے بارے میں ایک طویل قصیدہ لکھا تھا جسے امام نے بہت پسند فرمایا۔

شیخ صدوقؒ، عبدالسلام ہروی سے روایت کرتے ہیں کہ جب دِعبل مرو میں حضرت ابی الحسن علی بن موسی الرضا-کی خدمت میں پہنچے تو آپؑ سے عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! میں نے حضور کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے اور اپنے تئیں یہ قسم کھا رکھی ہے کہ آپ سے پہلے کسی اور کو نہیں سناؤں گا۔ امامؑ نے فرمایا: اچھا اسے سنا دو! دِعبل نے پڑھنا شروع کیا:

۱. تَجاوَبْنَ بِالأَرْنانِ وَالزَّفَراتِ
نَوائِحُ عُجْمُ النُّطْقِ

۲. يُخَبِّرْنَ بِالأَنْفاسِ عَنْ سِرِّ أَنْفُسٍ
أُسارى هَوىً ماضٍ وَآخَرَ آتٍ

۳. اَلَمْ تَرَ لِلْاَیّام ماجرَّ جوْرها
علی النّاسِ مِنْ نَقْصٍ وَطوْلِ شَتاتِ

۴. هُمْ نَقضوا عهْدَ الْکِتابِ وَفرْضَهُ
وَمُحکَمَهُ بِالزُّورِ وَالشُّبهاتِ

۵. تُراثٌ بِلا قُرْبی وَمُلْکٌ بِلا هُدی
وَحُکْمٌ بِلا شوری بِغَیْرِ هُداتِ

۶. رَزایا اَرَتْنا خَضْرةَ الْاُفُقِ حمْرةً
وَرَدَّتْ اُجاجاً طَعْمُ کُلِّ فُراتِ

۷. وَلَوْ قَلَّدُوا الْموصیٰ اِلَیْهِ اُمُورها
لَزُمَّتْ بِمَامُونٍ عَلَی الْعَثَراتِ

۸. اَخی خاتَمِ الرُّسْلِ الْمُصَفّی مِنَ الْقَذی
وَمُفْتَرِسُ الاَبْطالِ فی الْغَمَراتِ

۹. فَاِنْ جَحَدُوا کانَ الْغدیرُ شَهیدُهُ
وَبَدْرٌ وَ اُحُدٌ شامِخُ الْهَضَباتِ

۱۰. وَآیاتٌ مِنَ الْقُرانِ تُتْلی بِفَضْلِهِ
وَ ایثارِهِ بِالْقُوتِ فی اللَّزَباتِ

۱۱. نَجِیٌّ لِجبْریلِ الْاَمینِ، وَاَنْتُمْ
عُکُوفٌ علی الْعُزّی مَعاً وَمَناتِ.

۱۲. بَکیتُ لِرَسْمِ الدّارِ مِن عَرَفاتٍ
وَاَذْرَیْتُ دَمْعَ الْعَیْنِ بِالْعَبَراتِ

۱۳. مَدارِسُ آیاتٍ خَلَت مِنْ تِلاوَةٍ
وَمَنْزِلُ وَحْیٍ مُقْفِرُ الْعَرَصاتِ

۱۴. لِآلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالْخَیفِ مِنْ مِنیٰ
وَبِالْبَیْتِ وَالتَّعْرِیفِ وَالْجَمَراتِ

۱۵. دِیارٌ لِعَبْدِاللّٰهِ بِالْخَیفِ مِنْ مِنیٰ
وَلِلسَّیِّدِ الدّاعِی اِلَی الصَّلَواتِ

۱۶. دِیارُ عَلِیٍّ وَالْحُسَیْنِ وَجَعْفَرٍ
وَحَمْزَةَ وَالسَّجادِ ذِی الثَّفَناتِ

۱۷. وَسِبْطَی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَابْنَی وَصِیِّهِ
وَوارِثِ عِلْمِ اللّٰهِ وَ الْحَسَناتِ

۱۸. مَنازِلُ وَحْیِ اللّٰهِ یُنْزَلُ بَیْنَها
عَلیٰ اَحْمَدِ الْمَذْکُوْرِ فِی السُّوَراتِ

۱۹. مَنازِلُ قَومٍ یُهْتَدیٰ بِهُداهُمْ
وَتُؤْمَنُ مِنْهُمْ زَلَّةُ الْعَثَراتِ

۲۰. مَنازِلُ جِبْرِیلِ الْاَمِینِ یَحِلُّها مِنْ
اللّٰهِ بِالتَّعْلِیمِ وَالْبَرَکاتِ

۲۱. مَنازِلُ وَحْیِ اللّٰہِ مَعْدِنُ عِلْمِہٖ
سَبِیلُ رَشَادٍ واضِحُ الطُّرُقَاتِ

۲۲. مَنازِلٌ کانَتْ لِلصَّلوٰۃِ وَلِلتُّقیٰ
وَلِلصَّوْمِ وَالتَّطْهِیرِ وَالْحَسَنَاتِ

۲۳. مَنازِلٌ لا تَیْمٌ یَحِلُّ بِرَبْعِهَا
وَلَا ابْنُ صَحَّاکٍ هاتِکُ الْحُرُمَاتِ

۲۴. وَاَیْنَ الْاُولیٰ شَطَّتْ بِهِمْ غُرْبَۃُ النَّوی
اَفَانِینَ فِی الْاَطْرافِ مُفْتَرِقَاتِ

۲۵. هُمْ اَهْلُ مِیراثِ النَّبِیِّ اِذَا اعْتَزَوْا
هُمْ خَیْرُ سَادَاتٍ وَخَیْرُ حُمَاتِ

۲۶. اِذا لَمْ نُنَاجِ اللّٰہَ فِی صَلَوٰاتِنَا
بِاَسْمَائِهِمْ لَمْ تُقْبَلِ الصَّلَوٰاتِ

۲۷. سَقَی اللّٰہُ قَبْراً بِالْمَدِینَۃِ غَیْثَہٗ
فَقَدْ حَلَّ فِیہِ الْاَمْنُ وَالْبَرَکَاتِ

۲۸. نَبِیُّ الْهُدیٰ صَلِّ عَلَیْہِ مَلِیْکُہٗ
وَبَلَّغَ عَنَّا رُوْحَہُ التُّحَفَاتِ

۲۹. وَصَلَّی عَلَیْہِ اللّٰہُ ما ذَرَّ شارِقٌ
وَلَاحَتْ نُجُومُ اللَّیْلِ مُبْتَدِرَاتِ

۳۰۔ اَفَاطِمُ لَوْخِلْتِ الْحُسَيْنَ مُجَدَّلاً
قَدْمَاتَ عَطْشَاناً بِشَطِّ فُرَاتِ

۳۱۔ اِذًا لَلَطَمْتِ الْخَدَّ فَاطِمُ عِنْدَهُ
وَاَجْرَيْتِ دَمْعَ الْعَيْنِ فِی الْوَجَنَاتِ

۳۲۔ اَفَاطِمُ قُومِی یَا ابْنَةَ الْخَیْرِ وَانْدِبِی
نُجُومُ سَمٰوَاتٍ بِالْاَرْضِ فَلَاتِ

۳۳۔ قُبُورٌ بِکُوْفَانٍ وَاُخْرٰی بِطَیْبَةٍ
وَاُخْرٰی بِفَخٍّ مِنَّا لَهَا صَلَوَاتِ

۳۴۔ وَاُخْرٰی بِاَرْضِ الْجَوْزَجَانِ مَحَلُّهَا
وَقَبْرٌ بِبَاخَمْرٰی لَدَی الْغُرُبَاتِ

۳۵۔ وَقَبْرٌ بِبَغْدَادٍ لِنَفْسٍ زَکِیَّةٍ
تَضَمَّنَهَا الرَّحْمٰنُ فِی الْغُرُفَاتِ

۳۶۔ وَقَبْرٌ بِطُوْسٍ یَا لَهَا مِنْ مُصِیبَةٍ
اَلَحَّتْ عَلَی الْاَحْشَاءِ بِالزَّفَرَاتِ (۱)

۱۔ دعبل، ائمہ اور دیگر اولاد پیغمبر ؐ کی مظلومیت و شہادت اور ان کی قبور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جب اس شعر پر پہنچے تو امامؑ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی دو شعر یہاں اضافہ کروں تا کہ تمہارا قصیدہ کامل ہو جائے؟ عرض کیا جی ہاں یا ابن رسول اللہ ارشاد فرمایئے! امامؑ نے یہ بند اور اس کے بعد والے دو شعر ارشاد فرمائے۔ دعبل نے عرض کیا: یا ابن رسول اللہ وہ قبر جو طوس میں ہوگی، کس کی ہے؟ فرمایا: میری قبر ہوگی اور جلد ہی طوس شیعوں اور زوّاروں کی آمد و رفت کا مرکز ہوگا اور جو شخص میری زیارت کریگا قیامت میں وہ میرا ہم رتبہ ہوگا اور اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۳۷. الی الْحَشْرِ حَتّی یَبْعَثَ اللّهُ قائماً
یُفَرِّجُ عَنّا الْغَمَّ وَ الْکُرُبات

۳۸. عَلِی بن مو سٰی اَصْلَحَ اللّهُ اَمْرَهُ
وَصَلّی عَلَیْهِ اَفْضَلَ الصَّلَوات

۳۹. فَاِنْ فَخِرُوا یَوْماً اَتوا بِمُحَمَّدٍ
وَجِبْرَئیلٍ وَالْفُرْقانِ وَالسُّوَراتِ

۴۰. وَعَدُّوا عَلیّاً ذَاالْمَناقِبِ وَلْعُلیٰ
وَفاطِمَةَ الزَّهْراءِ خَیْرَ بَناتِ

۴۱. مَلامُکَ فی آلِ النَّبیِّ
اَحِبّایَ ما داموا وَاَهْلُ ثِقاتِ

۴۲. تَخَیَّرْتُهُمْ رُشْداً لِنَفْسی لِاَنَّهُم
فی کُلِّ حالٍ خَیْرَةُ الْخَیراتِ

۴۳. نَبَذْتُ الَیْهِم بِا لْمَوَدَّةِ صادِقاً
وَسَلَّمْتُ نَفْسی طائِعاً لِوُلات

۴۴. فَیارَبِّ زِدْنی فی هَوایَ بَصیرَةً
وَزِدْ حُبَّهُمْ یا رَبِّ فی حَسَناتی

۴۵. سَاَبْکیهِمْ ماحَجَّ اللّهَ راکِبٌ
وَمانـاحَ قُمْرِیٌّ عَلَی الشَّجَراتِ

۴۶. فیا عینُ، بکّیهم وَجُودی بِعبْرةٍ
فَقَدْ ان لِلتَّسْکاب وَالهَمَلاتِ

۴۷. اَلَمْ تَرَ، اَنّی مُذْثَلاثُونَ حِجَّةٍ
اَرُوحُ وَ اَغدُوْ دَائِمَ الحَسَراتِ

۴۸. اَریٰ فَیئَهُمْ فی غیرِهِمْ مُتقَسَّماً
وَاَیدیهِمْ مِنْ فَیئِهِمْ صَفَراتِ

۴۹. سَاَبْکِیْهِمْ مَا ذَرَّ فی الْاُفُقِ شارِقٌ
وَنادیٰ مُنادِی الخَیرِ بِالصَّلٰواتِ

۵۰. وَما طَلَعتْ شَمْسٌ وَحانَ غُرُوبُهَا
وَبِاللَّیْلِ اَبْکِیهِمْ وَبِالغَدَوَاتِ

۵۱. دِیارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَصْبَحْنَ بِلُقاً
وَآلُ زِیادٍ تسْکُنُ الحُجُراتِ

۵۲. وَآلُ زِیادٍ فِی الحَرِیرِ مَصُوْنَةٌ
وَآلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُنهَتِکَاتِ

۵۳. فَلَوْ لا الَّذِی اَرْجُوهُ فِی الْیَوْمِ اَوْغَدٍ
تَقَطَّعَ نَفْسِی اِثْرَهُمْ حَسَراتِ

۵۴. خُرُوْجُ اِمامٍ، لامُحالَةَ خارِجٌ
یَقُوْمُ عَلیٰ اسْمِ اللّٰهِ وَالبَرَکَات

۵۵. یُمَیِّزُ فِینا کُلَّ حَقٍّ وَباطِلٍ
وَیَجزِی عَلَی النَّعماءِ وَالنَّقِماتِ

۵۶. فَیا نَفسُ طِیبِی ثُمَّ یا نَفسُ فَابشِرِی
فَغَیرُ بَعِیدٍ کُلُّ ماهُوَ آتٍ

۵۷. وَلا تَجزَعِی مِن مُدَّةِ الجَورِ اِنَّنی
اَرَی قُوَّتِی قَد آذَنَت بِثَباتِ

۵۸. فَاِنِّی مِنَ الرَّحمٰنِ اَرجُو بِحُبِّهِم
حَیٰوةً لَدَی الفِردَوسِ غَیرَ تَباتِ

۵۹. فَیا وارِثِی عِلمِ النَّبِیِّ وَآلِهِ
عَلَیکُم سَلامٌ دائِمُ النَّفَحاتِ

۶۰. لَقَد آمَنَت نَفسِی بِکُم فِی حَیاتِها
وَاِنِّی لَاَرجُو الاَمنَ عِندَ مَماتِی

ترجمہ:

ا۔ انہوں نے نہایت دردناک نالہ وفریاد اور دل کباب کرنے والی آہوں کے ساتھ ایک دوسرے کو جواب دیا ان کے الفاظ اور باتیں نامفہوم تھیں۔

۲۔ وہ اپنے تئیں گزشتہ اور آنے والے عاشقوں کے سینوں کے راز بتا رہے تھے۔

۳۔ کیا تم نے وہ دن نہیں دیکھے جب لوگوں پر عہد شکنی اور طویل تفرقہ بازیوں کے سبب ظلم وستم ڈھائے جارہے تھے؟

۴۔انہوں (اہل سقیفہ) نے (خودساختہ) شہادت اور جھوٹ کے ذریعے کتاب خدا کے عہد و پیمان، اس کے محکم آیات اور واجبات سے مخالفت کی۔

۵۔وراثت (پالی) بغیر کسی قرابتداری کے۔ان کی خلافت ہے بغیر کسی راہنما کے، اور ان کے حکم اور فیصلے یک طرفہ اور ہادیانِ دین سے عاری ہیں۔

۶۔(یہ ایسے عظیم) مصائب تھے جنہوں نے سبز افق کو خونی کردیا اور ہر خوشگوار پانی کو تلخ و شور بنادیا۔

۷۔اگر لوگ خلافت کے امور کو اس شخص کے حوالے کردیتے جس کے بارے میں (رسول خدا ﷺ) نے وصیت کی تھی تو (امت کی زمامداری) اس شخص کے ہاتھوں میں ہوتی جو ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشیوں سے محفوظ ہیں۔

۸۔(وہ شخص) خاتم الانبیاء کے برادر تھے اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک و منزہ تھا وہ جنگوں میں پہلوانوں کو (شیر کی طرح) چیر پھاڑ کر رکھنے والے تھے۔

۹۔اگر لوگ اس کے خلاف ہیں تو واقعۂ غدیر اس کا گواہ ہے اور جنگ بدر اور احد بھی جو بلند و بالا پہاڑوں کی طرح (اس کی شہادت کے لئے ڈٹے ہوئے ہیں)۔

۱۰۔قرآن میں، ان کی فضیلت، اور باوجودِ قحطی و سختی کی گئی ان کی ایثار و فداکاریوں کے بارے میں آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

۱۱۔وہ (علی -) تو جبرئیل کے ہمراز تھے جبکہ تم (غاصبین خلافت) عزیٰ و منات نامی بتوں کے پوجا کرتے تھے۔

۱۲۔میں نے (اہل) بیتؑ کے ساتھ روا کی گئی رسم پر عرفات میں گریہ کیا اور، رو رو کر آنکھوں سے آنسو برسائے۔

۱۳۔ وہ مکتبے خالی اور ویران پڑ گئے جہاں آیاتِ (الٰہی) کی تلاوت ہوا کرتی تھی اور وہ گھر صحرا بن گیا جہاں وحی نازل ہوتی تھی۔

۱۴۔ خیف، منیٰ، کعبہ، عرفات، جمرات (سبھی) آل رسولؐ کے لے ہیں۔

۱۵۔ وہ مکان جو خیف اور منی میں تھے، عبد اللہ (بن عبد المطلب) اور اس سردار (رسول خدا) کے لئے تھے جو لوگوں کو نماز کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔

۱۶۔ وہ گھر علی، حسین، جعفر، حمزہ ؓ اور (اس سید) سجاد - کے تھے جن کی (پیشانی پر) سجدوں کے نشان پڑ گئے تھے۔

۱۷۔ اور رسول خداؐ کے دونواسوں اور ان کے وصی کے دو بیٹوں کے تھے جو علم خدا اور دیگر خوبیوں کے مالک تھے۔

۱۸۔ وہ ایسے گھر تھے جن کے درمیان رسول اکرم ﷺ، جن کا نام بہت سی سورتوں میں مذکور ہے، پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔

۱۹۔ وہ ایک ایسی قوم کے گھر تھے جن کی راہنمائی سے لوگ ہدایت پاتے تھے اور وہ ان کی طرف سے ہر غلطی اور لغزش سے محفوظ تھے۔

۲۰۔ وہ ایسے گھر تھے جہاں جبریل امین خدا کی طرف سے سلام اور برکتیں لے کر نازل ہو جاتے تھے۔

۲۱۔ وہ گھر وحی الٰہی کا مقام، اس کے علم کا معدن اور رشد و ہدایت کا ذریعہ تھے جن کے راستے واضح و آشکار تھے۔

۲۲۔ وہ گھر درود و صلوات، پرہیزگاری، روزہ و پاکیزگی اور خوبیوں کی منزل تھے۔

۲۳۔ وہ ایسے گھر ہیں جہاں نہ قبیلہ تیم سے (ابوبکر) پہنچ سکا اور نہ ضحاک کا بیٹا جس

نے حرمت اہل بیت کو پامال کیا۔

۲۴۔ کہاں ہیں وہ جن کی غربت (ائمہ کی) بدولت ہر طرف ہوئی اور اطراف عالم میں متفرق ہوئے؟

۲۵۔ جب وہ اپنی نسبت پیغمبر خداؐ سے دیں تو (سمجھ لینا) کہ وہ میراث نبی ہیں وہ بہترین اور نجیب سادات ہیں اور بہترین حامی۔

۲۶۔ اگر ہم اپنی نماز میں ان کے نام لے کر خدا سے مناجات نہ کریں گے تو ہماری نمازیں مقبول نہیں ہوں گی۔

۲۷۔ خدا اس قبر اپنی (رحمت کی) بارش برسائے جو مدینہ میں ہے۔ جس میں پیکر رسول ﷺ آرام فرما رہا ہے اور جو امن اور خیر و برکات (کا ذریعہ) ہے۔

۲۸۔ وہ نبی، کہ جن پر خدا اپنا درود و سلام بھیجتا ہے اور ہماری طرف سے بھی آپ کی روح پر درود و سلام کے تحفے ہوں۔

۲۹۔ خدا ان پر سلام بھیجتا رہے جب تک سورج چمکتا رہے اور رات کے ستارے جگمگاتے رہے۔

(دعبل اس شعر سے اہل بیت ؑ کے مصائب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت زہرا ؑ سے مخاطب ہوتے ہیں:)

۳۰۔ اے فاطمہ اگر حسینؑ کو تصور میں لائیں جو فرات کے کنارے تشنہ لب مارے گئے اور خاک (وخون) میں پڑے ہوئے ہیں۔

۳۱۔ تو اے بی بی آپ اپنے منہ پر طمانچے ماریں گی اور آنسو آپ کے رخساروں سے جاری ہوں گے۔

۳۲۔ اے فاطمہ! اے خیر البشر کی دختر! کھڑی ہوں اور نوحہ و بکار کریں کہ آسمان (امامت) کے ستارے میدان کربلا میں بکھرے پڑے ہیں۔

۳۳۔ (یہ کس طرح نبیؐ کا چمن اجڑ گیا ہے کہ) کچھ قبریں کوفے اور کربلا میں اور کچھ مدینہ میں اور کچھ قبریں فخ (کی قبرستان) میں ہیں کہ ان پر میرا اسلام ہو۔

۳۴۔ اور کچھ قبر (یحیٰ بن زید کی) جوز جان اور باخمری (نامی) مقام پر غربت کی حالت میں ہیں۔

۳۵۔ اور ایک قبر بغداد میں (امام موسیٰ کاظمؑ کی) ہے جو ایک پاک و منزہ ہستی کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے اور خداوند رحمان نے (اس مقام کو جنت کے) حجروں میں قرار دیا ہے۔

۳۶۔ اور ایک قبر طوس میں ہے اور کیا ہی اس کی مصیبتیں ہیں کہ حشر تک دردناک گریہ نالوں سے اندر ہی اندر (دلسوز) آہوں کی (آگ) برساتی رہے گی۔

۳۷۔ یہاں تک کہ خدا اپنے قائم (امام زمانہؑ) کو ظہور کا حکم فرمائے گا اور ہم سے ہر قسم کا غم واندوہ اور سختیاں دور ہو جائیں گی۔

۳۸۔ (وہ) علی بن موسیٰ الرضا ہیں خدا ان کے کاموں کی اصلاح فرمائے اور ان پر بہترین درود و سلام بھیجے۔

۳۹۔ اگر کبھی وہ (یعنی اہل بیت) فخر کریں اور خود کو حضرت محمد ﷺ، جبرئیل، قرآن اور (اس کی) سورتوں سے نسبت دیں۔

۴۰۔ تو تم علی (بن موسیٰ الرضا) کو بھی ایسا ہی جانو جو صاحب مناقب، اعلیٰ مقام کے مالک ہیں؛ اور فاطمہ زہرا کو بھی جو (ساری کائنات کی) بہترین بیٹی ہیں۔

۴۱۔ (محبت) اہل بیتؑ کے بارے میں اپنی ملامت واعتراض کو (مجھ سے دور رکھ) کیونکہ وہ ہمیشہ سے میرے محبوب اور مرکز اعتماد ہیں۔

۴۲۔ میں نے ان کو اپنی صلاح وہدایت کے لئے انتخاب کیا ہے کیوں کہ وہ لوگ ہر حال میں بہترین، منتخب اور پسندیدہ ہیں۔

۴۳۔ میں نے اپنی دوستی اور محبت کو خلوص اور سچے دل سے انہیں کی طرف روانہ کیا ہے اور اپنی جان کو کمال شوق اور میل سے اپنے اماموں کے حوالے کیا ہے۔

۴۴۔ پس اے پروردگار! ان کے ساتھ دوستی میں مجھے بصیرت عطا کر اور میری نیکیوں (کے صلے میں) ان کی محبت میں اضافہ فرما۔

۴۵۔ جب تک سواری حج پر جاتا رہے اور جب تک بلبل درختوں پر نغمہ سرائی کرتا رہے، میں ان کی مصیبت پر) روتا رہوں گا۔

۴۶۔ اے آنکھ ان پر رو! اور تو اشکوں کے موتیاں نثار کر! کہ اب رونے اور آنسو برسانے کا وقت آیا ہے۔

۴۷۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں تیس سالوں سے لگاتار صبح وشام ان کے غم وحسرت میں رو رہا ہوں۔

۴۸۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے حقوق (خمس ومال امام وغیرہ) غیروں میں تقسیم ہو رہے ہیں اور وہ اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ (یہ شعر سن کر امام ؑ بہت روئے اور فرمایا: اے خزاعی تم نے سچ کہا ہے۔)

۵۹۔ میں ان پر گریہ کرتا رہوں گا جب تک سورج افق سے چمکتا رہے اور نیک بندے نماز کے لئے بلاتے رہے (یعنی جب تک اذان باقی رہے)۔

۵۰۔ اور جب تک سورج طلوع اور غروب کرتا رہے اور دن رات میں ان پر آنسو بہاتا رہوں گا۔

۵۱۔ (کیونکہ) آلِ رسولؐ کے گھر خالی اور ویران ہوئے اور زیاد کی اولاد اُن (بابرکت) گھروں میں بسنے لگے۔

۵۲۔ آل زیاد (ریشم کے لباس) میں محفوظ تھے جبکہ آلِ رسولؐ کی ہتکِ حرمت ہو رہی تھی۔

۵۳۔ پس اگر وہ چیز نہ ہوتی جس کی مجھے آج یا کل امید ہے تو ان کے پیچھے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

۵۴۔ (میری وہ امید) ایک ایسے امام کا ظہور ہے جو بالیقین ظہور کریں گے اور خدا کے نام پر وہ بابرکت قیام کریں گے۔

۵۵۔ وہ ہمارے درمیان حق و باطل کو جدا کریں گے اور (لوگوں کو) نعمتوں اور عقوبتوں کے ذریعے جزا یا سزا دیں گے۔

۵۶۔ پس اے دل تجھ کو خوشخبری ہو کہ جو آنے والے ہیں وہ زیادہ دور نہیں ہے۔

۵۷۔ اور ظلم و جور کے طولانی ہونے کی وجہ سے بے تابی اور اضطراب نہ کر کیونکہ میں اپنی طاقت کو دیکھتا ہوں کہ وہ صبر و استقلال کی تلقین کر رہی ہے۔

۵۸۔ کیونکہ میں ان (اہل بیتؑ) کی محبت کی بدولت خدائے رحمٰن سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھے بہشت کی زندگی عطا کرے گا۔

۵۹۔ پس اے وارثانِ علم نبیؐ اور ان کے فرزندو! آپ لوگوں پر دائمی درود و سلام ہو۔

۶۰۔ بے شک میں نے اپنی زندگی میں آپ کے سبب سے امن پایا ہے اور مجھے موت

کے بعد بھی (آپ سے دوستی کی بدولت) چین اور امن کا یقین ہے۔

مرحوم طبری، شیخ صدوق اور شیخ مفید تینوں نے ایک ہی طرح سے نقل کیا ہے کہ جب دعبل خزاعی نے اپنا قصیدہ سنایا تو امام رضا -اٹھ کر اپنے دولت سرا میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر گزرنے کے بعد آپ کا خادم نکل آیا اور سو دینار، اور ایک روایت کے مطابق چھ سو دینار لا کر دعبل خزاعی کے حوالے کیے اور کہا: امام نے فرمایا ہے کہ اس رقم کو راستے میں خرچ کرو۔

دعبل نے کہا: خدا کی قسم میں نے اپنے قصیدے کو دینار کے غرض سے نہیں لکھا تھا لہٰذا ن کو دوبارہ لے جاؤ اور امام کی خدمت میں عرض کرو کہ اپنے بابرکت لباس میں سے ایک مجھے عنایت کریں تا کہ وہ تبرک کے طور پر میرے پاس رہے۔

امام رضا -نے ان دیناروں کو دوبارہ ایک اعلیٰ جبہ کے ساتھ اس کے لئے بھیج دیا اور فرمایا: دعبل سے کہو کہ رقم کو لے لو کہ جلد ہی تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔

دعبل مرو سے اپنے وطن عراق کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں اس کے کاروان پر ڈاکہ پڑا -ڈاکوؤں نے سب کے ہاتھوں کو باندھ کر ان کے اموال لوٹنے میں مشغول ہوئے اور بعد میں اپنے درمیان تقسیم کرنے لگے۔ اس دوران ایک ڈاکو نے دعبل خزاعی کے اس شعر کو بطور مثال پڑھا جو مذکور قصیدہ میں آ چکا ہے۔

اَرىٰ فَيئَهُمْ فِى غَيرِهِمْ مُتَقَسّماً

وَاَيدِيهِمْ مِنْ فَيئِهِمْ صَفَرَاتٌ

ترجمہ: میں دیکھتا ہوں کہ ان کے اموال غیروں میں تقسیم ہو رہے ہیں اور ان کے ہاتھ اپنے مال سے خالی ہیں۔

دعبل نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے؟ ڈاکو نے کہا: شاعر اہل بیت دعبل خزاعی کا۔

دعبل نے کہا: میں وہی دِعبل ہوں جس نے یہ شعر کہا ہے۔

ڈاکوؤں نے دعبل کے ہاتھ کھول دئے اور اس کی خاطر سارے کاروان والوں کو آزاد کردیا اور سب کو اپنے اپنے اموال واپس دے دیئے۔

جب ڈاکوؤں سے چھٹکارا ملا تو دعبل نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ قم پہنچے اور اہل قم کو اپنا قصیدہ سنایا۔ جس کے سبب اس کا بڑا احترام وعزت کی گئی۔

اہل قم نے ان سے تقاضا کیا کہ امامؑ کے عطا کردہ اس جبّے کو ہزار دینار میں انہیں بیچ دیں لیکن دعبل نے اس سے انکار کیا۔

جب وہ قم سے نکل گئے تو جوانوں کا ایک گروہ آ کر زبردستی ان سے وہ جُبّہ چھین لے گیا۔ دعبل دوبارہ قم لوٹ آئے اور ان سے جبّے کو طلب کیا تو انہوں نے کہا: اب جبہ ملنے کا نہیں ہے بہتر ہے کہ ہزار دینا لے جاؤ۔ دعبل نے کہا: تو پھر کم از کم اس کا ایک ٹکڑا مجھے دیدو۔ وہ لوگ دعبل کی اس پیشکش سے خوش ہوئے اور جبّے کے ایک ٹکڑے کو جدا کر کے ان کے حوالے کیا اور اس پر ہزار دینار بھی دے دیئے۔

دعبل قم سے چل پڑا اور جب اپنے وطن میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں، اس کے گھر کے سارے اثاثے لوٹ لئے گئے ہیں اور کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ اس نے امام رضاؑ کے عطا کردہ ہر دینار کو تبرک کے طور پر ہزار دینار کی قیمت میں فروخت کیا۔ یوں وہ دس ہزار دینار کا ملک بن گئے۔ انہیں امامؑ کا وہ فرمان یاد آیا کہ فرمایا تھا کہ اس رقم کو لے جاؤ کہ جلد ہی تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ (۱)

۱۔ ترجمہ اعلام الوریٰ ص ۲۴۱۔۲۴۲

دیگر شعراء نے بھی امام رضا - کی ولیعہدی کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے لیکن کتاب کے اختصار کے پیش نظر ہم ان کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

امام رضا ؑ کی ولیعہدی کے اعزاز میں گردونواح اور دیگر شہروں میں جشن منانے اور آپ ؑ کو باقاعدہ سرکاری طور پر ولی عہد اعلان کرنے کے بعد مامون اس بات کے درپے ہوا کہ ان اقدامات کا نتیجہ اور لوگوں میں اس کے رد عمل کو پرکھ لیا جائے اور اس بات کا بھی اندازہ لگالیا جائے کہ لوگوں کی نگاہوں میں امام کے لئے کس قدر عزت واحترام پایا جاتا ہے۔

ابھی ولیعہدی کو تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ عید قربان آپہنچی اور مامون نے آنحضرت ؑ کو نماز عید پڑھانے کی تاکید کی۔

شیخ صدوق، کلینی ، شیخ مفید اور طبرسیؒ نے (امام ؑ کے) خادم یاسر اور ریان بن صلت سے روایت کی ہے: جب عید قربان نزدیک ہوئی تو مامون نے کسی کو حضرت علی بن موسی الرضا ؑ کی خدمت میں بھیجا اور آپ ؑ سے تقاضا کیا کہ سواری پر مصلیٰ تشریف لے جا کر نماز عید کی امامت فرمائیں اور خطبہ دیں تا کہ لوگوں کے دلوں کو سکون وآرام ملے نیز لوگ آپ ؑ کے مقام ومنزلت سے آگاہ ہوجائیں۔

امام ؑ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جو شروط ولیعہدی کے منصب کی قبولی کے سلسلے میں میرے اور تیرے درمیان پائی جاتی ہیں ان سے تم بخوبی آگاہ ہو کہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ کسی اور کام میں دخالت نہ کروں۔

مامون نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں چاہتا ہوں سپاہیوں اور دیگر افراد کے دلوں میں یہ کام رسوخ پا جائے یوں وہ اطمینان قلبی حاصل کر کے آپ ؑ کے مقام ومنزلت کا اقرار

کریں۔

جب بار بار مامون کے قاصد آتے رہے اور اصرار بڑھتا گیا تو امامؑ نے فرمایا:

اے امیر المومنین! اگر مجھے اس کام سے معذور جانو تو اچھا ہے اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں اسی انداز میں نماز عید پڑھانے جاؤں گا جس طرح رسول خدا ﷺ اور امیر المومنین علی بن ابی طالب ۔ جایا کرتے تھے۔

مامون نے کہا: جس طرح آپ چاہتے ہیں اقدام کریں۔ اس کے بعد سرکاری عہدیداروں، ملازموں اور دوسرے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اگلی صبح حضرت امام رضاؑ کی قیام گاہ کے پاس جمع ہو جائیں۔

جب عید کی صبح ہوئی تو تمام گلی کوچے اور دیگر راستے مرد و زن اور بچوں سے بھرے ہوئے حضرت رضا ۔ کے پرنور دیدار کے منتظر تھے سپاہی اور افسران بھی آپؑ کی قیامگاہ کے نزدیک اکٹھے ہو کر آپؑ کے باہر نکلنے کے انتظار میں تھے۔ یاسر کہتے ہیں: جب سورج طلوع ہوا تو امامؑ کھڑے ہوئے اور ایک سفید سوتی عمامہ سر پر باندھا اور اس کا ایک سرا اپنے سینے پر رکھا اور دوسرے کو اپنے شانوں پر قرار دیا۔ پھر اپنے آپؑ کو معطر کیا، دامن کو کمر سے باندھ کر تمام پیروکاروں اور خدمتگاروں سے بھی اسی طرح کرنے کے لئے فرمایا۔

پھر ایک عصا دست مبارک میں لیا اور اپنے پیراہن کو پنڈلیوں تک اوپر سنبھالا اور دوسروں نے بھی اپنے اپنے دامن کو کمر سے باندھ لیا اور برہنہ پا چل دئے اور ہم بھی ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔

اس دوران آپؑ نے سر کو آسمان کی طرف اٹھایا اور چار مرتبہ تکبیر پڑھی اور خدمتگاروں

نے بھی تکبیر پڑھی جبکہ سرکاری افسران اور فوجی عہدیداران اپنے مخصوص وردیوں میں دروازے کے پاس امام کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ جب آپؑ اس انداز میں (کمر بستہ اور سر پر عمامہ رکھے ہوئے) گھر سے نکلے تو سپاہی اور فوجی افسران بھی اپنی اپنی سواریوں سے اتر گئے اور جلد ہی اپنے چاقو اور دوسرے آلات سے جوتوں کے تسموں کو توڑ کر برہنہ پا ہوئے۔

امامؑ نے دوبارہ فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) عَلٰی مَا ھَدَانَا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَارَزَقَنَا مِنْ بَھِیمَۃِ الْاَنْعَام، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَبْلَانَا۔

لوگوں نے بھی امام کی پیروی کرتے ہوئے تکبیر پڑھی اور احساس کیا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان بھی آپ کی ہمراہی کر رہے ہیں۔ امام ہر دس قدم کے بعد ٹھہر جاتے اور یوں صدائے تکبیر بلند کرتے کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ آسمان و زمین اور فضا بھی آپ کی ہمراہی کرتے ہوئے گونج رہے ہیں۔

شہرِ مرو آہ و نالہ اور فریاد سے لرز اٹھا اور چھوٹے بڑے سبھی آپؑ کی پاکیزگی، تقویٰ اور فضیلت کے شیفتہ ہوئے اور ان کے دل آپؑ کے نورانی کلام سے مسخر ہوئے۔ یہ خبر مامون تک پہنچی۔ فضل بن سہل نے کہا اے امیر المومنین اگر علی بن موسیٰ الرضا اسی انداز میں عیدگاہ تک پہنچیں گے تو سبھی لوگ ان پر فریفتہ ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں ہماری جان خطرے میں پڑ جائیں گی لہذا بہتر یہی ہے کہ ان کو واپس بلالیں۔

مامون نے فوراً امام کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم نے آپ کو بہت زحمت دی اب حضور کو مزید تکلیف اور زحمت میں ڈالنا نہیں چاہتے لہذا آپ اپنی قیامگاہ کی طرف لوٹ

آئیں اور نماز وہی شخص پڑھائے گا جو ہمیشہ سے پڑھا رہا ہے۔

امامؑ نے اپنے جوتوں کو طلب فرما کر انہیں پہن لیا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر منزل کی طرف روانہ ہوئے اور اس دن لوگوں کی نماز میں کوئی کیفیت نہ رہی۔(۱)

....

۱۔عیون اخبار الرضاج ۲،باب ۳۹

مرو میں امام ؑ کے مناظرات

خلفائے بنی عباس میں سے کوئی مامون کی طرح دانشمند اور علم دوست نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے دور میں ہی یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہوا۔ مامون کا چالیس عالموں کے ساتھ حضرت امیر المومنین ؑ کی بلافصل خلافت کو ثابت کرنے کے سلسلے میں کیے گئے مناظرے مشہور ہیں۔ جن میں اس نے تنہا ان تمام عالموں کو مغلوب کر کے ان کے دلائل کو رد کر دیا اور انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا۔

امام رضا ؑ کے مرو میں وارد ہونے اور آپؑ کے ولیعہدی کے عہدے پر منصوب ہونے کے بعد مامون نے ذاتی طور پر آپؑ سے کچھ سوالات کیے اور آپؑ سے علمی استفادہ کیا۔ چونکہ اس دور میں بہت سے فرق و مذاہب پائے جاتے تھے اور بسا اوقات مذکورہ مذاہب کے علماء کی طرف سے خلافت کے بارے میں سوالات کیے جاتے تھے اور ان کے کماحقہ جواب نہیں دیے جا سکتے تھے جس کے سبب سے اکثر اوقات مامون اور اس کے اطرافی ذلت و رسوائی سے دوچار ہو جاتے تھے۔ لہذا مامون نے اس موقع کو غنیمت جانتے

ہوئے دستور دیا کہ گردونواح سے مختلف مکاتب فکر کے دانشمندوں کو مرو میں بلالیا جائے تاکہ وہ مامون کے سامنے امام رضاؑ کے ساتھ مناظرہ کریں۔

مامون کا مقصد یہ تھا کہ مناظروں میں پیش کیے جانے والے امامؑ کی فرمائشات سے علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ دوسرے مکاتب کے علماء کی طرف کیے جانے والے اعتراضات کے جواب بھی امامؑ کے توسط سے دیئے جائیں جو کہ مامون کے بس سے باہر تھا۔ نیز جب وہ لوگ فن مناظرہ میں امامؑ پر غالب آئیں گے تو آپؑ کا علمی مقام گھٹ جائے اور لوگوں کی آپؑ کی نسبت پائی جانے والی عقیدت ومحبت میں کمی آجائے یوں وہ بدستور اپنے منصب ومقام پر قائم رہے۔

لیکن مامون اس نکتے سے غافل تھا کہ حضرت امام رضاؑ آل محمدؑ میں سے تھے اور ان کا علم تو آسمانی اور لدنی ہوا کرتا ہے اور آپؑ اس ہستی کے فرزند تھے جو شہر علم کا دروازہ اور "سلونی قبلَ اَن تفقدُونی" کے مالک تھے لہذا وہ کبھی بھی ان دانشمندوں کے آگے مغلوب نہیں ہوں گے جن کے علم اکتسابی اور بعد میں حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ بات مناظرے کی مجلسوں میں مامون کی آنکھوں کے سامنے ثابت ہو کر رہ گئی۔

۱۔ خطبہ توحیدیہ

امامؑ نے، دوسرے مذاہب کے علماء ورؤساء کے ساتھ مناظرے کی مجلسوں میں تشریف لانے سے پہلے، مامون کی فرمائش پر بنی ہاشم کے سرکردوں، جن میں بنی عباس اور علوی دونوں شامل تھے، کے سامنے خدائے تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت کے بارے میں ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس نے سب کو حیرت میں ڈالا۔

یہ خطبہ امیر المؤمنینؑ کے ارشاد فرمائے ہوئے خطبہ کی طرح دقیق فلسفی نکات اور

عالیقدر مضامین پر مشتمل تھا جس کے سمجھنے کے لئے تفصیلاً شرح کی ضرورت ہے۔ ہم اس خطبے کو نقل کرتے ہوئے اس کے مختصر ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب عیون اخبار الرضا کے باب توحید میں، محمد بن یحیٰ اور قاسم بن ایوب سے یوں نقل کیا ہے کہ:

جب مامون نے یہ قصد کیا کہ امام رضاؑ کو اپنا نائب اور ولی عہد بنائے تو مرو میں موجود تمام بنی ہاشم (خواہ بنی عباس ہوں یا علویوں میں سے) کو بلا بھیجا اور ان کے ساتھ مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ علی بن موسی الرضاؑ کو اپنا ولیعہد بناؤں جو کہ میرے بعد خلافت کے امور کو سنبھالیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے اس سے حسد برتتے ہوئے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص خلافت کے بارے میں بصیرت نہیں رکھتا ہوا سے اپنا ولیعہد بنائے؟ اسی وقت کسی کو اس کے پاس بھیجدے جو اسے ہمارے سامنے لے آئے تا کہ اس کی نادانی تم پر ثابت ہو۔

مامون نے ایک شخص کو آپؑ کی خدمت میں روانہ کیا، جب آپؑ تشریف لائے تو بنی ہاشم کی ایک جماعت نے کہا: یا اباالحسن منبر پر جائیں اور خدا کی وحدانیت کے بارے میں کچھ اس طریقے سے بیان کریں کہ ہم اسی کے مطابق خدا کی بندگی کریں۔ امامؑ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ کچھ دیر خاموشی کے ساتھ فکر کرتے رہے پھر ایک حرکت کے ساتھ کھڑے ہو کر خدا کی حمد وثنا اور پیغمبرؐ اور آپؐ کے خاندان پر درود وسلام بھیجنے کے بعد فرمایا:

۱۔ اَوَّلُ عِبادَةِ اللّٰهِ مَعْرِفَتُهُ، اَصْلُ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ تَوْحيدُهُ: وَنِظامُ تَوْحيدِ اللّٰهِ نَفْيُ الصِّفاتِ عَنْهُ، لِشَهادَةِ كُلِّ الْعُقولِ اَنَّ كُلَّ صِفَةٍ وَمَوْصوفٍ مَخْلُوقٌ

وَشَهادَةِ كُلِّ مَخلُوقٍ اَنَّ لَهُ خالِقٌ لَيسَ بِصِفَةٍ وَلامَوصُوفٍ وَشَهادَةِ كُلِّ صِفَةٍ وَمَوصُوفٍ بِالاِقتِرانِ وَشَهادَةِ الاِقتِرانِ بِالحَدَثِ وَشَهادَةِ الحَدَثِ بِالاِمتِناعِ مِنَ الاَزَلِ المُمتَنِعِ مِنَ الحَدَثِ.

٢. فَلَيسَ اللهَ عَرَفَ مَن عَرَفَ بِالتَّشبِيهِ ذاتَهُ، وَلا اِيّاهُ وَحَّدَ مَنِ اكتَنَهَهُ، وَلا حَقِيقَتَهُ اَصابَ مَن مَثَّلَهُ، وَلا بِهِ صَدَّقَ مَن نَهّاهُ، وَلا صَمَدَهُ مَن اَشارَ اِلَيهِ، وَلا اِيّاهُ عَنى مَن شَبَّهَهُ، وَلا لَهُ تَذَلَّلَ مَن بَعَّضَهُ، وَلا اِيّاهُ اَرادَ مَن تَوَهَّمَهُ.

٣. كُلُّ مَعرُوفٍ بِنَفسِهِ مَصنُوعٌ، وَكُلُّ قائِمٍ فِي سِواهُ مَعلُولٌ، بِصُنعِ اللهِ يُستَدَلُّ عَلَيهِ، وَبِالعُقُولِ تُعتَقَدُ مَعرِفَتُهُ، وَبِالفِطرَةِ تَثبُتُ حُجَّتُهُ.

٤. خَلقُ اللهِ الخَلقَ حِجابٌ بَينَهُ وَبَينَهُم، وَمُبايَنَتُهُ اِيّاهُم مُفارَقَتُهُ اَينِيَّتَهُم، وَابتِداؤُهُ اِيّاهُم دَلِيلٌ عَلى اَن لا اِبتِداءَ لَهُ لِعَجزِ كُلِّ مُبتَدِءٍ عَنِ اِبتِداءِ غَيرِهِ، وَاَدوائُهُ اِيّاهُم دَلِيلٌ عَلى اَن لاَاَداةَفِيهِ لِشَهادَةِ الاَدَواتِ بِفاقَةِ المُتَادِّينَ، وَاَسماءُهُ تَعبِيرٌ وَافعالُهُ تَفهِيمٌ وَذاتُهُ حَقِيقَةٌ وَ كُنهُهُ تَفرِيقٌ بَينَهُ وَبَينَ خَلقِهِ وَغُيُورُهُ تَحدِيدٌ لِما سِواهُ.

٥. فَقَد جَهِلَ اللهَ مَنِ استَوصَفَهُ، وَقَد تَعَدّاهُ مَنِ اشتَمَلَهُ، وَقَد اَخطاهُ مَنِ اكتَنَهَهُ. وَمَن قالَ كَيفَ فَقَد شَبَّهَهُ، وَمَن قالَ لِمَ. فَقَد عَلَّلَهُ وَ مَن قالَ مَتى فَقَد وَقَّتَهُ، وَمَن قالَ فِيمَ فَقَد ضَمَّنَهُ، وَمَن قالَ اِلىٰ م فَقَد نَهّاهُ، وَمَن قالَ حَتّى م فَقَد غَيّاهُ، وَمَن غَيّاهُ فَقَد غايَاهُ وَمَن غايَاهُ فَقَد جَزّاهُ وَمَن جَزّاهُ فَقَد وَصَفَهُ وَمَن وَصَفَهُ فَقَد اَلحَدَ فيهِ.

٦. لا يَتَغَيَّرُ اللهُ بِانْغِيارِ الْمَخلُوقِ كَما لا يَتَحَدَّدُ بِتَحْدِيدِ الْمَخلُوقِ، أَحَدٌ لا بِتَأْوِيلِ عَدَدٍ، ظاهِرٌ لا بِتَأْوِيلِ الْمُباشَرَةِ، مُتَجَلٍّ لا بِاسْتِهْلالِ رُؤْيَةٍ، باطِنٌ لا بِمُزايَلَةٍ، مُبايِنٌ لا بِمَسافَةٍ، قَرِيبٌ لا بِمُدَاناةٍ، لطيفٌ لا بِتَجَسُّمٍ، مَوْجُودٌ لا بَعْدَ عَدَمٍ، فاعِلٌ لا بِاضْطِرارٍ، مُقَدِّرٌ لا بِجُولِ فِكْرَةٍ، مُدَبِّرٌ لا بِحَرَكَةٍ، مُرِيدٌ لا بِهَمامَةٍ، شاءٍ لا بِهِمَّةٍ، مُدْرِكٌ لا بِحاسَّةٍ، سَمِيعٌ لا بِآلَةٍ، بَصِيرٌ لا بِأَداةٍ.

٧. لا تَصْحَبُهُ الْأَوْقاتُ وَلا تَضَمَّنُهُ الْأَماكِنُ، وَلا تَأْخُذُهُ السِّناتُ، وَلا تَحُدُّهُ الصِّفاتُ، وَلا تُقَيِّدُهُ الْأَدَواتُ.

٨. سَبَقَ الْأَوْقاتَ كَوْنُهُ وَالْعَدَمَ وُجُودُهُ وَالْاِبْتِداءَ أَزَلُهُ، بِتَشْعِيرِهِ الْمَشاعِرَ عُرِفَ أَنْ لا مَشْعَرَ لَهُ وَبِتَجْهِيرِهِ الْجَواهِرَ عُرِفَ أَنْ لا جَوْهَرَ لَهُ، وَبِمُضادَّتِهِ بَيْنَ الْأَشْياءِ عُرِفَ أَنْ لا ضِدَّ لَهُ وَبِمُقارَنَتِهِ بَيْنَ الْأُمُورِ عُرِفَ أَنْ لا قَرِينَ لَهُ، ضادَّ النُّورَ بِالظُّلْمَةِ وَالْجَلايَةَ بِالْبُهَمِ وَالْجُفَّ بِالْبَلَلِ وَالصَّرْدَ بِالْحَرُورِ.

٩. مُؤَلِّفٌ بَيْنَ مُتَعادِياتِها مُفَرِّقٌ بَيْنَ مُتَدانِياتِها دالَّةٌ بِتَفْرِيقِها وَبِتَأْلِيفِها عَلى مُؤَلِّفِها ذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّوَجَلَّ. وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. فَفَرَّقَ بِها بَيْنَ قَبْلٍ وَبَعْدٍ لِيُعْلَمَ أَنْ لا تَفاوُتَ لِمُفَوِّتِها، مُخْبِرَةٌ بِتَوْقِيتِها، حَجَبَ بَعْضَها عَنْ بَعْضٍ لِيُعْلَمَ أَنْ لا حِجابَ بَيْنَهُ وَبَيْنَها مِنْ غَيْرِها.

١٠. لَهُ مَعْنَى الرُّبُوبِيَّةِ إِذْ لا مَرْبُوبَ، وَحَقِيقَةُ الْإِلٰهِيَّةِ إِذْ لا مَأْلُوهَ،

وَمَعْنَى الْعالِمِ وَلا مَعْلُومَ، وَمَعْنَى الْخالِقِ وَلا مَخْلُوقَ، وَتَأْوِيلُ السَّمْعِ وَلا مَسْمُوعَ، لَيْسَ مُنْذُ خَلَقَ اِسْتَحَقَّ مَعْنَى الْخالِقِ وَلا مَخْلُوقَ، وَتَأْوِيلُ اِسْمَعْ وَلا مَسْمُوعَ، لَيْسَ مُنْذُ خَلَقَ اِسْتَحَقَّ مَعْنَى الْخالِقِ، وَبِإِحْداثِهِ الْبَرايَا اِسْتِفادَهُ مَعْنَى الْبارِئِيَّةِ كَيْفَ وَلا يَشْمِلُهُ حِينَ، وَلا يُقارِنُهُ مَعَ.

١١. إِنَّما تَحِدُّ الْأَدَواتُ أَنْفُسَها، وَتُشِيرُ الْآلاتُ إِلى نَظائِرِها، وَفِي الْأَشْياءِ يُوجَدُ أَفْعالُها، مَنَعَتْها "مُنْذُ" الْقِدْمَةَ، وَحَمَتْ "قَدْ" الْأَزَلِيَّةَ، وَجَنَّبَتْها "لَوْلا" التَّكْمِلَةَ، اِفْتَرَقَتْ فَدَلَّتْ عَلى مُفَرِّقِها، وَتَبايَنَتْ فَأَعْرَبَتْ عَنْ مُبايِنِها، بِها تَجَلّى صانِعُها لِلْعُقُولِ، وَبِها احْتَجَبَ عَنِ الرُّؤْيَةِ، وَإِلَيْها تَحاكَمَ الْأَوْهامُ، وَفِيها أُثْبِتَ غَيْرُهُ وَمِنْها أُنْبِطَ الدَّلِيلُ، وَبِها عُرِفَ الْإِقْرارُ، وَبِالْعُقُولِ يُعْتَقَدُ التَّصْدِيقُ بِاللهِ، وَبِالْإِقْرارِ يُكْمَلُ الْإِقْرارُ.

١٢. لا دِيانَةَ إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ، وَلا مَعْرِفَةَ إِلَّا بِالْإِخْلاصِ، وَلا إِخْلاصَ مَعَ التَّشْبِيهِ، وَلا نَفْيَ مَعَ إِثْباتِ الصِّفاتِ بِالتَّشْبِيهِ.

١٣. فَكُلُّ ما فِي الْخَلْقِ لا يُوجَدُ فِي خالِقِهِ، وَكُلَّما يُمْكِنُ فِيهِ يَمْتَنِعُ فِي صانِعِهِ، لا تَجْرِي عَلَيْهِ الْحَرَكَةُ وَالسُّكُونُ وَكَيْفَ تَجْرِي عَلَيْهِ ماهُوَ أَجْراهُ أَوْ يَعُودُ فِيهِ ماهُوَ ابْتَداهُ، إِذًا لَتَفاوَتَتْ ذاتُهُ وَلَتَجَزَّأَ كُنْهُهُ وَلا مُتَنَعَ مِنَ الْأَزَلِ مَعْناهُ، وَلَما كانَ لِلْبارِي مَعْنًى غَيْرَ الْمَبْرُوءِ، وَلَوْحُدَّ لَهُ وَراءٌ إِذًا حُدَّ لَهُ أَمامٌ، وَلَوِ الْتَمَسَ لَهُ التَّمامُ إِذًا لَزِمَهُ النُّقْصانُ.

١٤. كَيْفَ يَسْتَحِقُّ الْأَزَلَ مَنْ لا يَمْتَنِعُ مِنَ الْحَدَثِ وَكَيْفَ يُنْشِئُ الْأَشْياءَ مَنْ لا يَمْتَنِعُ مِنَ الْإِنْشاءِ إِذًا لَقامَتْ فِيهِ آيَةُ الْمَصْنُوعِ وَلَتَحَوَّلَ

ذَلِیلاً بَعْدَ مَا کَانَ مَدْلُولاً عَلَیْهِ.

۱۵. لَیْسَ فِی مَحَالِ الْقَوْلِ حُجَّةٌ وَلاَ فِی الْمَسْأَلَةِ عَنْهُ جَوابٌ وَلاَ فِی مَعْنَاهُ لِلّٰهِ تَعْظِیمٌ وَلاَ فِی اِبَانَتِهِ عَنِ الْخَلْقِ ضَیْمٌ اِلاَّ بِامْتِنَاعِ الْاَزَلِیِّ اَنْ یُثَنّٰی وَمَا لاَبَدْءَ لَهُ اَنْ یَبْدَءَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیمُ کَذَبَ الْعَادِلُونَ بِاللّٰهِ وَ ضَلُّوا ضَلاَلاً بَعِیداً وَخَسِرَانًا مُبِیناً وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ مُحَمَّدٍالنَّبِیِّ وَآلِهِ الطَّاهِرِینَ.

۱۔ یعنی عبادتِ خدا کا سرچشمہ اور نقطۂ آغاز اس کی معرفت ہے اور معرفتِ خدا کی بنیاد اور جڑ اس کی وحدانیت ہے اور توحیدِ خدا کا نظام اور ثبات اس سے تمام صفات کی نفی کرنے پر ہے (صفات خدا، مخلوق کی صفات کی طرح زائد بر ذات نہیں ہے) کیونکہ اس بات پر عقل کی گواہی ہے کہ صفت و موصوف مخلوق ہیں اور ہر مخلوق اس بات گواہی دیتی ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو نہ صفت ہے اور نہ موصوف۔ کیونکہ صفت اور موصوف آپس میں وابستہ اور مربوط ہونے کی وجہ سے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ حادث اور خلق شدہ ہیں اور کسی چیز کا حادث ہونا اس بات کے لئے مانع ہے کہ وہ ازلی ہو چنانچہ ازلیت کا بھی حدوث سے ہونا ممتنع اور ناممکن ہے (یعنی جو چیز حادث ہو اس کا قدیم اور ازلی ہونا محال ہے)۔

۲۔ پس جس نے ذاتِ خدا کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہوئے پہچانا ہے (درحقیقت) اس نے خدا کی شناخت ہی حاصل نہیں کی ہے اور جو سوچ و فکر کے ذریعے اس کی حقیقت کو سمجھنے کے درپے ہوا تو وہ موحّد ہی نہیں، اور جس نے اسکی مثال پیش کی اس کی ذات کو نہیں

۱عیون اخبار الرضاج ۲، باب ۱۱۔ توحید صدوق ص ۳۴۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۲۲۸

پہچانا، جو خدا کے لئے کسی انجام کا قائل ہوا، اس کی تصدیق نہیں کی، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا اس کا قصد نہیں کیا، جس نے اسے تشبیہ دی اس کی طرف توجہ نہیں کی، جو خدا کے جزء کے قائل ہوا، اس کے لیے تواضع اور پستی اختیار نہیں کی اور جس نے اسے وہم میں لایا، اس کا ارادہ نہ کیا۔

۳۔ جس چیز کی حقیقت پہچانی جائے وہ مخلوق ہے، ہر وہ چیز جو اپنے غیر کے ذریعے قائم ہو، معلول ہے، صنعتِ خدا کے ذریعے اس کی ذات پر استدلال کیا جاتا ہے، عقل کے ذریعے اس کی معرفت حاصل کی جاتی ہے، فطرت کے ذریعے اس کی حجت (اور نشانیوں) کو ثابت کیا جاتا ہے۔

۴۔ اس کی خالقیت، اس کے اور مخلوق کے درمیان ایک حجاب اور اس کے مخلوق سے غیر ہونیکی دلیل ہے، مخلوق کا زمان و مکان کا محتاج ہونا خدا کا ان سے جدا اور ممتاز ہونے کی دلیل ہے (یعنی خود مخلوقات خالق کی خالقیت اور مخلوق کی مخلوقیت کو پہچاننے کا بہترین ذریعہ اور دلیل ہے)۔

خلقتِ مخلوقات کا آغاز اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کا کوئی آغاز نہیں (یعنی اگر خدا کا آغاز ہوتا تو وہ بھی مخلوق ہوتا اور دوسروں کے مانند زمان کا محتاج ہوتا) کیونکہ ہر آغاز رکھنے والا دوسرے کو وجود میں لانے سے عاجز ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کو سامان مہیا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کسی قسم کی آلات و سامان کا محتاج نہیں کیونکہ آلات اس کے استعمال کرنے والوں کی محتاجی کی علامت ہے، اس کے اسمائے (حسنٰی عین ذات نہیں بلکہ تقریبِ ذہن کے لیے) صرف تعبیر ہیں، اس کے افعال فہم و معرفت کے لئے ہیں، اس کی ذات ایک حقیقت ہے، اس کی کنہ اور حقیقتِ ذات اس کے اور بندوں کے درمیان

جدائی اور فاصلہ ہے اس کا (اپنی مخلوق سے) غیر ہونا اپنے ماسوا کی محدودیت کیوجہ سے ہے۔

۵۔ بنا بر این جس نے خدا کی صفت کی، وہ خدا سے جاہل رہا، جس نے اس کو کسی چیز پر مشتمل جانا (یعنی اس کو مرکب جانا) اس نے خدا پر تجاوز کیا؛ جو حقیقتِ خدا کے (سمجھنے کے) در پے ہوا اس نے خطا کی۔ جس نے کہا خدا ایسا ہے، اس نے خدا کو تشبیہ دی، جس نے کہا: خدا کیوں ہے، اس کو دوسروں کی طرح علت کا محتاج جانا، جو کہے (خدا) کب سے ہے، اس کو وقت میں محدود کیا، جو کہے کس چیز میں، اس کو کسی دوسری چیز کے ضمن میں قرار دیا، جو کہے کس چیز کی طرف، اس کے لئے نہایت کا قائل ہوا، جو کہے کب تک، اس کیلئے کسی غرض و غایت کا تصور کیا، جو اس کیلئے کسی غایت کے قائل ہوا تو غایت کو اس سے برتر جانا، جس نے غایت کو اس سے برتر قرار دیا، اس کے اجزاء قرار دیے، جس نے اس کے اجزاء قرار دیے، اس کی توصیف کی اور جس نے اس کی توصیف کی تو اس نے کفر والحاد کو اپنایا۔

۶۔ ذات خدا مخلوقات کی تغیرات اور تبدیلیوں سے متغیر نہیں ہوتی جس طرح ان کی محدودیت سے وہ محدود نہیں ہوتا۔ وہ یکتا ہے لیکن اس عدد کے ذریعے نہیں جو (ایک یا ابتداء کے لئے استعمال ہوتی) ہے، ظاہر ہے لیکن مباشرت (اور معاشرت) کے ذریعے نہیں، آشکار و متجلی ہے لیکن (آنکھوں سے) دیکھنے کے ذریعے نہیں، پنہاں ہے لیکن (مخلوق سے) دوری کے ذریعے نہیں، جدا ہے لیکن فاصلے کے ذریعے نہیں، نزدیک ہے لیکن (ظاہری) قربت کے ذریعے نہیں، لطیف ہے لیکن جسم کے ذریعے نہیں، موجود ہے نہ عدم کے بعد، فاعل ہے نہ ضرورت کی بنا پر، مقدر کرنے والا ہے، نہ غور و فکر کے ذریعے،

تدبیر کرنے والا ہے نہ کسی حرکت کے ذریعے، ارادہ کرنے والا ہے نہ مقدمات فکری کے ذریعے، چاہنے والا ہے نہ ہمت وکوشش کے ذریعے، (کیونکہ خدا کی خواہش عین (ایجاد ہے)، درک کرنے والا ہے نہ حواس کے ذریعے، سننے والا ہے نہ کان کے ذریعے اور دیکھنے والا ہے نہ آنکھ کے وسیلے سے۔

۷۔ نہ اوقات اس کی ہمراہی کرسکتے ہیں اور نہ جگہیں اسے اپنے اندر سمو سکتی ہیں (بلکہ خدا ہی زمان ومکان کو وجود بخشنے والا ہے) اس پر کبھی اونگھ طاری نہیں ہوتا، نہ صفات اسے محدود کرسکتی ہیں اور نہ آلات وسامان اس کو مقید کرسکتے ہیں۔

۸۔ اس کی حقیقت اوقات پر سابق، اس کا وجود عدم پر اور اس کی ازلیت ابتداء پر مقدم ہے۔ اس کے، شعور کو خلق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ اس کے لئے شعور وحواس کا کوئی سامان نہیں، (اشیاء کے) جواہر کو ایجاد کرکے یہ جانا گیا کہ اس کا کوئی جوہر نہیں، اس کے دوسری چیز سے ضد ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی کوئی ضد نہیں اور اس کے ہر شے کے قرین ہونے سے پہچانا گیا کہ اس کا کوئی قرین نہیں۔ اس نے نور کو ظلمت کی ضد، آشکاری اور روشنی کو تیرگی کا مخالف، خشک کو تر کے مقابلے میں اور سردی کو گرمی کی ضد قرار دیا۔

۹۔ وہ آپس میں دشمنی رکھنے والوں میں محبت پیدا کرنے والا، اور ملے ہوؤں کو جدا کرنے والا ہے اور اشیاء میں پیدا کی جانے والی یہ جدائی، ان کو جدا کرنے والے (کے وجود) کی دلیل ہے اور ان میں انس ومحبت پیدا کرنا بھی ان میں الفت پیدا کرنے والے کا ثبوت ہے کیونکہ قول خدا ہے: ''ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنادئے شاید تم نصیحت پاجاؤ۔'' لہذا چیزوں کو (مختلف زمانوں میں خلق کرکے زمانے کے حوالے سے) ان میں فرق پیدا کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ خود اس کے لئے نہ کوئی قبل پایا جاتا ہے اور نہ بعد نامی کوئی شے۔

اشیاء میں مختلف فطرتیں قرار دینا دلیل ہے کہ ان کو فطرت عطا کرنے والے کی کوئی سرشت نہیں، طبائع اشیاء کا گوناگوں قرار دینا ثبوت ہے کہ ان کو متفاوت بنانے والے میں کوئی تفاوت نہیں، ان کے لئے وقت قرار دینا دلیل ہے کہ ان کیلئے وقت قرار دینے کے لئے کسی قسم کا زمان نہیں، اور اپنے اور ان کے ایک دوسرے کے درمیان میں حجاب قرار دیا تاکہ یہ جان لیں کہ اس کے اور ان کے درمیان سوائے ان کے اپنے کوئی پردہ نہیں۔

۱۰۔ اس سے پہلے کہ کوئی پرورش پانے والا تھا، وہ حقیقی پروردگار تھا، اس وقت بھی حقیقی معبود تھا جب کوئی عبادت کرنے والا نہ تھا۔ اس وقت بھی حقیقی عالم تھا جب کوئی معلوم نہ تھا، خالق تھا جب کوئی مخلوق نہ تھی، اس وقت بھی مفہوم سامع اس کے لئے حاصل تھا جب کوئی مسموع (سنی جانے والی چیز) نہ تھی، ایسا نہیں ہے کہ جب سے خلق کیا ہے معنائے خالق کا حقدار ہوا ہو، اور نہ یہ کہ مخلوقات کو وجود میں لانے کے بعد خالقیت کو پالیا ہو۔ کیونہ ایسا ہو جبکہ زمانوں پر دلالت کرنے والے الفاظ اس کے لئے استعمال نہیں ہوتے (کیونکہ نہ لفظ ''جب'' سے اس کے غیب کو بیان کرسکتا ہے اور نہ لفظ ''اب'' اس کی قربت کا معنی دیتا ہے، نہ کلمہ ''شاید'' آنے والے زمانے کو اس سے مخفی رکھ سکتا ہے، اور نہ کلمہ ''کب'' ہی اس کیلئے وقت ثابت کرسکتا ہے اور نہ لفظ ''تب'' اس کو اپنے اندر شامل کرسکتا ہے اور نہ لفظ ''مع'' کسی چیز کو اس کے قریب کرسکتا ہے۔

۱۱۔ ایسے الفاظ صرف خود کو محدود کرتے ہیں اور آلات اور اوزار بھی اپنے ہی جیسوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، زمانی اشیاء میں (صرف انہیں سے صادر ہونے والے) افعال ہی پائے جاتے ہیں۔ بنابرایں لفظ '' مُنذ'' (جب سے) قدیم نہیں ہوسکتا اور لفظ ''قد'' (ابھی) بھی ازلیت کو نفی کرتا ہے اور کلمۂ ''لولا'' (اگر نہ ہوتا) اشیاء کے نقص کی دلیل ہے

جو کمال کو ان سے برطرف کر دیتا ہے۔ چیزوں کا آپس میں جدا ہونا ان کے جدا کرنے والے کے وجود پر دلیل ہے، ان کا آپس میں متضاد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ہے جس نے ان کو متضاد پیدا کیا۔

ان مخلوقات کے ذریعے ان کے صانع عقلوں میں جلوہ گر ہوا، اور ان کے وجود آنکھوں کو دیکھنے میں مانع ہو چکے ہیں، اوہام انہیں کی طرف حکم کرتے ہیں، اور اوہام میں خدا کے علاوہ دوسری اشیاء ثابت ہوتی ہیں (کیونکہ خدا اس سے برتر ہے کہ مخلوق کے وہم میں سما جائے) اور ان ہی مخلوقات کے وجود سے وجودِ خدا پر دلیل لائی جاتی ہے، ان کے وجود سے وجود خدا کا اقرار کیا جاتا ہے اور عقلوں کے وسیلے سے تصدیق خدا کا اعتقاد حاصل ہوتا ہے اور اقرار کے ذریعے ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ اس کی معرفت سے پہلے کوئی دیانت حاصل نہیں ہوتی اور اخلاص کے بغیر کوئی معرفت نہیں، تشبیہ کے ساتھ کوئی اخلاص نہیں ہوتا اور نہ تشبیہ کے ذریعے اثباتِ صفات کی صورت میں کوئی نفی ہوتی ہے۔

۱۳۔ لہذا ہر وہ صفت جو مخلوق میں ہوتی ہے خالق میں پائی نہیں جاتی اور ہر وہ چیز جس کا موجودات میں امکان پایا جاتا ہے، ان کے صانع میں پایا جانا محال ہے، اس میں حرکات وسکنات نہیں پائی جاتیں اور کیونکر اس میں پائی جا سکتی ہیں جبکہ حرکات وسکنات کو خود اس نے وجود میں لایا ہے کیونکر وہ چیز اس کی طرف پلٹ سکتی ہے جس کو خود اس نے ابتداء بخشی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو اس کی ذات میں تغیر لازم آئے گی اور اس کی ذات اجزا کی حامل ٹھہرے گی اور معنائے ازلیت اس کے لئے محال ہوگا اور خالق کا معنی اس کے غیر یعنی مخلوق کے مفہوم میں بدل جائے گا اور اس کو ''پیچھے'' کے ذریعے محدود کیا جائے گا تو

۱۔ فاطر/۳۲

آگے سے محدود ہوگا اگر اس کیلئے کامل اور کمال کا تصور ممکن ہو تو لازماً نقصان کا بھی تصور ہوگا۔

۱۴۔جس کے لئے حدوث ممتنع نہ ہو وہ کیونکر ازلیت کا مستحق ہو سکتا ہے اور وہ کیسے اشیاء کو ایجاد کرے گا جس کو ایجاد کرنا محال نہ ہو کیونکہ ان (دونوں) صورتوں میں مخلوقیت اور مصنوعیت اس میں ثابت ہوتی ہے اور وہ خود ایک معلول اور مخلوق بن جاتا ہے جو اپنی علت اور خالق کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

۱۵۔اس ناممکن گفتگو (صفاتِ زائد کو خدا کے لئے ثابت کرنے) کیلئے کوئی دلیل پائی نہیں جاتی اور نہ (ممکنات کی طرف سے) اس سے متعلق کیے جانے والے ایسے سوالات کے لئے کوئی جواب ہے، نہ اس قسم کے معنی (کے اثبات) میں خدا کے لئے کوئی تعظیم ہے بلکہ یہ اس کے لئے باعث نقص ہوگا)، اور خدا کا مخلوق سے جدا اور غیر ہونے میں (بندوں یا خدا پر) کوئی ظلم نہیں ہے مگر یہ کہ اس یکتا و ازلی ذات کے لئے دوئیت محال ہے (یعنی صفات خدا کے اس کی ذات پر زائد ہونے سے دوئیت لازم آتی ہے جو کہ ذات ازلی کا منافی ہے) وہ ذات جس کے لئے کوئی آغاز نہیں، ابتداء اس کے لئے معنی نہیں رکھتا۔ نہیں کوئی معبود سوائے خدائے عظیم و برتر کے۔ جنہوں نے خدا کے ہمتا قرار دیئے ہیں، انہوں نے جھوٹ بولا اور بہت دور کی گمراہی اور کھلی خسارت میں پڑ گئے۔

۲۔علمائے مکاتب کے ساتھ مناظرے۔

ابن بابویہ نے حسن نوفلی سے روایت کی ہے کہ جب امام رضا مرو میں داخل ہوئے مامون نے فضل بن سہل کو دستور دیا کہ دوسرے مکاتب فکر کے عالموں اور دانشمندوں کو جمع کیا جائے تا کہ مامون کی موجودگی میں وہ امامؑ سے مناظرہ کریں۔

اس مناظرے میں شرکت کرنے والے علماء اور مذہبی شخصیتیں یہ تھیں:

مسیحی عالم بنام جاثلیق، یہودی دانشمند بنام رأس جالوت اور ستارہ پرستوں کے روٴساء جن میں سے سب سے بڑے کا نام ہربذ اکبر تھا اس کے علاوہ کچھ آتش پرست، نسطاس رومی اور دیگر علمائے کلام موجود تھے۔

جب مطلوبہ شخصیتیں جمع ہو چکیں تو فضل بن سہل نے مامون کے سامنے ان کا تعارف کیا اور مامون نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو یہاں بلانے سے مقصود یہ ہے کہ کچھ پیچیدہ علمی مسائل ہیں جن کو میرے ابن عم اور ولیعہد علی بن موسیٰ الرضا ؑ جو حال ہی میں حجاز سے مرو تشریف لا چکے ہیں، کے ساتھ مناظرے کی صورت میں حل کیا جائے۔ یقیناً آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کامیابی ہوگی اور کسی قسم کی مخالفت سے دو چار نہیں ہوں گے۔ دانشمندوں نے سمعاً وطاعةً کہتے ہوئے اپنی موافقت کا اعلان کیا۔

راوی کہتا ہے: ہم امام رضا ؑ کی خدمت میں تھے اور آپ ؑ ہمیں حدیث بیان کر رہے تھے کہ اتنے میں آپ ؑ کا خادم یاسر حاضر ہوا اور کہنے لگا: میرے آقا! امیر المومنین (مامون) نے آپ کی خدمت میں سلام کے بعد یہ کہلا بھیجا ہے:

''برادرم میں آپ ؑ پر فدا ہو جاؤں! مختلف ادیان سے تعلق رکھنے والے علماء اور متکلمین کی ایک تعداد میرے پاس جمع ہو چکی ہے لہذا اگر حضور کی خواہش ہو تو ان کے ساتھ مناظرہ کیلئے میرے پاس تشریف لے آئیں اور اگر تشریف لانے میں زحمت ہے تو ہم خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔''

امام نے یاسر سے فرمایا: مامون سے کہو کہ میں جانتا ہوں ایسے مناظروں سے تمہارا کیا مقصد ہے اس کے باوجود میں انشاء اللہ کل صبح تیری مجلس میں پہنچ جاؤں گا۔

جب یاسر چل پڑا تو امام نے فرمایا: اے نوفل! تیرے خیال میں، مامون نے ان عالموں اور اہل شرک کو کیوں مناظرہ کیلئے جمع کیا ہے؟

(راوی کہتا ہے،) میں نے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہو! یہ چاہتا ہوگا کہ حضور کا امتحان کرے اور آپ کی علمیت کا اندازہ کرے لیکن اس کا یہ کام کوئی درست کام نہیں ہے بلکہ اس نے غلطی کی ہے کیونکہ جن افرد کو مامون نے بلالیا ہے اہل مغالطہ اور سفسطہ کے حامل ہیں۔ ان کے ساتھ مناظرہ کرنا ایک پیچیدہ کام ہوگا کیونکہ صحیح دلائل اور برہان کو قبول نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ مغالطے کے ذریعے مد مقابل کو فلسفی استدلالات کے پیچ وخم میں پھنسادیں اور باطل کو حق، حق کو باطل بنا کر پیش کرتے ہیں اور حتی کہ محسوسات کے لئے بھی دلیل طلب کرتے ہیں تا کہ مدمقابل اپنی بات کو واپس لینے پر مجبور ہو جائے۔

حضرت نے یک تبسم کے ساتھ فرمایا: کیا تم ڈرتے ہو کہ میرے دلائل کو بھی وہ رد کریں گے؟

میں نے عرض کیا: نہ خدا کی قسم حضور کی بابت میں، میں ہرگز ایسا نہیں سوچتا۔ مجھے امید ہے کہ خداوند آپ کو ان پر کامیابی عطا کرے گا پھر حضرتؑ نے فرمایا: اے نوفل! کیا جاننا چاہتے ہو کہ مامون اپنے اس کام سے کب پشیمان ہوگا؟

عرض کیا جی ہاں فرمادیجئے!

فرمایا: مامون اس وقت اس کام سے پشیمان ہو جائے گا جب میں ہر مذہب کے عالم اور رئیس کو اس کی اپنی کتاب کے ذریعے جواب دے کر مغلوب کروں گا۔ عیسائی کی بات کو انجیل سے رد کروں گا، یہودی کا جواب تورات سے دوں گا، اہل زبور کو زبور سے اور

ستارہ پرستوں کو ان کی اپنی زبان عبرانی میں جواب دوں گا اسی طرح ہر ایک کو ان کی اپنی کتاب سے دلیل اور جواب دوں گا۔ وہ لوگ نہ صرف خاموش اور سرکوب ہوں گے بلکہ سب اتفاق کے ساتھ میری باتوں کی تصدیق بھی کریں گے۔ اس وقت مامون اپنے اس منصوبے سے پشیمان ہو جائے گا (کیونکہ سب پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جس مسند پر وہ بیٹھا ہوا ہے اس کا اصل حقدار امامؑ تھے اور وہ اور اس کے باپ اور دوسرے جبر و زبردستی سے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے)۔ لا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔

جب صبح ہوئی تو فضل بن سہل امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: قربان جاؤں آپ پر! آپؑ کے ابن عم آپ کے منتظر ہیں اور دوسرے ادیان کے علماء بھی جمع ہو چکے ہیں حضور کا کیا خیال ہے؟

امامؑ نے فرمایا: تم جاؤ، میں انشاء اللہ پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد امامؑ نے وضو کیا اور کچھ شربت نوش فرمایا اور ہمیں بھی عطا کیا پھر ہم بھی آپؑ کی ہمراہی میں نکل گئے۔ جب مامون کے دربار میں پہنچے تو دیکھا دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے اور امامؑ کے چچا محمد بن جعفر بھی ان کے درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے جو کہ بنی ہاشم کی بزرگ شخصیتوں میں سے تھے۔ دینی دانشمندوں کے علاوہ بعض فوجی افسران بھی دربار میں حاضر تھے۔

جب حضرت امام رضا مجلس میں وارد ہوئے تو مامون آپؑ کے احترام میں کھڑا ہوا اور اسی طرح دیگر حاضرین بھی۔ اس کے بعد امامؑ اور مامون بیٹھ گئے جبکہ دوسرے اسی حالت میں کھڑے ہی رہے یہاں کہ امامؑ نے انہیں بیٹھنے کو فرمایا۔ مامون کی توجہ بھی امامؑ کی طرف تھی اور آپؑ سے گفتگو کر رہا تھا۔ جب اس نے اپنی گفتگو ختم کی تو مسیحی عالم جاثلیق کی طرف رخ کر کے کہا: یہ حضرت میرے ابن عم علی بن موسیٰ الرضا ہیں جو ہمارے پیغمبر

کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی اولاد اور علی بن ابی طالب + کے فرزندوں میں سے ہیں۔ میرا ہدف یہ ہے کہ ان کے ساتھ منصفانہ مناظرہ اور بحث عمل میں لائی جائے۔

جاثلیق جو کہ متکلمین پر مناظرے میں غالب ہوا کرتا تھا، امامؑ کو بھی دوسروں کی طرح خیال کرتے ہوئے آپؑ سے بھی وہی سوال کیا جو دیگر متکلمین سے کیا کرتا تھا۔

جاثلیق دوسرے متکلمین سے یہ سوال کیا کرتا تھا: ہم سب اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ پیغمبر خدا اور صاحب کتاب اور آسمان میں زندہ ہیں اسی طرح وفات محمد ﷺ پر بھی ہمارا اتفاق ہے لیکن ان کی بعثت کے بارے میں ہم متفق نہیں ہیں۔ تو تمہارے پاس انؐ کی نبوت کی کیا دلیل ہے؟ متکلمین اس سوال سے خاموش رہ جاتے تھے لہذا اس نے اسی سوال کو امام -سے بھی کیا اور کہا: نبوت عیسیٰؑ کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟ ان کی کتاب کو قبول کرتے ہیں کہ نہیں؟ (جاثلیق منتظر تھا کہ امامؑ مثبت میں جواب دیں پھر وہ آپؑ سے کہے: پس آپ عیسیٰؑ کی پیغمبری کے قائل ہیں لیکن ہم آپ کے پیغمبر کو قبول نہیں کرتے لہذا آپ کو چاہیے کہ ان کی نبوت کی دلیل پیش کریں یوں امامؑ بھی دوسرے متکلمین کی طرح عاجز رہے لیکن اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ کس ہستی کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے)۔

امامؑ نے فرمایا: میں نبوت عیسیٰؑ اور ان کی کتاب کہ جسمیں حواریوں کو اپنے بعد پیغمبرؐ کے آنے کی بشارت دی ہے، پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اس عیسیٰ کی پیغمبری کے معتقد نہیں ہوں جس نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور کتاب کا اعتراف نہیں کیا اور اپنی امت کو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا بشارت نہیں سنائی۔ (جاثلیق نے جب خلاف توقع سرکوب کرنے والے جواب کو سنا تو مناظرے کا انداز بدلتے ہوئے کہا:)

جاثلیق: کیا کسی خبر کے اثبات کے لئے دو شاہد نہیں چاہئیں؟

امامؑ: کیوں نہیں؟

جاثلیق: پس دو گواہ محمد ﷺ کی نبوت کے لئے پیش کریں جو آپ کے مذہب سے نہ ہوں نیز ان کی گواہی قابل قبول ہو۔

امامؑ: ابھی تو نے انصاف کی بات کی۔ کیا اس شخص کی گواہی قبول نہیں کرو گے جو عیسائیوں کے نزدیک عادل ہو؟

جاثلیق: وہ شخص کون ہے اور اس کا کیا نام ہے؟

امامؑ: یوحنا دیلمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جاثلیق: آپؑ نے ایک ایسے شخص کا نام لیا ہے جو مسیحیوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

امامؑ: کیا تمہاری کتاب انجیل میں یوحنا یہ نہیں کہتے کہ حضرت مسیح نے مجھے محمد ﷺ کے دین اور ان کی آمد کی خوشخبری دی ہے۔ وہ ان (حضرت مسیح) کے بعد ظہور کریں گے اور میں نے بھی حواریوں کو یہ خوش خبری سنائی اور انہوں نے بھی اس کو قبول کیا؟

جاثلیق: یوحنا اس مطلب کو مسیح سے نقل تو کیا ہے لیکن ان کے ظہور کے وقت کو معین نہیں کیا ہے۔

امامؑ: اگر کوئی انجیل جاننے والا ان عبارتوں کو من وعن پڑھے جو محمد ﷺ اور ان کے اہلبیتؑ کے بارے میں پائی جاتی ہیں، تو کیا تجھے قبول ہے؟

جاثلیق: ہاں یہ تو منطقی اور مدلل بات ہوگی۔

امامؑ: آپؑ نے نسطاس رومی سے فرمایا: کیا انجیل کی تیسری کتاب زبانی پڑھ سکتے ہو؟

کہا نہیں، پھر رأس جالوت سے سوال فرمایا۔ کہا جی ہاں مجھے حفظ ہے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا: میں انجیل کا کچھ حصہ پڑھتا ہوں اگر میرے دعوی کے مطابق ہو تو اس کی گواہی دینا ورنہ نا۔ پھر آپؑ نے انجیل کی تلاوت شروع کی اور جب پیغمبر اکرم ﷺ کے اسم گرامی پر پہنچے تو توقف فرمایا اور جاثلیق سے فرمایا: مسیح و مریم کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آیا میں انجیل کو زیادہ جانتا ہوں یا تم؟

جاثلیق: آپ زیادہ جانتے ہیں۔

امامؑ نے اسم محمد ﷺ کو پڑھا پھر فرمایا: اے نصرانی یہ ہمارے پیغمبرؐ کے بارے کہے ہوئے مسیح کا کلام ہے اگر تم اس کو جھٹلاؤ گے تو درحقیقت موسیٰ اور عیسیٰ کو جھٹلایا ہے اور اس صورت میں تم واجب القتل ہو جاؤ گے۔

جاثلیق، لاجواب ہوا اور مجبور ہو کر کہنے لگا: جو چیز انجیل میں ہے میں اس پر اقرار کرتا ہوں۔

امامؑ نے حاضرین سے فرمایا: اس کے اقرار پر گواہ رہنا! اس کے بعد جاثلیق سے مخاطب ہوئے۔ تمہارے مسیح میں جو نقص پایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ ان کے روزہ اور نماز میں کمی تھی۔

جاثلیق: افسوس کہ آپ نے اپنی علمیت پر پانی پھیر دیا۔ میں آپ کو عالم ترین شخص سمجھ رہا تھا۔

امامؑ: کیوں میں نے اپنے علم کو ضائع کیا؟

جاثلیق: اس بات کی وجہ سے جو آپ نے حضرت مسیح کے بارے میں کی ہے کیونکہ حضرت مسیح ہمیشہ روزہ اور نماز کی حالت میں ہی ہوتے تھے۔

امام: کس کی خاطر نماز اور روزے میں مشغول ہوتے تھے؟

جاثلیق: ابھی مطلب سمجھ گیا اور خاموش رہ گیا (کیونکہ اگر کہتا کہ خدا کے لئے تو یہ ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا جانتے ہیں) کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد امام سے پوچھا کون مردہ کو زندگی، بیمار کو صحت یابی اور نابینا کو بینائی عطا کرتا تھا؟ تو کیا ایسی ہستی بندگی کا مستحق نہیں؟

امام: الیسع بھی تو عیسیٰؑ کے مانند (باذن خدا) مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا، پانی کے اوپر راہ چلتا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے پیروکاروں میں کوئی ان کی خدائی کا قائل نہ ہوا؟ اسی طرح حضرت حزقیل نے ۳۵ ہزار نفر کو مرنے کے سات سال بعد زندہ کیا، حضرت ابراہیمؑ نے چار پرندوں کو مارنے کے بعد ان کے گوشت کو خوب مخلوط کر کے ان کے ٹکڑوں کو مختلف پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رکھا اور آواز لگائی تو وہ پرندے زندہ ہو کر ابراہیمؑ کی طرف پرواز کرنے لگے اسی طرح جب بنی اسرائیل کے ۷۰ نفر حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ تھے اور آسمانی بجلی کے نتیجے میں جل گئے، حضرت موسیٰؑ کے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے کی بدولت سب زندہ ہوئے۔ اے جاثلیق تم ان میں سے کسی کو رد نہیں کر سکتے ہو کیونکہ تورات، زبور اور قرآن میں ان تمام مطالب کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پس زندہ کرنا ہی خدائی کی دلیل نہیں ہے۔ اس صورت میں تمہیں چاہئے کہ ایک خدا کی بجائے متعدد خداؤں کی پرستش کرو۔

جاثلیق: (امامؑ کے استدلالوں کے مقابلے میں سرکوب ہوا اور عرض کیا) آپ کی باتیں صحیح اور منطقی ہیں کہ خدائے یکتا کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے۔

امام: جاثلیق کو مغلوب کرنے کے بعد راس الجالوت جو یہودیوں کا عالم تھا، سے فرمایا:

کیا تم نے تورات پڑھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: جب آخری زمانے کی امت آئے گی تو اس شخص کی پیروکار ہونا جو اونٹ پر سوار ہوگا اور وہ ہر وقت خدا کی تسبیح وستائش میں مشغول ہونگے۔

رأس الجالوت: جی ہاں میں نے پڑھا ہے۔

امام: نے جاثلیق اور رأس الجالوت سے فرمایا: کیا تم لوگوں نے انہی مطالب کو کتاب اشعیا میں پڑھا ہے جس میں وہ کہتا ہے: میں نے ایک ایسے شخص کی صورت کو دیکھا ہے جو گدھے پر سوار تھا۔ دیکھا کہ نور کے پردوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لیا ہے اور اسی طرح ایک شتر سوار کو بھی دیکھا جو چودھویں چاند کی طرح چمک رہا تھا؟

جاثلیق و رأس الجالوت: صحیح فرمارہے ہیں اشعیا نے ایسا ہی کہا ہے۔

امامؑ: جو گدھے پر سوار تھا حضرت عیسیٰ اور جو اونٹ پر سوار تھا حضرت محمد ﷺ تھے۔

رأس الجالوت: آپ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو کہاں سے ثابت کرتے ہیں؟

امامؑ: موسیٰ بن عمران، عیسیٰ بن مریم اور حضرت داؤد جو روئے زمین پر خلفائے خدا ہیں، نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی گواہی دی ہے۔

رأس الجالوت: موسیٰ بن عمران کی گواہی کو تورات سے ثابت کریں؟

امامؑ: اے یہودی! کیا تم جانتے ہو کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے اس کیفیت میں سفارش کی اور انہیں فرمایا: جلد ہی تمہارے بھائیوں میں سے ایک پیغمبر آنے والے ہیں کہ تمہیں ان پر ایمان لانا اور ان کی باتوں پر کان دھرنا چاہیے۔ کیا بنی اسرائیل کے، اولادِ اسماعیل کے علاوہ کوئی اور بھائی پایا جاتا ہے؟ اگر ہے تو بتادو؟

رأس الجالوت: البتہ یہ تو کلام موسیٰ ہے ہم اس کو رد نہیں کرتے۔

امامؑ: کیا برادرانِ بنی اسرائیل میں محمد ﷺ کے علاوہ کوئی اور پیغمبر آیا ہے؟

رأس الجالوت: نہیں۔

امامؑ: کیا یہ مطلب تمہارے نزدیک صحیح ہے؟

رأس الجالوت: البتہ صحیح ہے لیکن چاہتا ہوں اس کی صحت کو تورات سے ثابت کریں۔

امامؑ: کیا اس مطلب کو مانتے ہو جسے تورات بیان کر رہا ہے کہ: نورطور سینا کی پہاڑی سے آچکا اور کوہِ ساعیر سے ہمیں روشنی عطا کی اور کوہ فاران سے ہم پر آشکار ہوا؟

رأس الجالوت: میں اس بات کو جانتا ہوں لیکن اس کی تفسیر کا علم نہیں۔

امامؑ: میں ان کی تفسیر تجھ سے بیان کرتا ہوں:

پہلے جملے میں جو یہ کہا گیا کہ نورطور سینا کی پہاڑی سے آچکا ہے۔ اس سے مراد وہ وحی ہے جو خدا نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کی تھی۔ دوسرا جملہ کہ کوہِ ساعیر سے روشنی عطا کی، تو اس سے مقصود وہ پہاڑی ہے جہاں عیسیٰ بن مریم ٹھہر چکے تھے اور خدا نے وہیں ان پر وحی نازل کی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ 'نور کوہِ فاران سے ہم پر آشکار ہوا' تو فاران مکہ کے نزدیک ایک پہاڑی کا نام ہے کہ مکہ سے وہاں ایک روز سے زیادہ کی مسافت نہیں پائی جاتی۔

اس کے بعد فرمایا: کیا حبقوق نبی کے فرمان کو مانتے ہو جس کے بارے میں تمہاری کتاب میں ذکر ہوا ہے؟ اس نبی نے کہا: خداوند نے جبل فاران سے ایک بیان لایا اور سارے آسمان، احمدؐ اور آپ کی امت کی ستائش سے پر ہوئے یہاں تک کہ کہتے ہیں: اور بیت المقدس کی خرابی کے بعد ہمارے لئے ایک جدید کتاب لائے گا کہ کتاب جدید سے مراد قرآن مجید ہے۔

رأس الجالوت: جی ہاں یہ حبقوق نبی کا کلام ہے اور اس سے انکار نہیں کرتے۔

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۱، باب ۱۲

امام: اسی طرح، کیا تم داؤد نبی کے قول کو مانتے ہو جو زبور میں فرماتے ہیں: پروردگار! اس ہستی کو بھیج دے جو سلسلہ وحی کے قطع ہونے کے بعد سنت الٰہی کو قائم کرے گا تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے علاوہ کسی اور کو تم جانتے ہو جس نے سلسلہ وحی منقطع ہونے کے بعد سنت الٰہی کو برپا کیا ہو؟

راس الجالوت: بیشک یہ داؤد پیغمبرؑ کا بیان ہے اور اس کے منکر نہیں ہیں، لیکن اس کلام سے ان کا مقصود حضرت عیسیٰؑ ہیں کہ جن کا زمانہ ایام فترت میں تھا۔

امامؑ: کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ نے سنت "جدید" برپا نہیں کی بلکہ وہ تو سنتِ تورات کے موافق تھے یہاں تک کہ خدا ان کو عالم آسمان میں لے گیا اور انجیل میں بیان ہوا ہے: ابن البرّۃ (عیسیٰ) جانے والا ہے اور ان کے بعد فارقلیط (محمدؐ) آنے والے ہیں وہ ہر موڑ پر تفسیر کرتے ہوئے تمہارے لئے ہر چیز کو واضح و آسان کردیں گے اور وہ میری پیغمبری کی اسی طرح گواہی دیں گے جس طرح میں ان کی نبوت کی گواہی دے رہا ہوں۔ میں تمہارے لئے بہت سی مثالیں لا چکا ہوں اور وہ تمہارے لئے تاویلات لائیں گے۔ تو کیا تم اس مطلب کو قبول کرتے ہو جو (انجیل میں) لکھا گیا ہے؟

راس الجالوت، جو ہر طرف سے پھنس چکا تھا مجبور ہو کر کہنے لگا: جی ہاں ہم اس کے منکر نہیں ہیں۔

امامؑ: اس غرض سے کہ عالم یہودی کو بالکل ہی لاچار کردیں، فرمایا: کیا تمہارے پاس نبوت موسیٰؑ کو ثابت کرنے والی کوئی دلیل بھی ہے؟

راس الجالوت: میری دلیل یہ ہے کہ موسیٰؑ کچھ ایسے معجزات لے آئے ہیں جو ان سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں لائے۔

امام: مثلاً کونسا معجزہ؟

رأس الجالوت: مثلاً یہ کہ دریا کو شگافتہ کرنا، عصا کو اژدھا بنانا، لاٹھی مار کر پانی کو جاری کرنا اور لوگوں کو ید بیضاء (چمکتا ہوا ہاتھ) دکھانا وغیرہ۔

امام: یہ معجزے ان کی نبوت کی دلیل کے لئے صحیح ہے اس بات کے مطابق ہر کوئی جو ادعائے پیغمبری کرے اور کچھ معجزات دکھائے اس کو قبول کرنا چاہئے۔

رأس الجالوت: نہیں! ہم مجبور تو نہیں ہیں کہ جو کوئی کچھ بھی کہے اسے قبول کریں۔ یہ تو صرف حضرت موسیٰ کا شرف تھا کہ اپنے پروردگار سے اس قدر قربت رکھتے تھے۔

امام: تو پھر تم کیونکر موسیٰ سے پہلے کے پیغمبروں کو قبول اور ان کی پیغمبری کا اقرار کرتے ہو جبکہ انہوں نے نہ کسی دریا کو شگافتہ کیا ہے نہ ید بیضاء دکھایا اور نہ کسی عصا کو اژدھا بنایا؟

رأس الجالوت: (اپنی باتوں کے بے بنیاد ہونے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: میرا مقصد یہ ہے کہ جب پیغمبر اپنے ادعا کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا معجزہ لائے جو دوسرے نہ لاسکیں تو انہیں قبول کرنا چاہئے اگر چہ ان کے معجزات حضرت موسیٰ کے معجزوں کے علاوہ ہوں۔

امام: تو کیوں حضرت عیسیٰ کی پیغمبری کو قبول نہیں کرتے ہو جبکہ وہ بھی معجزات کے حامل تھے، مردوں کو زندہ کیا کرتے، اندھوں کو بینائی عطا کرتے اور گارے سے مرغی کی شکل بناتے اور اذن خدا سے اسے (فضا میں) اڑا دیتے تھے؟

رأس الجالوت: کہتے ہیں کہ وہ ایسے کام کیا کرتے تھے لیکن ہم نے تو دیکھا نہیں ہے۔

امام: تو کیا موسیٰ کے معجزوں کو دیکھا ہے؟ کیا ایسا نہیں کہ تم ان معجزات کو معتبر اور باوثوق راویوں سے سن چکے ہو؟

۲۔ فاطر/۳۲

رأس الجالوت: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

امام: اگر روایتوں اور احادیث کے ذریعے نبوت موسیٰ کا اقرار کرتے ہو تو عیسیٰ کی پیغمبری کے بارے میں بھی ایسی ہی روایتیں اور احادیث پائی جاتی ہیں تو پھر کیوں ان کو قبول نہیں کرتے ہو؟

رأس الجالوت، سے کچھ جواب نہیں بن پڑا اور خاموش رہ گیا۔

امام: اسی طرح ہے حضرت محمد ﷺ کی نبوت بھی کہ آپؐ بچپن میں یتیم ہوئے، چوپانی کیا کرتے تھے، کسی کے پاس پڑھا لکھا نہیں لیکن اس کے باوجود ایک ایسا قرآن لے آئے کہ جس میں گزشتہ پیغمبروں کے حالات بھی مذکور ہیں۔ بسا اوقات آپ لوگوں کے ان کاموں کے بارے میں بھی فرماتے تھے جو وہ اپنے گھروں میں کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات آپؐ سے رونما ہے ہیں۔

رأس الجالوت: عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کے موضوع نبوت ہمارے لئے ثابت نہیں ہوا ہے لہٰذا ان کی پیغمبری کا اقرار کر کے ان پر ایمان نہیں لا سکتے۔

امام: تو اس صورت میں دوسرے پیغمبروں (کہ جن میں موسیٰؑ بھی شامل ہیں) نے حضرت عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کی آمد کی خبر سنائی ہے سب جھوٹ ہوں گی؟

رأس الجالوت: پریشان ہوا اور سر نیچا کیا یوں تیسری دفعہ اس کی شکست سب پر ثابت ہوا۔ (کیونکہ اگر یہ کہتا کہ دوسرے پیغمبروں نے جھوٹ بولا ہے تو کفر کا مرتکب ہوتا۔)

امام رضاؑ نے جاثلیق اور رأس الجالوت کو شکست دینے کے بعد دوسروں کو بھی مختصر گفتگو میں لاجواب کر دیا کہ جن میں سے ایک ستارہ پرستوں کا رئیس عمران صابی تھا جس نے چند مناظروں میں شکست کھانے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس کے علاوہ سلیمان

مروزی جو زمانے کے ممتاز متکلمین میں سے تھا کو بھی آپؑ نے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔

مامون جو ان مناظروں کے اصل محرک تھا، امامؑ کے گہربار فرمودات سے بہرمند ہونے کے ساتھ ساتھ آپؑ کی قدرتِ نطق اور حاضر جوابی پر تعجب میں ڈوب گیا۔ جب امامؑ تمام حریفوں پر غالب آئے اور سبھی نے مل کر آپؑ کی علمی مقام و برتری کی گواہی دی تو وہ اپنے اندر احساس حقارت کرنے لگا اور دوسروں کی نگاہوں میں پائے جانے والی امامؑ کی عظمت و مرتبت سے وحشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ (۱)

ان مناظروں کی تفصیلات، احتجاج طبرسی اور عیون اخبار الرضاؑ میں نقل ہو چکی ہیں لیکن ہم اس کتاب کے اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کریں گے۔

ذیل میں ایک اور مناظرہ نقل کیا جاتا ہے جو بہت سے سبق آموز نکات پر مشتمل ہے اور جس میں خود مامون نے بھی شرکت کی تھی۔

۳۔ علمائے عراق و خراسان کے ساتھ مناظرہ

شیخ صدوقؒ نے ریان بن صلت سے نقل کیا ہے: مامون کی طرف سے تشکیل دی گئی مناظرے کی ایک مجلس میں، کہ جس میں امام رضا - اور مامون کے علاوہ چند علمائے عراق بھی شریک تھے، مامون نے علماء سے پوچھا کہ خدا کی اس آیت:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا. (پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث کتاب بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا۔ (۲)

میں برگزیدہ بندوں سے مراد کون ہیں؟

۱۔ نساء/۵۹

علماء نے کہا: ان سے مراد ہر ملت کے برگزیدہ بندے ہیں۔

مامون امام رضا ؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: یا اباالحسن آپ کیا فرماتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: میں ان کے عقیدے کو نہیں مانتا بلکہ خدا کے برگزیدہ بندوں سے مراد اہل بیت ؑ ہیں۔

مامون: کس دلیل سے اہل بیت ؑ مراد ہیں؟

امامؑ: اگر ان سے مراد ہر امت کے برگزیدہ افراد ہوں تو اس سے لازم آتا ہے کہ تمام امتیں بہشت میں داخل ہوں جبکہ خدا اس کے بعد فرماتا ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ. اوان میں سے بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض میانہ رو ہیں، اور بعض نیک کاموں کی طرف پہل کرنے والے ہیں(۱)

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرتے اور نیکی میں پہل کرتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں وارد بہشت ہوں گے۔ لہذا یہ وراثت صرف اہل بیت ؑ سے مختص ہے نہ اوروں کے لئے۔

مامون: عترت طاہرہ کون ہیں؟

امامؑ: وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیراً. بیشک خدا تو یہ چاہتا ہے کہ آپ اہل بیتؑ سے ہر قسم کی پلیدی دور کرے اور آپ لوگوں کا پاکیزہ بنائے۔(۲)

۱۔ فاطر/۳۲

۲۔ احزاب/۳۳

اور یہ رسول خدا کے اہل بیت ہیں جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے بھی اپنی وصیت میں فرمایا:

اِنّی تارِکٌ فیکُمُ الثّقلَین کتابَ اللہ وَ عِترَتی ... بیشک میں تمہارے درمیان دو سنگین چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتابِ خدا اور میری عترت...

علماء نے پوچھا: یا اباالحسن کیا عترت سے مراد آلِ رسولؐ ہیں یا غیر آلِ رسول؟

امامؑ: آلِ رسولؐ مراد ہے۔

علماء: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ میری امت میری آل ہے اور یہ تو حضورؐ کے اصحاب ہیں لہٰذا اس خبر ''معروف'' جو نا قابلِ انکار ہے کے مطابق آلِ پیغمبرؐ سے مراد آپ کی امت ہے۔

امامؑ: ذرا بتاؤ تو صحیح کہ صدقہ آلِ پیغمبرؐ پر حرام ہے یا حلال؟

علماء: حرام ہے۔

امامؑ: تو امت پر کیسے؟

علماء: حلال ہے۔

امامؑ: یہی فرق ہے امت اور آل میں۔ کیا وجہ ہے کہ تم لوگ قرآن سے پہلوتہی کرتے ہو یا یہ کہ تم تجاوز کرنے والے ہو؟ کیا تمہیں اتنا بھی علم نہیں کہ روایت کا ظاہری (خدا کے) برگزیدہ اور ہدایت یافتہ افراد پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے تو اس سے بے بہرہ ہیں؟

علماء: یا اباالحسن کہاں سے یہ مطلب ثابت ہے؟

امامؑ: خداوند قرآن میں فرماتا ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحاً وَّ اِبْراهیمَ وَ جَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْکِتابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَ کَثیرٌ مِنْهُمْ فاسِقُونَ. ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی ذریّت میں نبوت اور کتاب کو قرار دیا کہ ان

میں سے بعض ہدایت پانے والے اور بعض فاسق ہیں (۱)

پس ثابت ہوا کہ وراثت و نبوت ہدایت یافتہ افراد کے لئے ہے نہ فاسقوں کے لئے چنانچہ حضرت نوح نے جب خدا سے درخواست کی کہ میرے بیٹے کو نجات عطا کر تو ارشاد ہوا: اِنَّہ لَیسَ مِنْ اَھلِکَ اِنَّہ عَمَلٌ غَیرُ صَالِحٍ. وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ برے عمل کا مالک ہے۔ (۲)

مامون نے پوچھا: کیا عترت نبیؐ کو دوسرے لوگوں پر کوئی فضیلت دی ہے؟

امامؑ: خداوند نے اہلبیتؑ کی فضیلت کو اپنی محکم کتاب میں یوں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ اللهَ اصْطَفیٰ آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ اِبْرَاهِیمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِینَ ذُرِّیَّةً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ. بے شک خدا نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو عالمین میں برگزیدہ کیا ہے اور وہ ایک دوسرے کی ذریت ہیں۔ (۳)

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اَمْ یَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلی مَا آتَاھُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَیْنَا آلَ اِبْرَاهِیمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَآتَیْنَاھُمْ مُلْکاً عَظِیماً. یا یہ کہ وہ خدا کی طرف سے عطا کی گئی فضیلت پر حسد کرتے ہیں یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ایک عظیم سلطنت بھی انہیں عطا کی۔ (۴)

پھر خدا مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا

۱۔ حدید/۲۶

۲۔ ہود/۴۶

۳۔ آل عمران/۳۴

۴۔ نساء/۵۴

اَطِیعُو اللّٰہَ وَاَطِیعُو الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنکُمْ ۔ اے ایمان لانے والو تم خدا اور اس کے رسول اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔(۱)

تو یہاں صاحب امر سے مراد وہی ہیں جن کو کتاب وحکمت ارث میں ملی ہیں اور انہی دو چیزوں کی وجہ سے دوسروں کو حسد ہوا ہے۔

علماء: کیا خدا نے لفظ ''اصطفیٰ'' کی قرآن میں تفسیر کی ہے؟

امامؑ: خدا نے قرآن میں اس کے باطنی معنی کے علاوہ ۱۲ مقامات پر لفظ اصطفیٰ کی ظاہری تفسیر بھی کی ہے جو یہ ہیں:

۱۔ آیہ انذار....(شعراء/۲۱۴)

۲۔ آیہ تطہیر....(احزاب/۳۳)

۳۔ آیہ مباہلہ...(آل عمران/۶۰)

۴۔ آیہ سدّ ابواب مسجد...(یونس/۸۷)

۵۔ آیہ وَآتِ ذَالْقُرْبیٰ حَقَّہٗ ۔(اسراء/۲۸)

۶۔ آیہ قُلْ لاَ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلاَّ الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ (شوریٰ/۲۳)

۷۔ آیہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ ۔(احزاب/۵۶)

۸۔ آیہ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی الْقُرْبیٰ (انفال/۴۲)

۹۔ آیہ فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُون ۔(انبیاء/۷)

۱۰۔ آیہ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ وَبَنَاتُکُمْ ....(نساء/۲۳)

۱۔ نساء/۵۹

۱۱. آیہ وقال رجلٌ مؤمنٌ من آلِ فرعون...... (مومن/۲۸)

۱۲. آیہ وامُرْ اھلک بالصّلواۃ. (طٰہٰ/۱۳۲)

مذکورہ بالا آیتوں سے متعلق امام - کے بیانات کی تفصیل کتاب کی گنجائش سے خارج ہے لہذا ہم ان میں سے صرف چند ایک کی ہی شرح بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

امام نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ پر آیت: وَآتِ ذی القُربی حَقَّہ. (اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو) نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ☆ کو طلب فرمایا: یہ باغ فدک ہے جو جنگ میں غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے اور اس سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے تو میں اس کو تجھے بخش دیتا ہوں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے مجھے امر فرمایا ہے کہ میں اس کو تجھے اور تیرے بچوں کو بخشدوں۔ لہذا آنحضرتؐ کے قرابتداروں کو خاص فضیلت حاصل تھی کہ خدا نے دوسروں پر ان کو ترجیح دی اور انتخاب فرمایا۔

نیز آیت: قُلْ لا اَسئَلُکُمْ عَلَیہِ اَجراً اِلّا المَوَدَّۃَ فِی القُربیٰ (اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میں تم سے سوائے قرابتداروں سے محبت کے کوئی اور اجر نہیں مانگتا) بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے ایک خاص شرف ہے جو آپؐ کو دوسرے انبیاء پر حاصل ہے۔ نیز یہ آیت آپؐ کی آل کے لئے بھی تمغہ فضیلت ہے کیونکہ انبیائے ماسلف اس شرف سے بہرہ مند نہ تھے چنانچہ نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: یَا قَوْمِ لَااَسئَلُکُمْ عَلَیہِ ما لاً اِنْ اَجرِیَ اِلّا عَلَی اللہِ. (لوگو! میں تبلیغ رسالت کی پاداش میں تم سے دولت نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف خدا پر ہے)۔

اسی طرح حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: لَااَسئَلُکُمْ عَلَیہِ اَجراً اِنْ اَجرِیَ

اِلّا علی الّذی فطرنی افلا تعقلون؟ (میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو وہ عطا کرے گا جس نے مجھے خلق فرمایا ہے تو کیا تم بوجھتے نہیں ہو؟)

امام نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! خدائے تعالیٰ نے میرے بارے میں تم پر ایک کام کو واجب کر دیا ہے تو کیا تم اس کو انجام دو گے؟

ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا: لوگو! یہ کام سونا اور چاندی سے متعلق نہیں ہے کہ جس کی ادائیگی تم پر شاق ہو پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے جواب دیا جی ہاں! ہم قرابتداروں سے محبت کریں گے لیکن بعد میں اکثر نے اس واجبی فریضے پر عمل نہ کیا۔

خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کو وہ امر فرمایا کہ اپنی قوم سے اجر رسالت نہ مانگیں کیونکہ پیغمبروں کا اجر و پاداش صرف خدا کے عہدے پر ہے۔ لیکن صرف محمد صلی اللہ علیہ و آلہ کو حکم فرمایا کہ اجر رسالت کے عنوان سے اپنے قرابت داروں کی محبت کو امت پر واجب قرار دے اور یہ مودت اور محبت صرف ائمہ معصومین اور اہل بیت اطہار ؑ سے مخصوص ہے۔ ایک اور آیت میں پروردگار فرماتا ہے:

وَاعْلَمُوْ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبیٰ...

اس آیت میں خداوند نے اپنے اور اپنے رسول کے حصے کو ذوی القربیٰ کے حصے کا قرین قرار دیا ہے جو کہ امت اور اہل بیتؑ کے درمیان پائے جانے والے فرق کو واضح

۲۔ مائدہ/۶۷

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۱ باب ۲۳

کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ارفع مقام پر قرار دیا ہے اور باقی سبھی لوگوں کو ان سے پرلے مرتبے میں قرار دیا ہے، اور جو کچھ اپنے لئے پسند کیا ہے آلِ رسولؑ کے لئے بھی پسند فرمایا ہے یوں انہیں دوسروں سے برگزیدہ قرار دیا ہے۔

پروردگار نے پہلے اپنا نام لیا ہے پھر اپنے رسولؐ کا اور اس کے بعد ذوی القربیٰ کا ذکر کیا ہے اور مال غنیمت اور جنگی اموال وغیرہ میں سے جو کچھ اپنے لئے ذکر کیا ہے ان کے لئے بھی قرار دیا ہے اور اس ذات کا فرمان حق پر مبنی ہوتا ہے (یہ بات جان لینی چاہئے کہ جو بھی مال غنیمت وغیرہ پاؤ گے ان میں سے پانچواں حصہ خدا، رسولؐ اور ذوی القربیٰ کے لئے ہوگا) اور خدائے تعالیٰ کا یہ قول ان کے لئے کتاب ناطق میں قیامت تک رہنے والا ایک شدید اور دائمی حکم ہے ایک ایسی کتاب میں پائے جانیوالا حکم جس میں کہیں سے بھی باطل راہ نہیں پاسکتا اور جو خدائے دانا کی جانب سے نازل ہو چکی ہے۔

لیکن آیت کے آخر میں جو یتیموں اور مساکین کو مقید کیا ہے (یعنی ان کا حصہ دائمی اور ہمیشہ کیلئے نہیں ہے کیونکہ) یتیم جب سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے، مال غنیمت کے مصرف سے خارج ہو جاتا ہے پھر وہ مزید حصہ نہیں پاسکتا اسی طرح مسکین اور فقیر بھی جب تنگدستی ان سے دور ہو جائے تو وہ مزید مال غنیمت کے حقدار نہیں ٹھہرتے۔ لیکن جو ذوی القربیٰ کا حصہ ہے تو وہ قیامت تک ان کے لئے ہے چاہے وہ توانگر و بے نیاز ہوں یا محتاج و نادار، کیونکہ اس کے باوجود کہ کوئی خدا اور اس کے نبی سے زیادہ غنی نہیں ہو سکتا، خداوند نے اپنے اور اپنے رسولؐ کے لئے ایک خاص حصہ معین کیا ہے اور جو کچھ اپنے اور اپنے رسولؐ کے لئے پسند فرمایا ہے ذوری القربیٰ کے لئے بھی پسند فرمایا ہے اسی طرح مال غنیمت وغیرہ میں سے بھی جتنا اپنے لئے پسند کیا ہے ان کیلئے بھی پسند فرمایا ہے چنانچہ آیت میں واضح ہے کہ پہلے

خود سے شروع کیا پھر اپنے رسولؐ اور اسکے بعد ذوی القربیٰ کا تذکرہ کر کے ان کے حصے کو اپنے اور اپنے رسولؐ کے حصے کا قرین بنایا۔

اسی طرح آیت طاعت میں بھی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

یا ایُّھاالَّذینَ آمنو اَطیعُوا اللہ وَاَطیعُو الرَّسولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْکُمْ.

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اور تم میں جو صاحب امر ہے اس کی اطاعت کرو۔(۱)

اس آیت میں پہلے اپنا تذکرہ فرمایا ہے پھر رسول کا اور اس کے بعد انکے اہل بیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی طرح آیت ولایت میں **اِنّما وَلیکُمُ اللہ وَرَسُولُہُ وَالَّذینَ آمنو**... (تمہارے ولی وسرپرست صرف خدا، اس کے رسول اور وہ ہیں جو ایمان لے آئے)(۲) میں بھی اہل بیتؑ کی اطاعت کو اپنے رسول کی اطاعت کا قرین قرار دیا ہے جس طرح مال غنیمت وغیرہ میں انکے حصہ کو اپنے اور اپنے رسولؐ کے حصے کا قرین بنایا تھا، سبحان اللہ کس قدر اس خاندان پر خدا کی نعمتیں عظیم ہیں۔

لیکن چونکہ صدقہ کا ذکر ہوا تو ذات عزّہ نے اپنے ذکر کو اس سے بری اور منزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: **اِنَّما الصَّدقاتُ لِلْفُقراٰ وَلْمَساکینِ وَالْعامِلینَ عَلَیْھا وَالْمُئولَّفَةِ قُلُوبُھُمْ وَفِي الرِّقابِ وَالْغارِمینَ وَفی سَبیلِ اللہ وَابْنِ السَّبیلِ فَریضَةً مِنَ اللہ.**

صدقات، صرف فقیروں، مسکینوں اور ان کو اکٹھا کرنے والوں اور دوسرں کو (اسلام کی

طرف) رغبت و الفت دلانے والوں کے لئے ہیں نیز غلاموں (کی آزادی)، راہ خدا (میں خرچ کرنے) اور مسافروں کے لئے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔(۱)

تو کیا اس میں سے خدا اپنے یا اپنے رسول اور ذوی القربیٰ کے لے کوئی نصیب مقرر کرسکتا ہے؟

حق تعالیٰ نے خود کو اور اپنے رسول اور اس کے اہل بیتؑ کو نہ صرف صدقے سے مبرّا رکھتے ہوئے اس میں سے کوئی حصہ مقرر نہیں کیا بلکہ اسے حرام قرار دیا ہے بنا بر این صدقہ محمدؐ وآل محمد پر حرام ہے کیونکہ یہ ہستیاں ہر قسم کے میل کچیل اور گندگیوں سے دور ہیں چونکہ خداوند نے انہیں پاک و پاکیزہ اور برگزیدہ بنایا ہے اور ان کے لئے ہر اس چیز کو پسند کیا ہے جو خود کو پسند کیا اور ہر اس چیز کو ان کے لئے ناپسند کیا ہے جو اپنے لئے ناپسند کیا ہے۔

لفظ ''اصطفیٰ'' کی تفسیر کے سلسلے میں ایک اور آیت، آیتِ تحریم ہے کہ فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ... (تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں اور بہنیں حرام قرار دی گئی ہیں(۲)

امامؑ نے فرمایا: مُسن سے کہدو کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو کیا آپؐ میری بیٹی یا نواسی یا میری نسل سے آنے والی ہر (بیٹی) سے شادی کر سکتے تھے؟ علماء نے جواب دیا: نہیں

امامؑ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی کی بیٹی لے سکتے تھے؟

۱۔ توبہ/۶۰

۲۔ نساء/۲۲

کہا: جی ہاں

امام: یہی موضوع اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ان کی آل ہیں اور تم ان کی آل میں سے نہیں ہو۔ اگر تم بھی ان کی اولاد میں سے ہوتے تو تمہاری بیٹیاں بھی ان پر حرام ہوتیں جس طرح میری بیٹیاں ان پر حرام ہیں۔ مقصد یہ کہ ہم ان کی آل ہیں اور تم آنحضرت کی امت ہو اور ان دونوں میں واضح فرق پایا جاتا ہے کہ آل ان کی نسل میں سے ہے اور امت ان کی نسل اور اولاد میں سے نہیں ہوتی۔

مجلس مناظرہ ختم ہونے کے بعد مامون اور علماء نے کہا: اے ابوالحسن خدا آپ اہل بیت کو جزائے خیر عطا کرے کہ جب بھی کوئی چیز ہم پر مشتبہ ہوتی ہے تو آپ لوگوں کے سوا کوئی اور اس کی وضاحت نہیں کرسکتا۔(۱)

امام۔ نے مرو میں اپنے قیام کے دوران مذکورہ مناظروں کے علاوہ خود مامون اور دیگر مذاہب کے علماء کے ساتھ بھی بحث و مذاکرے کیے ہیں جن کی تفصیل تاریخی کتب میں پائی جاتی ہے۔ ہم اس بحث کو یہیں پر ختم کردیتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ جب امام رضا ؑ مرو میں قیام فرمارہے تھے تو دوسرے شہروں میں کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔

....

۱۔ زندگی حضرت علی بن موسیٰ الرضا - تالیف، سحاب ج ۲ ص ۱۳۶

شورش بغداد

جب مامون کے دستور پر امام ہشتم ؑ کی ولیعہدی کی اطلاع دوسرے تمام اسلامی شہروں میں پہنچائی گئی تو بہت سے لوگوں نے مامون کے اس دستور کو قبول نہ کیا جبکہ مدینہ جیسے بعض شہروں میں اس کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ لیکن بغداد جو نیا نیا بس چکا تھا اور عباسیوں کا مرکزِ حکومت تھا، میں بنی عباس کے سرکردوں کے ابھارنے پر نہ صرف اس دستور سے سرپیچی کی بلکہ وہ (چند لوگوں کے علاوہ جو ائمہ ؑ کے طرفدار تھے) مامون کی مخالفت کے درپے ہوئے اور اسے خلافت سے برکنار کرتے ہوئے اس کے چچا ابراہیم بن مھدی کی بیعت کر لی۔

مامون کے ساتھ بنی عباس اور بغدادیوں کی مخالفت کا سبب، مامون کی طرف سے انجام پانے والے حسب ذیل امور ہو سکتے ہیں:

ا۔ امین کا مر جانا اور اس کی ماں زبیدہ کے ساتھ کی جانے والی بے اعتنائی، جو امین کی ماں ہونے کے علاوہ بنی عباس کے مشہور اور بارسوخ عورتوں میں سے تھی۔

۲۔ عرب قوم پر ایرانیوں کو دیجانے والی ترجیح، کیونکہ مامون خراسانیوں کو اپنے حامی اور پشت پناہ جانتے ہوئے دارالحکومت کو بغداد سے مرو میں منتقل کر چکا تھا۔

۳۔ ہرثمہ بن اعین کا قتل جو اہل بغداد کی سرکشی اور سپاہیوں کی بغاوت کا سبب بنا اور سرانجام حسن بن سہل کو جو عراق میں مامون کی طرف سے حاکم تھا، شہر بدر کردیا گیا اور چونکہ حسن اس علاقے میں امن قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا لہذا ہر طرف فتنہ وفساد کا بازار گرم رہ جاتا تھا۔ فساد ومفاد پرست لوگ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر مختلف طریقوں سے لوگوں سے ان کے اموال کی حفاظت کے بدلے میں ٹیکس لیتے تھے جس کی وجہ سے شہریوں میں ایک قسم کی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔

۴۔ فضل بن سہل کو وزارت پر اور اس کے بھائی حسن کو عراق کی حکومت پر منصوب کرنا خصوصاً مامون کی طرف سے فضل بن سہل کو بہت زیادہ اختیار کا مالک بنانا، جو بغدادیوں بالخصوص بنی عباس میں نفرتیں پھیلنے کا موجب بنا، جس کی بنا پر مامون ہمیشہ حسن بن سہل کے ساتھ مخالفت اور نزاع میں الجھا رہا۔

۵۔ سب سے اہم موضوع امام رضا -کی ولایت عہدی کا مسئلہ تھا بلکہ اسی کو ہی بنی عباسیوں کی بغاوت کا بنیادی سبب قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ انکا کہنا یہ تھا کہ مامون نے امامؑ کی اس ولیعہدی کے ذریعے خلافت کو بنی عباس سے خاندان علیؑ کی طرف منتقل کیا ہے۔

سرانجام بنی عباس، امام رضا -کی ولایت عہدی کی وجہ سے علویوں کے نفوذ کا سوچ کر وحشت زدہ ہوئے اور مامون کی شدید مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی سرداری کو قائم رکھنے کی خاطر بلا تاخیر مامون کا چچا ابراہیم بن مہدی کی خلافت پر بیعت کرلی اور

اپنے خیال میں مامون کو خلافت سے معزول کر کے حسن بن سہل کو دوبارہ بغداد سے نکال دیا۔

ابراہیم پیشرفت کر رہا تھا اور فضل بن ربیع بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا یوں آہستہ آہستہ دوسرے شہروں میں بھی وہ لوگوں کو اپنی اس تحریک میں شرکت کی دعوت دینے لگے۔

حسن بن سہل اپنے مہم آگے بڑھانے اور بھائی کے منصوبے کو مضبوط بنانے کے لئے اس آشوب کی آگ کو بجھا دینا چاہتا تھا اسی وجہ سے اس نے اپنی سپاہیوں کو لے کر ابراہیم بن مہدی اور اس کے طرافیوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی لیکن ہر بار ابراہیم کا لشکر حسن کی سپاہیوں کو شکست دیتا رہا اور حسن اس معاملے میں حیران و سرگردان رہا۔ کبھی ''واسط'' جانا چاہتا تھا اور کبھی کوفہ کے بارے میں فکر کرتا تھا کہ اہل کوفہ کا شیعوں کی طرف زیادہ رجحان پایا جاتا ہے لہذا ممکن ہے کہ انہیں اپنے مہم میں ملا لیا جائے اسی غرض سے اس نے کوفہ کی حکومت کو عباس بن موسیٰ (برادر امام رضا ؑ) کے حوالے کر دیا اور اسے یہ دستور دیا کہ لوگوں کو مامون اور اس کے برادر علی بن موسیٰ الرضا ؑ کی طرف بلائے اور ایک ہزار درہم بھی فوجی امداد کے طور پر اسے دیتے ہوئے کہا: اپنے بھائی علی (بن موسیٰ الرضا ؑ) کی حمایت میں جنگ کرو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

لیکن حسن بن سہل اس نکتے سے غافل تھا کہ کوفہ جیسے شہر میں کہ جس کے باشندوں میں منافقت اور دورنگی بھری ہوئی تھی، عباسیوں اور علویوں کے خاندانوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ اہل کوفہ پہلے سے علویوں کی طرف سے حسن کی حاکمیت کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے بلکہ اس کی مخالفت کر رہے تھے اور اسے مامون کی طرف سے بھیجا ہوا ایک ذمہ دار شخص گردانتے تھے اسی سبب سے کوفے میں بھی بغداد کی طرح شورش و فساد برپا

ہوا۔(۱)

آہستہ آہستہ اس شورش کے شعلے بصرہ جیسے شہروں تک بھی پھیل گئے حتیٰ کہ عراق سے باہر شہروں کو بھی اس آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان تمام حالات کے بارے میں حسن بن سہل یا خراسان کی طرف جانے والے دوسرے لوگوں کے ذریعے فضل بن سہل کو رپورٹ دیا جاتا تھا لیکن فضل مامون کو ان حالات و واقعات میں سے کسی کے بارے میں بھی مطلع نہیں کیا کرتا تھا یوں اسے عراق اور حجاز کے حالات سے بالکل بے خبر رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ اہل عراق کی اپنی وزارت سے ناراضگی اسی طرح اپنے بھائی کی شورشوں کے خاتمے میں ناکامی کو مامون کے کانوں تک پہنچانا نہیں چاہتا تھا اور دوسرے افراد بھی جوان شہروں کے اوضاع سے آگاہ تھے، فضل کے ڈر سے مامون کو اطلاع نہیں دیتے تھے۔

لیکن حضرت امام رضا -بغداد اور بعض دیگر شہروں میں برپا ہونے والے تمام آشوب وفساد سے مکمل باخبر تھے اور آپؑ مشاہدہ فرما رہے تھے کہ فضل اس سلسلے میں حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے مامون کو اسلامی شہروں کے حالات سے بے خبر رکھا ہوا ہے، تو آپؑ نے اپنی ملکوتی اور خلاقی کردار کی بنیاد پر اس سلسلے میں خاموشی کو جائز نہ جانتے ہوئے مامون کو بغداد کی شورش سے آگاہ کر دیا۔

ایک روز آپؑ مامون کی مجلس میں تشریف فرما تھے، مامون نے اس حوالے سے کہ اسے مشرکوں کے بعض علاقوں پر اپنی سپاہیوں کی فتح یابی کی خبر پر مشتمل ایک خط ملا تھا اور آپ -کو اس خوشخبری سے خوشحال کرانا چاہتا تھا لہذا جب آپؑ مامون کے محل سے نکلنے لگے تو مامون نے آپؑ سے تقاضا کیا کہ اس خوشخبری کے سلسلے میں ذرا تامل کریں اور پھر

بشاشت کے ساتھ اس خط کو پڑھیں۔ حضرت نے فرمایا: کیا تم مشرکوں کے چند علاقوں پر فتح پانے پر خوش ہو؟

مامون نے کہا: تو کیا ایسی خوشخبری پر خوش نہیں ہونا چاہیے؟

امام - نے فرمایا: اے امیر المومنین، امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کے بارے میں خدا سے ڈرو کیونکہ تم نے مسلمانوں کے معاملے میں نہایت کوتاہی کرتے ہوئے ان کے کاموں کو ایسوں پر چھوڑا ہے جو خدائے عز وجل کے احکام کے مطابق لوگوں کے ساتھ سلوک نہیں کرتے۔ تم مدینہ جیسے شہر کو چھوڑ چکے ہو جو سرزمین ہجرت اور مرکز وحی ہے، اور تمہارے دور میں انصار و مہاجر دوسروں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں یوں کبھی کسی قسم کے حق اور عہد و پیمان کی رعایت نہیں ہوتی۔ ناداروں اور مظلوموں کے دن بہت دشواریوں اور سختیوں میں گزر رہے ہیں وہ اپنی معاش کے سلسلے میں بے بس و ناتوان ہو چکے ہیں اور کسی ایسے شخص کو بھی نہیں پاتے جو ان کی فریاد پر پہنچے۔ تو اس قسم کے حالات سے تم بے خبر ہو اور امت تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

پس اے خلیفہ! مسلمانوں کے بارے میں خدا کا خوف کھاؤ اور مرکز نبوت کی طرف لوٹ جاؤ جو کہ انصار و مہاجرین کی پناہ گاہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا فرمانبردار خیمے کے ستون کے مانند ہیں؟

طبری لکھتے: فضل بن سہل مامون کو (مسلمانوں کے) حالات سے بے خبر رکھا ہوا تھا، لیکن امام رضا - نے بغداد، کوفہ اور بصرہ کے انقلاب سے اُسے آگاہ کر دیا اور فرمایا: بغداد میں لوگوں نے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی ہے۔ مامون نے کہا: فضل نے اطلاع دی ہے کہ لوگوں نے ابراہیم کی، میرے نمائندے کے طور پر بیعت کی ہے۔

حضرت رضا - نے فرمایا: فضل نے خیانت کرتے ہوئے جھوٹ بولا ہے کیونکہ حسن بن سہل اور ابراہیم کے درمیان جنگ ہوئی ہے اور اگر تمہاری نمائندگی میں بیعت ہوئی ہوتی تو ان کے درمیان جنگ نہ چھڑتی۔ مجھے ولیعہد بنانے پر لوگ فضل کی وزارت اور حسن کی حکومت کے بارے میں تم سے ناراض ہو چکے ہیں۔

مامون نے پوچھا: کیا سپاہیوں میں سے بھی کوئی اس بات سے آگاہ ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں! یحییٰ بن معاذ، عبداللہ بن عمران اور دیگر بعض سپاہی بھی اس سلسلے میں خبر رکھتے ہیں۔

مامون نے ان سب کو بلوایا اور پوچھا کیا تم لوگ حالات سے آگاہ ہو؟

پہلے تو وہ حالات بیان کرنے میں پس وپیش کرتے رہے یہاں تک کہ مامون نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک امن نامہ لکھ کر دے دیا کہ فضل بن سہل کو پتہ چلنے کی صورت میں یہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں گے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کے راز کو فاش نہیں کریگا۔

اس پر انہوں نے مامون کو ان تمام واقعات سے آگاہ کیا جو امام - نے بیان فرمائے تھے اور یہ بھی کہا کہ سپاہیوں کے کمانڈر اب خلیفہ سے کدورت رکھنے لگا ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: علی بن موسیٰ الرضاؑ نے مامون کو ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیا جو عراق میں امین کے قتل کے سلسلے میں پیش آئے تھے اور جن کو فضل ان سے چھپانا چاہتا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: بنی عباس تم پر خشمگین ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ (انہوں نے تمہاری بیعت توڑ کر) ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی۔

مامون نے یہ سن کر کہا: انہوں نے بیعت نہیں کی ہے بلکہ بقول فضل اس کو اپنا امیر بنایا

ا۔ خلافت ہارون کے دور میں محمد بن جعفر (امام رضا - کے چچا) نے مدینے میں قیام کیا تو ہارون نے جلودی کو ان

ہے تا کہ اس کے حکم پر عمل کریں۔ حضرت نے فرمایا: فضل جھوٹ بول رہا ہے اور اب بھی ابراہیم اور حسن کے درمیان فضل اور اس کے بھائی کو تیرے نزدیک مقام ملنے پر جنگ جاری ہے اسی طرح میری ولی عہدی پر بھی ناراض ہیں۔

مامون نے کہا: کیا کوئی اور بھی ان واقعات کو جانتا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: یحیٰ بن معاذ، عبد اللہ بن عمران اور دیگر بعض سپاہی بھی ان حالات سے آگاہ ہیں۔ مامون نے انہیں بلوایا جائے۔ پھر جب مامون نے انہیں امان دیا تو انہوں نے انہیں باتوں کو دہرایا جو امام بیان فرما چکے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہرثمہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ خلیفہ کو حالات سے آگاہ رکھا جائے۔

مامون نے فضل بن سہل کو بلا کر اس سے جواب طلبی کی: کیونکر مجھے اب تک حالات سے بے خبر رکھا؟

فضل نے وہی سابقہ بات دہرائی کہ اہل بغداد نے ابراہیم کو اپنا امیر بنادیا ہے نہ خلیفہ۔ اور دوسری طرف سے میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان حوادث کا امیر المومنین سے تذکرہ کر کے ان کے ذہن کو پریشان اور مضطرب کروں، بلکہ میں خود ان مسائل کو حل کرنے کے درپے تھا اور اس انتظار میں تھا کہ جیسے ہی یہ اختلافات ختم ہو جائیں ساری تفصیلات کو خلیفہ کی خدمت میں پیش کروں۔

مامون اس بات کو خوب سمجھتا تھا کہ فضل کی باتوں کو ماننا اور اس کو زیادہ اختیارات دینا ہی شورش و فسادات کا بنیادی سبب تھا اور وہ فضل بن سہل کی اس حرکت پر کہ اس کو حالات اور حوادث سے بے خبر رکھا تھا، اس کی نسبت بدگمان ہوا لیکن ظاہر میں کوئی ایسا کام نہ کیا جو اس بدگمانی کی نشاندہی کرے۔

بغداد کی شورش سے آگاہ ہونے کے بعد مامون نے امام رضا - سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

میری رائے یہ ہے کہ تم یہاں سے نکل کر اپنے باپ دادا کے مقام (مدینہ) کی طرف لوٹ جاؤ اور مسلمانوں کے امور کو سنبھال لو۔ ان کے معاملات کو دوسروں کے حوالے مت کرو کیونکہ تمہارے اس اختیارات اور حکومت کے بارے میں خدا تم سے مواخذہ فرمائے گا اور تم ہی ان معاملات کا جوابگو ہو گے۔

مامون نے کہا: کیا خوب فرمایا آپ نے، اے میرے آقا! صحیح اور درست رائے بھی یہی ہے۔ اس کے بعد اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سفر کے ساز و سامان مہیا کر کے روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

جب ذوالریاستین (فضل بن سہل) مامون کے ارادے سے آگاہ ہوا، تو بہت پریشان اور غمگین ہوا کیونکہ وہ مرو میں تمام امور کو اپنے ہاتھوں میں لے چکا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ مامون کے جانے کے بعد اس کی سرنوشت بدل کر رہ جائے گی مخصوصا اس بارے میں کہ اب مامون مزید اس کی رائے کو اہمیت نہیں دیں گے۔ چونکہ اس کا عقید یہ تھا کہ مامون نے امام رضا - کے مشورے پر یہ فیصلہ کیا ہے، لہذا اس کے دل میں امام - کے بارے میں کدورت پیدا ہو گئی اور اسی حال میں مامون کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! یہ آپ نے کیسا فیصلہ کیا ہے؟ مامون نے کہا میرے آقا ابوالحسن نے مجھے اس سلسلے میں راہنمائی فرمائی ہے اور یہ انہیں کی رائے ہے۔

فضل نے کہا: اس کام میں مصلحت نہیں ہے کیونکہ آپ نے کل ہی اپنے بھائی امین کو قتل کر کے اس سے خلافت کو چھین لیا ہے (جس پر) آپ کے بھائی آپ کے دشمن بن

کے ساتھ جنگ لڑنے کیلئے بھیجا اور یہ حکم دیا تھا کہ فتح کی صورت میں اس کو قتل کر کے علویوں کے گھروں کو لوٹ لو اور خواتین کے زیورات کو چھین کر انکے جسم پر صرف ایک پیراہن کے سوا کچھ باقی نہ رکھے۔ جلودی جو ذاتا ایک خبیث

چکے ہیں نیز اہل عراق اور بنی عباس، ولیعہدی کو ابوالحسنؑ کے حوالے کرکے اس کو اپنے باپ کے خاندان سے خارج کرنے پر آپ سے ناراض ہیں اسی طرح آل عباس کے علماء اور فقہاء اور دوسرے لوگ بھی آپ سے نفرت کرنے لگے ہیں لہذا بہتر یہی ہے کہ خراسان میں ہی ٹھہر جائیں تا کہ حالات معمول پر آجائیں اور ان کے ذہنوں سے قتل امین کا واقعہ جاتا رہے۔ یہاں خراسان میں بہت سے تجربہ کار اشخاص موجود ہیں جو زمانے کے حالات اور نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ ہیں اور وہ آپ کے والد کے خدمتگوار رہ چکے ہیں۔ لہذا آپ اس سلسلے میں ان سے بھی مشورہ کرسکتے ہیں اور پھر جو کچھ آپ کی رائے میں آئے اسی پر عمل کریں۔

مامون نے پوچھا: یہ لوگ کون ہیں جو تم کہہ رہے ہو؟

فضل نے کہا: جیسے علی بن عمران اور ابن یونس جلودی وغیرہ (چنانچہ پانچویں فصل میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے امام رضا -کی بیعت نہیں کی تھی اور مامون کے حکم پر قید کردئے گئے تھے)۔

مامون نے کہا: بہت اچھے میں اس بارے میں پھر سوچوں گا۔

دوسرے دن امام رضا -مامون کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا فیصلہ کر چکے ہو؟ مامون نے فضل کے ساتھ کی گئی اپنی گفتگو امامؑ سے بیان کی اور زندان میں قید کئے ہوئے ان چند افراد کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

سب سے پہلے علی بن عمر داخل ہوا جب اس نے دیکھا کہ امام رضاؑ مامون کے پہلو میں تشریف فرما ہیں تو کہا: اے میر المومنین میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ اس خلافت کو جسے خداوند نے آپ ہی کے لئے مخصوص کیا ہے اپنے خاندان سے خارج

کر کے اپنے دشمنوں کے حوالے کریں جنہوں نے آپ کے آباء کو قتل کر کے شہریوں کو پراگندہ کیا۔

مامون نے کہا: حرامزادے! کیا تم اب بھی اسی عقیدے پر باقی ہو؟

پھر جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن کاٹی جائے اور جلاد نے اس کی گردن کاٹ ڈالی۔

اس کے بعد ابو یونس داخل ہوا اور جب امام رضاؑ کو دیکھا، مامون سے کہا: اے امیر المومنین خدا کی قسم! یہ جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے ایک بت ہے کہ جس کی خدا کی بجائے پرستش کی جاتی ہے۔

مامون نے کہا: اے زنازادے! کیا تم اب بھی امام رضاؑ کی شان کے منکر ہو؟ جلاد کی طرف رخ کر کے کہا کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔

پھر جلودی (۱) کو حاضر کیا گیا (امامؑ نے اس حترام کی خاطر جو جلودی نے مدینہ میں آپؑ کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے انجام دیا تھا) فرمایا: اس بوڑھے کو میرے لئے بخشدو۔

اور پست قسم کا آدمی تھا، نے جہاں تک ہو سکا اہل بیتؑ کے ساتھ سنگدلی اور بے رحمی کا مظاہرہ کیا اور جب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ میں علویوں کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت امام رضا -وہاں موجود تھے آپؑ نے تمام خواتین کو ایک کمرے میں اکٹھا کیا اور خود دروازے پر کھڑے رہے تاکہ جلودی اندر نہ جا سکے۔جلودی نے کہا مجھے حکم ہے کہ اندر آ کر خواتین کے زیورات لے جاؤں۔امامؑ نے فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں کہ ان کے تمام زیورات تمہارے حوالے کر دوں گا اور ان کے پاس کچھ نہیں چھوڑوں گا پھر آپؑ اندر تشریف لے گئے اور جس طرح فرمایا تھا ایسا ہی کیا یوں آپؑ نے جلودی کو گھر میں داخل ہونے سے روکدیا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۶۵۔۱۶۸

۲۔ کامل التواریخ ابن اثیر ج ۶، ص ۱۳۲

مامون نے کہا: اے میرے آقا یہ وہی ہے جس نے مدینے میں پیغمبرؐ کی بیٹیوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے اور ان کے زر وزیورات کو لوٹ لیا ہے۔

جب امامؑ جلودی کی سفارش کے بارے میں مامون سے گفتگو فرمارہے تھے تو جلودی نے یہ دیکھ کر سوچا کہ آپؑ اس کے خلاف شکایت کررہے ہیں اور اس کے مدینے میں انجام دیے ہوئے جرائم سے مامون کو آگاہ کررہے ہیں۔ لہذا اس نے مامون کی طرف رخ کرکے کہا: اے میر المومنین تجھے قسم ہے! ان خدمات کی خاطر جو میں نے ہارون رشید کے لئے انجام دی ہیں، میرے بارے میں اس شخص کی باتوں کو قبول نہ کرنا۔

مامون نے کہا: اے ابوالحسن یہ شخص خود آپ کی حمایت کو نہیں چاہ رہا ہے اور ہم بھی اس کی دی ہوئی قسم کو پسند کرتے ہیں۔ پھر جلودی کی طرف رخ کرکے کہا نہ خدا قسم میں تمہارے بارے میں ان کی باتوں کو قبول نہیں کروں گا۔ اور حکم دیا کہ اس کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ملحق کردیا جائے۔ یوں مامون نے اس کو بھی اپنے کیے کا مزا چکھادیا۔

جب فضل بن سہل نے ان کے قتل کی خبر سنی تو بھانپ گیا کہ اب مخالفت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ مامون نے اب مرو کو چھوڑنے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔ بہر حال مامون نے سفر کی تیاری اور روانگی کا حکم دیا لیکن فضل اپنے گھر بیٹھے اپنی عاقبت کے بارے میں خوفزدہ تھا۔ مامون نے اسے حاضر کرکے پوچھا: کیا بات ہے کہ خانہ نشین ہو چکے ہو؟

فضل نے جواب دیا: اے امیر المومنین! آپ کے خاندان اور لوگوں کی نگاہوں میں، میں ایک عظیم مجرم ہوں۔ وہ آپ کے بھائی کے قتل اور رضاؑ کی بیعت کی وجہ سے مجھے برا بھلا کہتے ہیں اور میں حاسدوں کی چغلخوریوں اور ظالموں کے پروپیگنڈوں سے محفوظ نہیں ہوں لہذا مجھے خراسان ہی میں رہنے دیجیے۔

مامون نے کہا: ہمیں تیرے وجود کی ضرورت ہے اور جو لوگ تیرے بارے میں چغلیاں کرتے ہوئے مشکلیں ایجاد کررہے ہیں، تو تم ہمارے نزدیک ایک بااعتماد، خیرخواہ اور مہربان شخص ہو اس کے علاوہ جو چیز تمہاری ضمانت اور ہمارے اطمینان کا باعث ہوسکتی ہے اسے اپنے لئے لکھدو تا کہ تمہارا دل مطمئن ہوجائے۔

فضل بن سہل گیا اور اپنے لئے ایک تحریر لکھ کر لایا اور علماء نے بھی اس کے حق میں گواہی دیتے ہوئے اس تحریر پر دستخط کیا پھر اسے مامون کے پاس پیش کیا گیا تو مامون نے بھی اس پر دستخط کرتے ہوئے فضل بن سہل کو وہی کچھ دیا جو وہ چاہتا تھا اور اس تحریر کا نام ''کتاب حباء وشرط'' رکھا گیا۔(۱)

اس تحریر میں فضل نے اپنے تمام اموال اور جاگیر کو مامون کو بخش دیا تھا کہ اگر کسی وقت منصب سے برطرف ہوجائے تو مامون ان کو دوبارہ اس کے حوالے کرے۔ مامون نے غسان بن عباد کو خراسان میں اپنا جانشین بنادیا اور خود امام رضا- اور ذوالریاستین کے ہمراہ بغداد کی طرف روانہ ہوگیا۔(۲)

....

مامون کا رویّہ بدل جانا

مامون جب عراق و حجاز مخصوصاً بغداد کی آشوب اور فتنہ و فساد سے آگاہ ہوا، پہلے تو اس نے امام رضا ؑ سے مشورہ طلب کیا کہ کیا کِیا جائے؟ امام بھی اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی کی بنا پر اس کی راہنمائی فرماتے رہے کہ اپنے آباء و اجداد کے وطن میں لوٹ جائے اور نزدیک سے ہی مسلمانوں کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرے۔

دوسری طرف سے وہ اپنے وزیر فضل بن سہل کے بارے میں جس نے عراق کے حالات سے اسے بے خبر رکھا تھا، بدگمان ہوا اور اس حیرت میں ڈوب گیا کہ کس طرح ان پیچیدہ مسائل کو حل کیا جائے؟

مامون کہ جس نے ابراہیم بن مہدی کو سرکوب کرنے کی غرض سے عراق کی طرف روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کیا تھا، روانگی سے پہلے ان سوالات (اور ان کے نتائج) کو اپنے ذہن میں ابھار رہا تھا:

کیا فضل بن سہل کو وزارت سے معزول کردوں یا اسے مرو کا حاکم بنا کر یہیں چھوڑ

جاؤں چانچہ اس کی اپنی بھی یہی خواہش ہے؟

البتہ دونوں صورتوں میں نتیجہ منفی ہی تھا کیونکہ فضل کا خراسان میں نفوذ کر جانا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا چنانچہ طاہر ذوالیمینین پہلے سے ہی خراسان میں ایک مستقل یا نیم مستقل حکومت تشکیل دینا چاہتا تھا اور خدشہ تھا کہ اس کام کو فضل بن سہل، طاہر، سے پہلے ہی انجام دے۔ بنابرایں فضل بن سہل کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جس چیز نے مامون کو پریشان کررکھا تھا وہ اہل خراسان کی طرف سے فضل بن سہل کے حق میں کی جانے والی حمایت تھی۔

کیا فضل کو اپنے ہمراہ بغداد لے جاؤں؟

تو اس صورت میں پہلے تو اہل عراق فضل اور اس کے بھائی حسن سے راضی نہیں ہیں اور دوسری بات یہ کہ عراق میں اتنے تجربہ کار اور ماہر افراد کے ہوتے ہوئے فضل کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیسری بات یہ کہ فضل بن سہل اب پہلے کی طرح مخلص اور خیرخواہ نہ رہا نیز فضل بن سہل سے قطع نظر اپنے ولی عہد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اگر انہیں معزول کردوں (اگرچہ خود امامؑ اس بات پر راضی تھے اور پہلے سے ہی یہ منصب آپؑ پر زبردستی سونپا گیا تھا) تو دوبارہ علویوں کے ہنگاموں اور شورشوں سے روبرو ہوگا اور پھر معاملہ پہلے سے بھی زیادہ بگڑ جائے گا کیونکہ امامؑ ولیعہدی کے منصب پر آنے سے پہلے مدینہ میں زندگی بسر فرما رہے تھے اور اب تو آپؑ کی اخلاقی فضائل اور ذاتی شرف مدینہ سے لیکر مرو تک سب پر آشکار ہو چکے ہیں۔ مخصوصاً مرو میں قیام کے دوران مختلف مکاتب فکر کے علماء کے ساتھ کیے گئے علمی مناظروں کے ذریعے آپؑ کے آسمانی اور ملکوتی مقام و مرتبت اور زہد و تقویٰ جیسی صفات ہر عام و خاص پر آشکار ہوگئی ہیں۔ پھر لوگوں کے دلوں میں پائی جانے

۲۔ کامل التواریخ ابن اثیر بنقل سحاب

والی محبوبیت کے علاوہ اس علاقے کے باشندے خاندان رسالت کے عقیدت مند ہیں، ان سب سے ہٹ کر خود اس نے امامؑ کی ولیعہد کے سلسلے میں ایک طویل عہد نامہ لکھ کر اسے تمام اسلامی ممالک میں پہنچا دیا تھا پس ان تمام مسائل کے ہوتے ہوئے نیز خدا اور رسولؐ کے دستور کے خلاف کرتے ہوئے کیونکر اس ولیعہد کے عہد کو توڑا جا سکتا تھا پھر اس عہد شکنی کے نتیجے میں عمومی افکار پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

چنانچہ اگر امامؑ کے ولیعہدی کو محفوظ رکھ کر آپؑ کو اپنے ہمراہ بغداد لے جاؤں تو اس صورت میں کیا عکس العمل رونما ہوگا اور بنی عباس کے ساتھ کیسے رو برو ہوں گا؟ کیا بغداد میں برپا ہونے والے ہنگاموں کی اصل علت امامؑ کی ولی عہدی نہیں ہے؟

اور اگر امامؑ کے مشورے کے خلاف مرو میں ہی ٹھہر جاتا اور عراق کی طرف نہ جاتا تو بھی کئی جہتوں سے خلافت پر تنقیدات اور نکتہ چینیاں ہو سکتی تھیں کیونکہ عراق و حجاز میں ہنگامے برپا تھے اور عباسیوں کے تعاون سے ابراہیم بن مہدی کو اس کی بجائے مسند خلافت پر بٹھا گیا تھا اور اس کو بالکل معزول کیا تھا۔ خود مرو میں بھی معاملات کے اصل اختیارات ذوالریاستین (فضل بن سہل) کے ہاتھوں میں تھے جس نے گہرے اثر رسوخ پیدا کر کے خلیفہ کی طاقت و سلطنت کو کمزور بنا دیا تھا۔

اس طرف سے علی بن موسیٰ الرضاؑ روز بروز لوگوں کے دلوں کو اپنے قبضے میں لے رہے تھے اور سب کی توجہ آپؑ کی طرف مرکوز ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں جس طرح عراق میں خلافت، بنی عباسیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی اسی طرح مرو میں بھی دو ممتاز اور اثر ورسوخ والی شخصیتیں امامؑ اور ذوالریاستین کی طرف سے اس کی خلافت نکتہ چینیوں کا نشانہ بن چکی تھی۔

جی ہاں یہ تمام افکار مامون کی آسائش کو سلب کر چکے تھے۔ مامون نے جتنی کوشش کی کوئی راہ حل نظر نہ آئی سوائے اس کے کہ اپنے باپ کی روش کو اپناتے ہوئے ان دونوں شخصیتوں کی موت کا سامان فراہم کرے اور معاملے کو یوں ظاہر کرے کہ اپنے اوپر کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہو اور لوگ اس واقعے کو بالکل عادی اور معمولی سمجھیں۔

چونکہ مرو میں ہی اس سازش کو عملی جامہ پہنانا مشکلوں سے خالی نہ تھا لہذا اس نے ارادہ کیا کہ مرو سے بغداد جاتے ہوئے، کہ جس کو اس نے عمداً چند ماہ تاخیر میں ڈالا تھا، سفر کے دوران ہی اپنے اس شیطانی اور پلید فکر کو عملی جامہ پہنایا جائے بغیر اس کے کہ کسی کو بھی اپنے اس منحوس سازش سے آگاہ کرے۔

مرو سے عراق کی طرف روانہ ہونے کے بعد ان کے راستے میں آنے والا سب سے پہلا شہر سرخس تھا جو تاریخی حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل تھا اور فضل بن سہل کا اصل جائے قیام بھی شمار ہوتا تھا بطور یکہ تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ فضل بن سہل کا قتل اسی شہر کے حمام میں مامون کی سازش کے مطابق واقع ہوا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ایکدن صبح کے وقت فضل بن سہل حمام میں گیا ہوا تھا اتنے میں چند افراد نے تلواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کے ننگی لاش کو تلواروں کے ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جب اس بارے میں شور و غل ہوا اور مامون تک اس کی خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ قاتلوں کو گرفتار کر دیا جائے۔ جب ان کو مامون کے سامنے حاضر کیا گیا تو انہوں اپنے دفاع کرتے ہوے کہا: آپ نے خود ہمیں اس کام کا حکم دیا تھا اور اب ہم سے قصاص لینا چاہتے ہیں؟ مامون نے کہا: میں تمہارے ہی فضل کے قتل کے اقرار پر تمہیں قصاص کروں گا اور جو تم اپنے دعوے کے اثبات میں یہ کہتے ہو کہ میں نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا تو اس سلسلے

ا۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۸۳

میں تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پھر دستور دیا کہ ان کی گردن کاٹ دی جائے اور ان کے سروں کو ایک تعزیت نامے کے ساتھ حسن بن سہل کی طرف روانہ کیا اور اس کو وعدہ دیا کہ بغداد پہنچنے پر اسے فضل بن سہل کے منصب وزارت پر بٹھائے گا۔

طبری لکھتے ہیں: فضل بن سہل کا قتل ۳ شعبان ۲۰۲ ھ کی صبح کو ۶۰ سال کی عمر میں واقع ہوا۔ مامون نے حکم دیا کہ فضل کے قاتلوں کو گرفتار کر دیا جائے، انہوں نے واقعہ سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے لیکن مامون نے ان کی باتوں کو نہیں مانا اور ان سب کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔

پھر دستور دیا کہ ان کے سروں کو حسن بن سہل کو بھیجدیا جائے اور ایک تعزیت نامہ بھی لکھ کر ان کے ساتھ روانہ کیا جس میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اسے اپنے بھائی (فضل بن سہل) کا منصب دیا جائے گا۔

ابن ہیثم لکھتے ہیں: جب فضل حمام میں تھا، غالب مسعود (مامون کے ماموں) چند نفر کے ہمراہ تلواروں اور چھروں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کے جسم کو خون میں لت پت چھوڑ کر فرار ہو گئے اور گرفتار ہونے پر کہنے لگے کہ ہم نے خلیفہ کے ہی دستور پر ایسا کیا تھا لیکن ان کی اس بات کو، کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور ان کے سر تن سے جدا کر دیے گئے۔(۱)

محمد بن ابی عمادہ روایت کرتے ہیں: جب فضل کا قتل واقع ہوا، مامون امام رضا ـ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اس بارے میں میری مدد فرمائیں اور یہ نہ فرمائیں

۱۔ تاریخ طبری ج ۱

کہ خلیفہ نے اپنے وزیر کو قتل کیا۔ حضرت نے فرمایا: ہم پر دعا ہے اور تم پر تدبیر۔ (۲)
مامون نے فضل کے قتل کے بعد اس کے تمام اموال اور جاگیر کو بھی حباء نامی تحریر اور شرط نامہ کے مطابق اپنا لیا۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون مذکورہ تحریر پر دستخط کرتے وقت ہی فضل کے خاتمے کی فکر میں تھا۔ کہ اپنی اس ماہرانہ اور خفیہ سازش کے ذریعے فضل کے احتمالی شر سے بھی نجات پا جائے اور اس کے مال و ثروت کو بھی مفت میں حاصل کرے۔

۲۔ عیون اخبار الرضاج ۲، باب ۶۱

لا اَضحَکَ اللہُ سِنَّ الدَّھرِ اِنْ اَضحَکَتْ
یوماً و آلُ احمد مظلومون قد قُھِرُوا

خدا زمانے کو کبھی نہ ہنسائے اگر وہ کسی ایسے دن میں ہنسے
جبکہ آل احمد کو مغلوب کر کے ان پر ستم ڈھائے گئے ہوں۔

شہادت امام رضا

فضل بن سہل کے بعد مامون کی دو مشکلیں برطرف ہوگئیں اور اس کے ردعمل میں کوئی خاص واقعہ بھی پیش نہیں آیا کیونکہ مامون نے اپنی زیرکی اور ہشیاری سے کچھ اس طرح منصوبہ بندی کی تھی کہ جس کے ذریعے آسانی کے ساتھ اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب ہوگیا اور ذوالریاستین کے شر سے بھی چھٹکارا ملا۔ اب اس کی تیسری مشکل کو حل کرنے کی نوبت تھی کہ امام -کو شہید کر کے بنی عباس کہ جنہوں نے آپؑ کی ولیعہدی کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، کو قابو میں لائے۔

بعض روایات کے مضمون سے یوں نتیجہ نکلتا ہے کہ مامون نے شہر سرخس میں ہی امام رضا -سے بدسلوکی کا ٹھان لیا تھا اور اس مقصد کے لئے اس نے آپؑ کو تحت نظر قرار دیا تھا چنانچہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا۔

شیخ صدوقؒ نے اباصلت سے نقل کیا ہے (وہ کہتا ہے:) میں سرخس میں اس مکان کے دروازے پر پہنچا جس میں امام رضا محبوس تھے۔ میں نے زندانبانوں سے آپؑ کی

خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا تم ان سے نہیں مل سکتے ہو۔ کہا کیوں؟ کہا: اس لئے کہ حضرت شب و روز میں ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں لہذا آپ کے پاس صرف دن کے آغاز میں، زوال سے پہلے اور غروب آفتا کے نزدیک ایک ایک گھنٹہ فرصت ہوتی ہے اور ان اوقات میں بھی آپؑ اپنے سجادے پر بیٹھ کر پروردگار سے راز و نیاز کرتے ہیں۔

اباصلت کہتے ہیں: میں نے زندانبان سے کہا انہی اوقات میں میرے لئے ملاقات کی اجازت چاہو، اس نے میرے لئے اجازت چاہی، جب امامؑ کے پاس پہنچا (تو دیکھا) کہ آپؑ جائے نماز پر متفکر بیٹھے ہوئے ہیں۔(۱)

چونکہ طبری کی تحریر کے مطابق فضل کی قتل ۲ شعبان ۲۰۲ھ میں پیش آیا تھا اور امام رضا -کی شہادت صفر کے آخر ۲۰۳ میں واقع ہوا ہے۔ اس فاصلے میں جو کہ تقریبا سات مہینوں پر مشتمل تھا امامؑ کو اکثر اوقات سرخس میں نظر بند رکھا تھا کیونکہ سرخس میں مامون کے ٹھہرنے کی مدت طوس میں قیام کے عرصے سے بہت طویل ہوئی تھی۔

بہر حال ایک عرصے کے بعد خلافت کی سواری سرخس سے روانہ ہوئی اور چند دنوں کے بعد طوس میں پہنچا ابن بابویہ کے امامؑ کے خادم یاسر سے کی ہوئی روایت کے مطابق، امام -طوس پہنچنے سے پہلے علیل ہوئے اور جب طوس پہنچے تو بیماری نے شدت پکڑلی اور کچھ عرصہ طوس میں توقف فرمایا اس دوران مامون روزانہ دو بار آپؑ کی عبادت کے لئے آیا کرتا تھا۔(۲)

۱۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۳۲

۲۔ بحار الانوار ج ۴۹ ص ۲۹۳

اس روایت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ مامون اسی طرح کے موقع کے انتظار میں تھا اور امام کی علالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دوسرے خفیہ منصوبے پر جو امامؑ کو زہر دینے پر مشتمل تھا، عمل درآمد کیا ہے تاکہ آپ کی شہادت کو بیماری کی وجہ سے پیش آئی ہوئی طبیعی موت ظاہر کرے۔

بعض روایتوں میں آپؑ کو دیئے ہوئے زہر کو انگور یا انار کے ذریعے بتایا گیا ہے اور یہ اصل مطلب کے ساتھ منافات نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ آپؑ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا ہو، یا یہ کہ جیسا کہ بعض نے لکھا ہے کہ انار اور انگور دونوں ایک ہی مجلس میں رکھے گئے ہوں تاکہ آپؑ سردی اور گرمی کے حوالے سے جس کی خاصیت کو چاہتے تناول فرماتے۔

امام کی شہادت کے بارے مورخین کے نظریے مختلف ہیں۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ آپؑ طبیعی موت سے رحلت کر گئے ہیں جبکہ بعض نے آپؑ کو زہر دینے کی طرف اشارہ کیا ہے البتہ اس بات کو ذکر کئے بغیر کہ کس سبب اور وسیلے سے آپؑ کو زہر دیا گیا۔ بعض نے صریحاً لکھا ہے کہ کہ مامون ہی کے ذریعے آپ کو زہر دیا گیا ہے۔

جرجی زیدان لکھتے ہیں: مامون، فضل کے قتل کرنے کے بعد (امام) علی بن موسی الرضا کی فکر میں پڑ گیا چونکہ اسے خراسانیوں کے ہنگامہ برپا کرنے کا خطرہ تھا لہذا اس نے بنی عباس کے پرانے طرز سیاست کو اپناتے ہوئے امامؑ کو زہر دینے کا فیصلہ کر لیا اور سرانجام زہر آلود انگور کے ذریعے علی بن موسیٰ الرضا کو قتل کیا۔ (۱)

ابن خلکان یوں لکھتے ہیں: ان کی موت کا سبب یہ تھا کہ انگور کھالیا اور کھانے میں

۱۔ ترجمہ تاریخ تمدن اسلام ص ۷۹۸

زیادہ روی کی تھی۔ پھر کہتا ہے: چونکہ انگور زہر آلود تھے لہذا بیمار ہوئے اور اسی پر انتقال کر گئے۔(۱)

کفعمی لکھتے ہیں: (امام) رضاؑ بروز بدھ ۲۰۳ھ کو فوت ہو گئے اور مامون نے انہیں انگور کے ذریعے زہر دے دیا۔(۲)

ابن اثیر کا کہنا ہے: آپ کی موت کا سبب یہ تھا کہ انگور کھانے میں زیادہ روی کی گئی اور اچانک فوت ہو گئے۔ کہتے ہیں مامون نے انہیں انگور کے ذریعے زہر دیا ہے اور علیؑ انگور کو پسند کرتے تھے اور میرے نزدیک یہ بعید ہے۔(۳)

یہ مؤرخ اس بات پر تعجب کر رہا ہے کہ مامون نے امام رضاؑ کو انگور کے ذریعے زہر دیا ہو اور اسے بعید جانتا ہے لیکن اپنی اس بات پر کہ امامؑ انگور زیادہ کھانے کے نتیجے میں انتقال کر گئے ہیں؛ تعجب نہیں کرتا جبکہ آج پوری دنیا میں یہ بات مشاہدے میں نہیں آئی ہے کہ انگور زیادہ کھانے پر کسی کی موت واقع ہوئی ہو۔ چہ برسد امام عالی مقامؑ جو منصب امامت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حاذق طبیب بھی تھے اور جنہوں نے اصول طب کے دقیق نکات لکھے ہیں جن کا مجموعہ کتاب "طب الرضاؑ" کے نام سے مشہور ہوا ہے۔

ابن اثیر کے قول سے بھی ضعیف تر طبری کا قول ہے کیونکہ ابن اثیر اپنے کلام میں کم از کم امامؑ کی مسمومیت کی بطور مشکوک ہی سہی اشارہ تو کرتے ہیں لیکن طبری صریحا لکھتا

۳۔ کامل التواریخ ج ۵ ص ۱۹۳ بحوالہ مسند الامام الرضا۔ ج ۱

ہے کہ امام زیادہ انگور کھانے کی وجہ سے اچانک فوت ہو چکے ہیں۔(۱)

یعقوبی لکھتا ہیں: علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد (ؑ) ۲۰۳ھ میں نوقان نامی ایک قریہ میں وفات پا گئے جبکہ آپؑ میں بیماری کا کوئی اثر نہ تھا سوائے ان تین دنوں میں کہ آپ بیمار ہو چکے تھے۔ کہا گیا ہے کہ علی بن ہشام نے آپؑ کو زہر آلود انار کھلایا تھا۔(۲)

مسعودی لکھتے ہیں: علی بن موسیٰ الرضا طوس میں زہر دیے جانے کی وجہ سے وفات پاگئے اور وہیں مدفون ہوئے۔(۳)

ہندوشاہ، کتاب تجارب السلف میں لکھتے ہیں: علی بن موسیٰ الرضا (ؑ) کو انگور بہت زیادہ پسند تھا مامون نے سوئی کی نوک کے ذریعے انگور میں زہر ڈال کر رضا کے پاس پیش کیے اور انہوں نے اس میں سے کھائے اور مختصر مدت کے بعد آپؑ وفات پا گئے۔(۴)

طبری لکھتے ہیں: حضرت امام رضا ؑ خلافتِ مامون کے ایام میں زہر کے ذریعے دنیا سے رحلت کر گئے۔(۵)

ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں: جب آپؑ بیمار تھے مامون آپؑ کی عیادت کے لئے آیا کرتا تھا اور اپنے آپ کو بھی مریض ظاہر کرتا تھا جب مامون کا مرض شدت پکڑ گیا تو یوں اظہار کرنے لگا کہ وہ خود بھی امامؑ کے ساتھ مسموم غذا کھا کر بیمار ہو چکا ہے پھر رضا ؑ کی بیماری نے زیادہ شدت پکڑ لی یہاں تک کہ دنیا سے چلے گئے۔ پھر لکھتے ہیں: آپؑ کی

۱۔ تاریخ طبری ج ۷ ص ۱۵۰

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸۸

۳۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۷

۴۔ زندگی حضرت علی بن موسیٰ الرضا ؑ، سحاب ج ۲ ص ۱۵۵

۵۔ اعلام الوریٰ ص ۳۲۲

وفات اور انگور دیے جانے کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ محمد بن علی بن حمزہ نے منصور بن بشیر سے انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن بشیر سے نقل کیا ہے کہ مامون نے اس کو حکم دیا کہ ناخنوں کو نہ کاٹے اور ان کو بڑھنے دے تو اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر ہندوستان کی املی کے مانند کوئی چیز ان کو دے کر کہا: اس کی دونوں ہاتھوں کے ذریعے خمیر بناؤ تو اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد امام رضاؑ کی خدمت میں جا کر دریافت کیا کہ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟

فرمایا: امید ہے کہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔

کہا: کیا آج کوئی عیادت کرنے والا آپ کی خدمت میں آیا ہے؟

فرمایا: نہیں

مامون غضبناک ہوا اور اپنے غلام کو پکارا۔ پھر آنحضرت سے کہنے لگا: آج آپ انار کا شربت پی لیں کیونکہ اس سے اور کوئی چیز بہتر نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ایک انار منگوا کر عبد اللہ بن بشیر کو دیتے ہوئے کہا اس کا رس نکالو! اس نے ایسا ہی کیا۔ مامون نے خود انار کے شربت کو اٹھا کر امامؑ کو پلایا اور یہی امر آپ کی وفات کا باعث ہوا اور دو روز نہیں ہوئے تھے کہ آپ وفات پا گئے۔

اباصلت سے منقول حدیث میں ہے کہ میں اس واقعے کے بعد امامؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا۔ فرمایا: اے اباصلت انہوں اپنا کام کر دیا ہے اور مجھے زہر دے دیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں، محمد بن علی نے کہا ہے: میں نے محمد بن جہم سے سنا ہے جو کہہ رہا تھا: حضرت امام رضا۔ انگور بہت پسند فرماتے تھے۔ (ایک دن مامون کے حکم پر) کچھ انگور لائے گئے اور ان کے اندر زہر آلود سوئیاں چبھوئی گئیں اور کچھ دن انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا اس

۱۔ بحار الانوار ج ۴۹، حاشیہ ص ۳۱۱

۲۔ ارشاد مفید ج ۲، باب ۳۲

کے بعد سوئیوں کو نکال کر انہیں امام کی خدمت میں جبکہ آپؑ بیمار تھے، لے گئے۔ آپؑ نے اس انگور میں سے کھالیا اور یہی آپؑ کی وفات کا سامان ہوا۔ جب رضاؑ نے وفات پائی تو مامون نے اسے، اسی وقت آشکار ہونے نہ دیا اور ایک شب و روز آپؑ کے جنازے کو روکے رکھا پھر محمد بن جعفر (امامؑ کے چچا) اور آل ابی طالب کے چند افراد کو بلوا بھیجا اور جب وہ پہنچ گئے تو انہیں آپؑ کا جنازۂ (مطہر) دکھا دیا کہ دیکھو اس پر کسی قسم کی چوٹ کا نشان نہیں ہے۔(۱)

ابن جوزی تذکرہ میں لکھتے ہیں: جب مامون مرو سے بغداد کے لئے نکل کر سرخس پہنچا چند افراد نے حمام جا کر فضل بن سہل پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور علی بن موسیٰؑ بیمار ہوئے اور جب علی بن موسیٰؑ طوس پہنچے تو وفات پا گئے۔ کہا گیا ہے کہ وہ حمام میں گئے تھے جب وہاں سے نکلے تو زہر آلود انگور کا ایک طبق ان کے سامنے پیش کیا گیا ان کے دانوں میں سوئی کی نوک کے ذریعے زہر بھر دئے گئے تھے اور اسی انگور کو کھانے کے نتیجے میں آپؑ انتقال کر گئے۔ بعض کا یہ جو عقیدہ ہے کہ مامون نے اسے زہر دیا ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ جب علی (بن موسیٰ الرضاؑ) وفات پا گئے وہ مغموم ہوا تھا اور اسی غم میں وہ کئی دن تک کچھ کھایا پیا نہیں اور لذتوں سے دور رہا۔

مرحوم مجلسیؒ نے ابن جوزی کی روایت نقل کرنے کے بعد اس کے ذیل میں لکھا ہے: جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مامون نے آنحضرتؑ کو زہر دیا ہے، وہ اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ مامون مغموم ہوا تھا بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مامون نے یہ سب دکھاوے اور لوگوں

۱۔ مقاتل الطالبین ص ۳۷۷

کو باور کرانے کی خاطر کیا تھا۔(۱)

شیخ مفید رقمطراز ہوتے ہیں: ایک دن امامؑ مامون کے ساتھ غذا تناول فرمارہے تھے اور آپؑ اس کھانے سے بیمار ہوئے اور مامون نے بھی اپنے آپ کو بیمار بنایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن بشیر، اباصلت اور محمد بن جہم کی روایت کی عین عبارت، جسے اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لایا ہے، کو بھی نقل کیا ہے۔(۲)

شیخ صدوقؒ نے بھی ذرا اختلاف کے ساتھ عبداللہ بن بشیر کی روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ علی بن حسین کاتب سے روایت ہوئی ہے کہ حضرت رضاؑ کو بخار عارض ہوا تو آپؑ نے فصد کا ارادہ فرمایا۔ جب مامون نے سنا تو ٹیالے ظروف کے درمیان سے کوئی چیز نکالی اور اسے اپنے غلام کو کوٹنے کے لئے دیدیا۔ غلام نے اس کو ایک طشت میں پیس دیا۔ مامون نے کہا اس سے ہاتھ دھوئے بغیر میرے ساتھ آجاؤ۔ پھر مامون امام رضاؑ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گیا یہاں تک امامؑ نے اس کے سامنے فصد کیا پھر مامون نے غلام سے کہا: فلاں انار کو توڑ لاؤ! انار امامؑ کے باغیچے میں لگا ہوا تھا۔ غلام نے جا کر باغیچے سے انار کو توڑ لایا۔ مامون نے کہا بیٹھ جاؤ اور ایک ظرف میں اس کے دانے نکالدو۔ پھر مامون کے حکم پر انار کے رس لگے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دھولیا۔ پھر امام رضاؑ سے کہنے لگا، اس میں سے کچھ کھائیے! امامؑ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہارے جانے کے بعد کھالوں گا۔ مامون نے قسم کھاتے ہوئے کہا: آپ کو میرے سامنے ہی کھانا ہوگا اس پر آپؑ نے ان میں کچھ تناول فرمائے اور مامون وہاں سے باہر چلا گیا۔ ہم نے ابھی نماز عصر بھی ادا نہیں کی تھی

کہ امام پچاس مرتبہ اٹھے اور بیٹھے۔ مامون نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: میں سمجھ گیا کہ یہ بیماری اسی فصد کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ رات کو بیماری نے شدت پکڑلی اور صبح کو وفات پا گئے۔

آپ کی آخری گفتگو یہی تھی: قُل لَو کُنتُم فِی بُیُو تِکُم لَبرَزَ الَّذِینَ کُتِبَ عَلَیھِمُ القَتلُ اِلیٰ مَضَا جِعِھِم وَ کَانَ اَمرُاللہِ قَدراً مَّقدُوراً۔

یعنی کہہ دیجئے (اے نبی) اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ جن کی موت لکھی جا چکی ہے، یقیناً اپنی قتلگاہوں کی طرف نکل پڑتے اور خدا کا کام تو یقیناً ہونے ہی والا ہے۔(۱)

مامون نے امام ؑ کے غسل و تکفین کا حکم دیا اور خود ننگے پاؤں جنازے کے ساتھ ساتھ یہ کہتے ہوئے چلتا گیا: اے میرے بھائی تیری موت کے بعد اسلام میں بڑا شگاف پڑ گیا ہے اور تیرے بارے میں تقدیر الٰہی میری تدبیر پر غلبہ پا گئی۔ اس کے بعد ہارون کی قبر کھول کر آپ ؑ کو اس کے ساتھ دفن کر دیا اور کہا مجھے امید ہے کہ خداوند ان کی قربت کی وجہ سے ہاروں کو نفع پہنچائے گا۔(۲)

گویا دعبل خزاعی نے اپنے قصیدے میں مامون کی اس بات کا جواب دیا ہے:

قَبرانِ فی الطُّوسِ خیرُ النّاسِ کُلّھم

وَقَبرُ شرِّھم ھذا مِنَ العِبَرِ

۱۔ احزاب/۳۸

۲۔ عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۲۴۰۔ بحار الانوار ج ۴۹، ص ۳۰۵

مَا يَنْفَعُ الرِّجْسَ مِنْ قُرْبِ الزَّكِيِّ وَمَا

عَلَى الزَّكِيِّ بِقُرْبِ الرِّجْسِ مِنْ ضَرَرٍ

یعنی طوس میں دو قبریں ہیں ایک بہترین ہستی کی اور دوسری سب سے بدترین شخص کی اور یہ بجائے خود (زمانہ کے لئے) ایک عبرت ہے۔

نہ پلید، پاک ہستی کی قربت کی وجہ سے کچھ نفع حاصل کر سکتا ہے اور نہ پاک ہستی کو پلید کے قرب کی وجہ سے کچھ ضرر پہنچ سکتا ہے۔

نیز امام رضا - کی شہادت کے بارے میں شیخ صدوق اور علامہ مجلسی سے نقل کی گئی روایتوں میں سے ایک وہ طولانی روایت ہے جو اباصلت سے بیان ہوئی ہے۔ اباصلت روایت کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: امام نے فرمایا: اے اباصلت میں اس فاجر (مامون) کی مجلس میں جا رہا ہوں۔ وہاں سے آتے وقت اگر میرے سر پر عبا اوڑھی ہوئی ہو تو میرے ساتھ گفتگو نہ کرنا۔

جب صبح ہوئی حضرت نے لباس پہن لئے اور محراب میں منتظر رہے یہاں تک کہ مامون کی طرف سے آپ کو بلانے کے لئے لوگ آئے۔ آپ نے جوتے پہن لئے اور عبا دوش پر ڈال کر روانہ ہوئے۔ (اباصلت کہتے ہیں:) میں آپ کے ہمراہ چلا گیا۔ جب ہم مامون کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ مامون کے آگے کئی طشت میں مختلف قسم کے پھل چنے ہوئے ہیں، اور اس کے ہاتھ میں انگور کا ایک گچھا تھا جس کے چند دانوں میں ایک دھاگے کے ذریعے زہر ڈالدئے گئے تھے اور مامون خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے انگور کے دوسرے گچھوں سے کھا رہا تھا جو زہر آلود نہیں تھے۔ جب اس نے امام رضا - کو دیکھا تو فوراً اٹھا اور باہوں کو امام کی گردن میں ڈال کر آپ کی آنکھوں کے درمانی حصے کو چوم لیا اور

۱۔ بحارالانوار ج ۴۹ ص ۳۱۳

انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ پھر اس نے انگور کو آپؑ کی خدمت میں دیتے ہوئے کہا: یابن رسول اللہ! میں نے اس سے بہتر کوئی انگور نہیں دیکھا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: مجھے اس کے کھانے سے معاف کر۔

مامون نے اصرار کیا: آپؑ کو یہ انگور کھالینا چاہئے کونسی چیز اس کو کھانے میں مانع ہو رہی ہے؟ کیا مجھ پر تہمت ڈالنا چاہتے ہیں؟ اتنے خلوص کے باوجود آج میرے بارے میں آپ یہ کیسے گمان کر رہے ہیں؟

اس کے بعد اس نے انگور کے اس خوشے میں سے چند دانے کھالئے اور امامؑ کو دیتے ہوئے آپؑ کو بھی اسے کھانے کے لئے کہا: جب امامؑ نے اس انگور میں سے چند دانے تناول فرمائے تو آپ کی حالت متغیر ہوئی اور خوشے کو زمین پر پھینک کر کھڑے ہو گئے۔

مامون نے پوچھا: اے چچازادہ کہاں جا رہے ہیں؟

فرمایا: وہیں جا رہا ہوں جہاں تم نے بھیجا ہے یوں آپؑ غمگین و رنجیدہ عبا کو سر مبارک پر ڈال کر مامون کے پاس سے نکل گئے۔(۱)

بعض دیگر محدثین اور مورخین نے بھی امام رضاؑ کی شہادت کے بارے میں مذکورہ روایت سے ملتی جلتی روایتیں نقل کی ہیں۔ بطور کلی یہ احادیث تین قسموں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی قسم میں امامؑ کی وفات کو طبیعی اور بیماری کے نتیجے میں بیان کیا ہے، اور بعض روایات میں آپؑ کو زہر دیے جانے کی طرف اشارہ ہوا ہے لیکن اس کا اصل سبب اور وسیلے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور چند دیگر روایتوں میں صریحاً لکھا ہے کہ امامؑ کو مامون کی طرف سے زہر ملا تھا۔ لیکن اس بات پر توجہ کرنی چاہئے کہ جن مورخوں نے امامؑ کی وفات

۱۔ امالی صدوق مجلس ۹۴، حدیث ۱۷۔ جلاء العیون ص ۵۵۱

کو طبیعی یا مشکوک ظاہر کیا ہے، وہ اہل سنت تھے جن پر استناد کرتے ہوئے مستشرقین اور بیرونی قلمکاروں نے بھی ایسا ہی رقم کیا ہے۔ جو کچھ اہل سنت کے تاریخ اور احادیث کی کتب سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام کو زہر دیا گیا تھا اور اسی کے اثر میں وفات پاگئے ہیں۔ چنانچہ علامہ مجلسی لکھتے ہیں:

فَالْحَقُّ مَا اخْتَارَهُ الصَّدُوقُ وَالْمُفِيدُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ اَجِلَّةِ اَصْحَابِنَا اَنَّهُ مَضَى شَهِيداً بِسَمِّ الْمَأْمُون.

یعنی حقیقت یہی ہے جو صدوق، مفید اور ہمارے دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرتؑ مامون کے زہر کے ذریعے وفات پاگئے۔(۱)

ہم آنے والی فصل میں ولایت عہدی کی بحث کے ضمن میں آپؑ کی شہادت کے بارے میں تجزیہ وتبصرہ کریں گے۔

جیسا کہ امام ہشتمؑ کی کیفیت وفات میں گونا گوں احادیث پائی جاتی ہیں اسی طرح آپؑ کے تاریخ وفات کے سلسلے میں مورخین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض آپؑ کی وفات کو ماہ رمضان اور بعض نے صفر سنہ ۲۰۲ یا ۲۰۳ھ میں آپؑ کی شہادت کو بیان کیا ہے جبکہ بعض دیگر روایتیں بھی اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن جو مشہور اور معتبر ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ آخر صفر ۲۰۳ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں، سناباد نامی مقام (حالیہ مشہد) پر مامون کے دیئے ہوئے زہر کے اثر میں دنیا سے چلے گئے۔ آپؑ کی امامت ۲۰ سال اور ولیعہدی کی مدت تقریباً ڈیڑھ سال رہ چکی ہے۔

دعبل خزاعی اور دوسرے شعراء نے آپ کے فراق وجدائی میں (بہت سے) اشعار کہے ہیں جن میں سے مشیع مدنی نے یوں کہا ہے:

یا بُقْعَةَ مَاتَ بِهَا سَیِّدی
مَا مِثْلُهُ فِی النَّاسِ مِنْ سَیِّدِ
ماتَ الْهُدیٰ مِنْ بَعْدِهِ وَالنَّدیٰ
وَشَمَرَ الْمَوْتُ بِهِ یقتدی
لا زالَ غَیْثُ اللّٰهِ یاقَبْرَهُ
عَلَیْکَ مِنْهُ رائِحاً مغتدی
کَانَ لَنا غَیْثاً بِهِ تَرْتَوی
وَکَانَ کَالنَّجْمِ بِهِ نَهْتَدی
اِنَّ عَلِیّاً ابنَ مُوسَی الرِّضَا
قَدْ حَلَّ وَالسُّوددُ فی مُلْحَدِ
یا عَیْنُ فَابْکِی بِدَمٍ بَعْدَهُ
عَلَیٰ انْقِرَاضِ المَجْدِ وَالسُّوْدَدِ (۱)

ترجمہ:

۱۔ اے وہ قطعہ زمین جس میں میرے آقا وفات پا گئے۔ لوگوں میں ان کے مانند کوئی پیشوا نہیں مل سکتا۔

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ باب ۶۴

۲۔ان (کی وفات) کے بعد ہدایت و بخشش کا سلسلہ ختم ہوا اور ان کے جانے کے ساتھ ہی موت بھی (سارے کمالات کو) اُچک لے گئی۔

۳۔اے میرے آقا کی قبر! ہمیشہ صبح (وشام) تجھ پر رحمتِ خدا کا نزول ہو۔

۴۔وہ ہمارے لئے ابر رحمت تھے جس سے ہم سیراب ہوتے اور ایک ستارہ کے مانند تھے جس سے ہم ہدایت پاتے تھے۔

۵۔علی بن موسیٰ الرضاؑ وفات پاگئے اور (ان کے ساتھ) سیادت و بزرگی بھی دفن ہوگئی۔

۶۔تو اے آنکھ ان کے بعد خون کا آنسو بہا! کیونکہ اب شرف و پیشوائی ختم ہوگئی۔

امام رضاؑ کی شہادت کے بعد جب مامون امامؑ اور فضل بن سہل سے آسودہ خاطر ہوا، اس نے خط کے ذریعے حسن بن سہل کو امامؑ کی وفات سے اور اس کے ساتھ ہی ایک اور خط بنی عباس کے بزرگوں کے نام پروانہ کیا جس میں ان سے یوں مخاطب ہوا:

"تمہاری مجھ سے ناراضی کی علت حضرت رضاؑ کی ولیعہدی تھی اور اب وہ رحلت کر گئے ہیں لہذا دوبارہ آشتی اور دوستی کی طرف پلٹنے میں تمہارے لئے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے۔"

اس کے بعد وہ بغداد کی طرف روانہ ہوا اور ایک مدت تک گرگان، ری اور ہمدان میں توقف کرنے کے بعد "نہروان" پہنچ گیا۔ دوران سفر اس نے طاہر ذوالیمینین جو "رقہ" میں تھا کے نام پر بھی ایک نامہ روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ جلدی سے نہروان پہنچ کر خلافت کی لشکریوں میں شامل ہو۔

مامون کا خاندان جو بغداد میں تھا، فوجی افسروں اور بغداد کے بزرگوں کے ساتھ

نہروان میں مامون کے استقبال کیلئے آیا اور اسے خلافت ملنے پر سلامی پیش کی گئی اور طاہر نے بھی خود کو نہروان پہنچا کر مامون کے ہمراہ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

بغداد میں پہنچنے کے بعد بنی عباسیوں نے طاہر کے وسیلے سے مامون سے یہ تقاضا کیا کہ ان کے سبز رنگ کے لباس اتار کر حسب سابق دوبارہ سیاہ کپڑے جو بنی عباس کا رواج تھا، پہن لئے جائیں۔ مامون نے ان کی درخوست قبول کر لی اور خود بھی سیاہ کپڑے پہن لئے۔

ابراہیم بن مہدی اور فضل بن ربیع جو مامون کے خوف سے فرار ہو چکے تھے، کچھ مدت کے بعد مامون کی سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خلیفہ کے سامنے حاضر کر دئے گئے لیکن مامون نے انہیں معاف کر دیا۔

مامون نے حسن بن سہل کے ساتھ محترمانہ رویہ اختیار کیا اور اسکی بیٹی پوران کو بھی اپنے عقد میں لے لیا۔ حسن جو عمر رسیدہ ہونے اور عراق میں اپنی حکومت کے دوران برپا ہونے والے ہنگاموں کی وجہ سے اب تھک چکا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق ذہنی توازن بھی ہاتھ سے دے چکا تھا، اب خانہ نشین ہو چکا تھا اور بہت کم مامون کے پاس آیا کرتا تھا۔ اسی بنا پر مامون نے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی وزارت کے عہدے کو احمد بن ابی خالد کے حوالے کیا جو کہ اچھے اور باتدبیر وزیروں میں سے تھا۔ (۱)

احمد بن ابی خالد نے مامون سے یہ پیشکش کی کہ طاہر کو خراسان کی حکومت کو سنبھالنے کیلئے وہیں روانہ کریں کیونکہ وہ وہاں کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے کافی تجربہ رکھتا

۱۔ تاریخ زندگی حضرت علی بن موسیٰ الرضا - تالیف سحاب ج ۲

ہے۔

مامون نے احمد کی رائے کی تصدیق کی تاہم طاہر سے بھی خوفزدہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کیلئے اگر حالات سازگار ہو جائیں گے تو وہ علم بغاوت کو بلند کر کے اس کے خلاف جنگ شروع کرے گا لہذا اس سلسلے میں اس نے اپنے وزیر کی رائے طلب کی۔

اس کے وزیر احمد نے کہا: میں اپنے ایک مخصوص غلام کو اس کے ہمراہ بھیج دوں گا تا کہ جب بھی طاہر بغاوت پر اتر آئے، زہر دے کر اس کے کام کو تمام کر دے۔ مامون نے سنہ ۲۰۵ ھ میں طاہر کو خراسان کی طرف روانہ کیا۔ وہ مرو میں داخل ہوتے ہی، چنانچہ مامون نے پیش بینی کی تھی ایسا ہی کیا یعنی ایک مستقل حکومت تشکیل دینے اور اس علاقے میں خلفائے بنی عباس کے اثر رسوخ کو ختم کرنے کے درپے ہوا۔ اسی غرض سے کچھ مدت کے بعد اس نے سلسلہ طاہریان کو تشکیل دیا اور ماہ جمادی الثانی ۲۰۷ ھ کے ایک جمعے میں خلیفہ کے نام کو خطبے سے حذف کیا اور اسی رات کو فوت ہو گیا۔ مؤرخین کے مطابق اسی غلام نے اسے زہر دیا تھا، جسے احمد نے اس کے ہمراہ بھیج دیا تھا۔

مامون نے خراسان کی حکومت کو طاہر کے بعد اس کے بیٹے طلحہ بن طاہر کے حوالے کیا یوں طاہریوں کی حکومت ۲۵۹ ھ تک خراسان میں باقی رہی اور اسی سال میں یعقوب لیث صفاری کے وسیلے سے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

ایک مدت تک مامون، بابک اور مازیار کے ساتھ مقابلے میں مشغول رہا اور ۲۱۵ ھ میں رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے موصل کے راستے سے طرسوس جو اسلامی ملک کی سرحد تھا، کی طرف روانہ ہوا اور ملک روم پر حملے کر کے وہاں کے بعض علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ملک شام کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے عبدوس کے مصوں کو کچل دینے

کے لئے مصر کی طرف چلا گیا۔ جب اس نے سنا کہ رومیوں نے طرسوس کے چند باشندوں کو قتل کیا ہے تو سنہ ۲۱۷ھ میں وہ دوبارہ شام کے راستے سے روم کی طرف چلا گیا اور ایک شدید جنگ لڑنے کے بعد وہاں کے بعض علاقوں پر قبضہ کیا۔ پھر وہاں سے بغداد کی طرف لوٹتے ہوئے، طرسوس کے اطراف میں واقع بدندون نامی چشمے پر کاروان خلافت نے پڑاؤ ڈالا۔ وہاں چند روز ٹھہرنے کے بعد اس پر بخار عارض ہوا اور وہیں پر وہ موت کا شکار ہوا۔ اس کے جنازے کو طرسوس لے جا کر دفنا دیا گیا۔ یہ حادثہ ۲۱۸ھ کو پیش آیا تھا جبکہ اس وقت مامون کی ۴۸ سال عمر تھی۔ (۱)

۱۔ تاریخ زندگی حضرت علی بن موسیٰ الرضا ۔ تالیف سحاب ج ۲ منتخب التواریخ ص ۵۲۶

ولیعہدی سے متعلق بحث وتحلیل

تاریخ اسلام میں بنی امیہ اور بنی عباس میں سے کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں ملتا جو مامون جیسے ذاتی صلاحیتوں کے مالک اور ہوشیار رہا ہو کیونکہ مامون میدان سیاست کے ماہر اور چالاک ترین کھلاڑی تھا جو تاریخ کے ہر واقعے سے فائدہ اٹھاتا اور اپنی زیر کی اور فراست کے ذریعے ہر قسم کے حالات سے نمٹ کر اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے راہ ہموار کیا کرتا تھا۔

وہ ہر مشکل کو تدبیر اور غور و فکر کے ذریعے برطرف کیا کرتا تھا، اور مشکل ترین گھاٹیوں سے نجات پانے کے لئے اپنی عقل و ہوشمندی کو بروئے کار لاتا اور بڑی استادانہ رفتار اختیار کیا کرتے ہوئے اپنے اصل ہدف کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھتا تھا حتی کہ بڑے تجربہ کار اور ماہرین کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا تھا چنانچہ ہر مؤرخ اور محقق اس کے بارے میں مختلف عقیدہ رکھتے تھے:

بعض لکھتے ہیں وہ شیعہ تھا اور خاندان اہلبیتؑ سے محبت بھی رکھتا تھا۔ بعض نے اس

کو متوکل عباسی کی طرح علویوں کا دشمن کہا ہے۔ جرجی زیدان لکھتے ہیں: مامون آزاد عقیدہ کا مالک تھا جبکہ وہ خود شیعہ اور اس کا وزیر یحیٰی بن اکثم سنی تھا۔ (۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: مامون نے زہر آلود انگور کے ذریعے علی بن موسیٰ الرضاؑ کو قتل کیا۔ (۲)

اسی طرح شیخ صدوق کے نقل کے مطابق مامون نے حضرت امیر المومنین کے بلافصل خلیفہ ہونے کے بارے میں کلام و حدیث کے چالیس علماء کے ساتھ تنہا مناظرہ کر کے ان سب پر غالب آگیا۔ (۳)

ایسی ہی مختلف آراء اور متضاد عقائد کے نتیجے میں بعض معاصر مورخوں نے بھی مامون کی طرفداری کرتے ہوئے اسے حضرت امام رضاؑ کو زہر دینے سے بری رکھنے کی (ناکام) کوشش کی ہے۔ حتی کہ وہ بزرگ شیعہ علماء جو متاخرین میں سے ہیں، نے بھی امام۔ کی مسمومیت کو مامون سے منسوب نہیں کیا ہے بلکہ اسے دوسرں کی طرف سے جانا ہے۔ (۴)

مورخین اور محدثین نے بھی چنانچہ گزشتہ فصل میں ذکر ہوا، اس بارے میں مختلف آراء کا اظہار کرتے ہوئے نتیجہ گیری کو اہل تحقیق کے ذمے چھوڑا ہے۔

راقم کی نظر میں امامؑ کے بیانات اور مامون کی باتوں نیز ان دونوں کی باہمی طرز

۲۔ وہی کتاب ص ۸۹۸

۳۔ عیون اخبار الرضا ج ۲، باب ۳۹

۴۔ صاحب کشف الغمہ و سید ابن طاؤس

گفتار کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح معاملے کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اب ہم ذیل میں ولیعہدی کے موضوع پر تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کریں گے۔

مامون نے اپنی گفتگو میں امام سے عرض کیا میں نے آپ کو خلافت کیلئے اپنے سے زیادہ سزاوار پایا اور چاہتا ہوں کہ اسے آپ کے حوالے کردوں اور میں خود بھی آپ کی پیروی کروں۔ لیکن امام رضا ؑ نے قبول نہیں فرمایا۔ مامون نے ولیعہدی کی پیشکش کی اور امامؑ نے پھر بھی انکار فرمایا یہاں تک کہ مامون نے امامؑ کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے ولیعہدی کو زبردستی آپؑ کے اوپر سونپا۔

شروع شروع میں انسان کے ذہن میں یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں امامؑ نے خلافت کو قبول نہیں فرمایا اور کیسے ولیعہدی کی قبولی کے لئے آمادہ ہوئے؟ کیا ولی عہدی کو قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی خلافت کی بھی تصدیق کی گئی ہے؟

امامؑ نے دو وجوہات کی بنا پر خلافت کو قبول نہیں فرمایا:

پہلی وجہ: وہ خلافت جس کی، ہارون اور منصور جیسے مامون کے بزرگوں نے بنا ڈالی تھی نیز جس کو خود مامون نے بھی اپنے بھائی امین اور دیگر بہت سے قتل و غارت کے بعد حاصل کیا تھا، ایک حقیقی خلافت نہیں ہو سکتی تھی کہ جس کے امام رضا ؑ عہدہ دار ہوتے مزید یہ کہ کچھ ایسی صورت بھی باقی نہ رہی تھی کہ ایسی حکومت کو ایک حقیقی اسلامی حکومت میں تبدیل کیا جا سکے۔

دوسری وجہ: مامون کی طرف سے، امامؑ کیلئے کی جانے والی خلافت اور ولیعہدی کی پیشکش نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے امامؑ سے زبانی اقرار لے لے اور بعد میں حقیقی معنوں میں مسند خلافت پر بٹھائے بغیر آپؑ کو لوگوں کی نظروں میں

دنیا طلبی اور حبِ جاہ کے عنوان سے بدنام کرے۔ اور امامؑ کے فرمان بھی اس مطلب کی تائید کرتا ہے کہ آپؑ نے مامون سے فرمایا تھا: تمہارا مقصد اس پیشکش سے یہ ہے کہ لوگ کہنے لگیں کہ علی بن موسیٰ الرضا دنیا سے بے رغبت نہیں ہے بلکہ وہ دنیا سے دلچسپی رکھتے ہیں کیا دیکھتے نہیں کہ کیسے خلافت کے طمع میں آ کر ولی عہدی کو قبول کیا ہے؟

لیکن ولیعہدی کو قبول کرنے کی علت یہ تھی کہ مامون نے آپ حضرتؑ کو اس سلسلے میں قتل کی دھمکی دی اور امامؑ کے فرمان سے غلط فائدہ اٹھایا چونکہ آپؑ نے فرمایا تھا۔ میرے والد نے اپنے آباءؑ سے انہوں نے امیر المومنینؑ سے انہوں نے رسول خدا ﷺ سے نقل فرمایا ہے کہ عباسیوں کے عقیدے کے باوجود خلافت خاندان علوی میں منتقل نہیں ہوگی تو مامون نے آنحضرتؑ کو لیعہدی قبول کرنے پر مجبور کیا۔ مامون کے اس قدر اصرار کرنے سے مقصد یہ تھا کہ ایک طرف سے امام رضاؑ کو دنیا طلبی اور جاہ طلبی کے حوالے سے لوگوں کی نگاہوں میں بدنام کرے اور دوسری طرف سے آپؑ کی ملکوتی شخصیت کے ولیعہدی کو قبول کرنے کے ذریعے اپنی خلافت کو مشروع قرار دے تا کہ افکار عامہ کے نزدیک اپنے مقام و مرتبہ کو بلند ثابت کرے اور امامؑ کے آسمانی شخصیت کو گھٹانے کی کوشش کرے۔

لیکن مامون ان تمام ہوشمندیوں اور زیرکیوں کے باوجود یہ نہیں جانتا تھا کہ امامؑ اس کے تمام باطنی ارادوں اور افکار سے باخبر ہیں اور آپؑ اس کے ان تمام سازشوں پر پانی پھیر دیں گے۔ جبھی تو آپؑ نے مامون کے منصوبے کو ناکام کرنے کے لئے فرمایا تھا:

میں ولیعہدی کو اس شرط کے ساتھ قبول کروں گا کہ کسی تقرر یا معزولی میں دخل نہیں کروں گا، کسی رسم و رواج سے سروکار نہیں رکھوں گا بلکہ ان کاموں کے بارے میں،

دُور رہ کر صرف مشورہ ہی دوں گا۔ یوں آپؑ نے سب پر یہ بات واضح کر دی کہ آپؑ کی شخصیت ، مامون کے آپؑ کے خلاف جاہ طلبی کے سلسلے میں پھیلائے ہوئے پروپیگنڈوں کے برعکس ہے، مخصوصا آپؑ کے اپنے خادموں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھانے کے رویئے سے آپ کے تواضع اور فروتنی کا مزید چرچا ہونے لگا۔

لیکن اس بات کی دلیل کہ مامون اپنی پیشکش میں مخلص نہ تھا، یہ ہے کہ اگر وہ واقعی امام کو خلافت کا حقدار اور خود کو غاصب اور ناحق سمجھتا یا ان لوگوں کے بقول جنہوں نے اس کا شیعہ کے طور پر تعارف کرایا ہے؛ خاندان ولایت سے عقیدہ رکھتا تو کیونکر امام کو قتل کی دھمکی دے سکتا تھا؟

شیعہ عقیدہ کے مطابق امامؑ واجب الاطاعت ہوتے ہیں اور آیت اَطِیعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُمْ. کے مطابق امامؑ کی اطاعت عین خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے تو اس صورت میں کسی کے لئے کیا جواز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے امام کے لئے کوئی تکلیف یا ذمہ داری معین کرے اور پھر زبردستی اور دھمکیوں کے ساتھ اسے منوائے؟

اگر مامون بقول خود خلافت کو اس کے حقیقی مالک کی طرف لوٹانے کی نذر کی ہوئی ہوتی اس کا طریقہ کار یہ نہیں تھا کہ امامؑ کو اپنے گماشتوں کے زیر نظر مدینہ سے مرو تک لاکر اپنے نظریے کو زبردستی ان پر تھوپ دے بلکہ یوں کرنا چاہئے تھا کہ مدینہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر معاملے کو آنحضرتؑ کے سامنے رکھدیتا اور ان سے اپنی تکلیف روشن کراتا یا خط کے ذریعے اس کام کو انجام دیتا یا کم از کم حضرتؑ کے مرو تشریف لانے کے بعد آپؑ سے عرض کرتا کہ خلافت کا حقیقی مالک آپؑ ہیں اور میرے آباء نے بنی امیہ کے مانند ظلم و ستم سے اسے حاصل کیا ہے اور اب میں حضور سے یہ تقاضا کرتا ہوں کہ فرمائیں کہ اس

وقت میرا کیا فرض بنتا ہے؟

پھر امام جو بھی حکم فرماتے بلا چون و چرا اسے نافذ کردیتا۔ معاویہ بن یزید کی طرح لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو خلافت سے معزول کر دیتا اور لوگوں کو امام رضا ؑ کی طرف دعوت دیتا۔

لیکن مامون نے ان اقدامات میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کیا بلکہ اپنی مصلحت اور موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے امامؑ کو مدینہ سے خراسان بلالایا تاکہ:

ایک تو یہ کہ علویوں کی تحریک جو اسلامی ملکوں کے گوشہ و کنار سے اٹھ رہی تھی، کو دبا دیا جائے اور دوسری طرف سے خود امام -کو زیر نظر رکھا جائے کیونکہ ممکن تھا کہ آپؑ جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکے تھے، زمینہ فراہم ہونے کی صورت میں اپنی حقانیت کو ثابت کرتے اور مامون کو خلافت سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ چنانچہ اس کے باپ ہارون اور منصور نے بھی امام موسیٰ کاظم اور امام جعفر صادق +کو اسی طرح تحت نظر رکھا تھا۔

تیسری وجہ یہ کہ وہ چاہتا تھا کہ خلافت کا ماحول جو علمی حقائق سے خالی تھا، میں پیش آنے ولاے فقہی اور علمی پیچیدہ مسائل کے حل کے بارے میں آپؑ کے وجود مبارک سے استفادہ کرے۔ پھر آپؑ کے مرو میں داخل ہونے کے بعد اس نے اس امام بزرگوارؑ کی معنوی شخصیت کو پائمال کرنے کی غرض سے آپؑ کے اوپر ولیعہدی کو بھی تھوپ دیا تاکہ لوگ آپؑ کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں شک کرنے لگیں۔ دوسری طرف سے اپنی خلافت کو شرعی رنگ دے کر اس کو سچا بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ وہ تمام مراسم اور تجلیلات جو ولیعہدی کے جشن میں ادا کئے گئے تھے سبھی دکھاوے اور بے بنیاد تھے تاکہ لوگوں کو معاملے کی حقیقت سے بے خبر رکھا جائے اور وہ اس کے اندرونی

اسرار سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ لیکن حضرت امام رضا - کے لئے یہ تمام سازشیں اور مکاریاں واضح اور آشکار تھیں چنانچہ مدائنی کی روایت کے مطابق آپ نے اپنے کسی قریبی شخص کو جو جشن ولیعہدی میں خوشیاں منا رہا تھا، کو ان حالات سے متعلق فرمایا: ان چیزوں سے زیادہ خوش نہ ہو اور خود کو ان میں مشغول نہ کر کیونکہ یہ کام اپنے انجام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پھر مامون کو بھی یہ بات سمجھانے کے لئے کہ میں تمہاری دوغلہ پالیسیوں سے آگاہ ہوں، اس کے لکھے ہوئے عہدنامے کی پشت پر آپؑ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد تحریر فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْيُنِ وَمَاتُخفِي الصُّدُوْرِ یعنی اس اشارے کے ساتھ کہ خدا دلوں کے بھید اور اسرار کو جاننے ہوالا ہے، مامو کو یہ سمجھا دیا کہ تم در حقیقت کوئی اور کام کرنا چاہتے ہو۔ آپؑ نے اپنے دستخط (مبارک) کے بعد یہ بھی مرقوم فرمایا کہ: جامعہ اور جفر اس عہد نامے کے خلاف دلالت کرتا ہے۔

لیکن ان سازشوں نے مامون کا ساتھ نہ دیا جو اس نے امامؑ کے خلاف کی تھیں اور ان پر عمل درآمد کے دوران امامؑ بہت سے لوگوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا چکے تھا اور بہت سے دیگر ادیان و مکاتب کے دانشمندوں اور عالموں کے ساتھ کئے گئے بحث و مناظروں کے ذریعے آپؑ کا علمی مقام و منزلت سب پر ظاہر ہو چکا تھا اور سبھی دانشمندوں اور صاحبان نظر نے آپؑ کی عظمت و مرتبت کی تصدیق کی تھی اور ہر مطلب اور نکتے میں آپؑ کے نظریے کو قبول کر چکے تھے اس طرح لوگوں کے ساتھ زیادہ رابطے میں رہنے کی وجہ سے آپؑ کا زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری زبان زدِ عام و خاص ہو چکی تھی اور یوں آپؑ کی مامون پر فوقیت و برتری سب پر واضح و آشکار ہو چکی تھی۔ دانا اور سنجیدہ افراد آپس میں کہا کرتے تھے: حضرت رضاؑ ہر جہت سے خلافت کے لئے مامون اور دوسروں سے زیادہ موزون اور

سزاوار ہیں اور آہستہ آہستہ یہ بات مامون تک پہنچی۔

مامون کو لوگوں کے دلوں میں امام کی معنویت کے نفوذ کر جانے کا اندیشہ تھا لہذا وہ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھی امام رضا ؑ کے گرویدہ ہو بیٹھیں اور یوں میرا تختہ الٹ جائے۔ چنانچہ امام رضا ؑ جب مرو میں نماز عید قائم کرنے کے لئے عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ ؑ کے حسن و جمال کو دیکھ کر نیز آپ ؑ کے ملکوتی اور نورانی کلمات کو سن کر لوگوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑنے لگی اور مامون اس صورت حال سے وحشت زدہ ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں اس نے (اپنے وزیر) فضل بن سہل کے مشورے پر آپ ؑ کو عید گاہ پہنچنے سے پہلے ہی واپس بلوالیا۔ ہم یہاں ان لوگوں سے جو مامون کے اقدامات کے بارے میں خوش ہیں، یہ سوال کرتے ہیں کہ جب مامون ایک گھنٹے کے لئے صرف اہل مرو کو امام ؑ کے ساتھ رہنے نہیں دیا تو کیونکر وہ ایسا کر سکتا تھا کہ خود خلافت سے دستبردار ہو کر اسے امام کے حوالے کر دیتے اور تمام امت مسلمہ کو آپ ؑ کے ماتحت قرار دیتے؟ اور ان کو آپ ؑ سے مستفیض ہونے دیتے؟

فرض کریں اگر لوگ حضرت امام رضا ؑ سے متاثر ہو کر آپ ؑ کی بعنوان خلیفہ بیعت کر بھی لیتے اور مامون سے ہاتھ اٹھا لیتے، تو کیا یہ مامون کا مقصود نہ تھا؟

اگر مامون حقیقی معنوں میں خلافت کو امام ؑ کے حوالے کرنا چاہتا تو لوگوں کے ایسا کرنے میں اس کے لئے کیا حرج تھا؟

لیکن مامون نے امام ؑ کو نماز عید پڑھانے سے روک کر اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ خلافت کو امام ؑ کے حوالے کرنے کے دعویٰ میں سچا نہیں تھا بلکہ اس اقدام سے اس کا کچھ اور مقصد تھا۔

مامون کو امامؑ کے لوگوں کے درمیان نفوذ پانے سے خطرہ محسوس ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب امامؑ مدینہ سے مرو کی طرف روانہ ہونے لگے تو مامون نے اپنے گماشتوں کو یہ دستور دیا کہ آنحضرتؑ کو کوفہ اور قم کے شہروں سے نہ گزارا جائے بلکہ بصرہ، اہواز اور فارس کے راستوں سے ہوتے ہوئے خراسان پہنچایا جائے، کیونکہ مذکورہ دو شہروں میں آپؑ کے عقیدتمندوں کی کثرت پائی جاتی تھی اور مامون کو آپؑ کے ان کے ساتھ قریبی ملاقات سے خوف تھا۔

ایک اور بات جس نے مامون کو پریشان کر رکھا تھا اور جس کو بعض مؤرخوں نے امامؑ کی شہادت کا سبب جانا ہے، وہ یہ تھی کہ مامون، امامؑ کے ساتھ کئے جانے والے اس برتاؤ میں، آپؑ کی تنقیدوں کا نشانہ بن جاتا تھا اور اگرچہ ظاہراً آپؑ کی باتوں کو قبول کرتا تھا لیکن اندر ہی اندر جاہ طلبی کے ہوس میں آپؑ کو نظر انداز کرتے اور آپؑ کی نصیحتیں اس پر گراں گزرتی تھیں چنانچہ شیخ مفید، طبرسی اور دوسرں نے بھی لکھا ہے کہ ایک روز جب امام رضاؑ مامون کی قیامگاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ نماز کے لئے وضو کر رہا ہے اور اسکا خادم اس کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے۔ فرمایا:

لا تُشْرِکَ بِعِبادَةِ رَبِّکَ اَحَداً۔ (اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو!) مامون نے غلام کو فارغ کیا اور خود وضو انجام دینے لگا۔

اسی طرح مامون جب بھی فضل اور حسن کے بارے میں آپؑ سے گفتگو کرتا تو آنحضرتؑ مامون کو ان کے عیوب سے آگاہ کر دیتے اور ان کی باتوں کو تسلیم کرنے سے اسے ہوشیار کر دیتے تھے۔ (۱)

۱۔ ارشاد مفید ج ۲، باب ۲۲

بہر حال وہ مہم ترین غلطی جس نے مامون کی تدبیروں اور سازشوں پر پانی پھیر دیا، یہ تھی کہ اس نے آپ کو ولیعہد بنا کر اگرچہ علویوں کی طرف سے اٹھنے والی تحریک کو دبا دیا لیکن یہی امر بغداد میں مقیم بنی عباسیوں کی شورش اور بغاوت کا سبب بنا۔ کیونکہ وہ امام کو منصب ولیعہدی پر بٹھانے کو، خلافت کو بنی عباس سے علویوں میں منتقلی گردانتے تھے۔ بطوریکہ مامون کی غیر موجودگی میں اسے معزول کر کے اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر ڈالی، چنانچہ پہلے بھی توضیح دی جا چکی ہے۔

مامون جو ہمیشہ پیش آنے والے حوادث سے اپنا فائدہ اٹھانے کی تدبیر اور سوچ میں ہوا کرتا تھا، اس دفعہ بھی اس نے ایک جدید منصوبہ تیار کیا تھا تا کہ اس کے ذریعے امام کی نسبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی محبتوں کو دبا دیا جائے نیز خاندان عباسی، جن کی طرف سے اس کی خلافت خطرے میں پڑ گئی تھی، کی شورشوں اور ہنگاموں کی آگ کو بھی بجھا دیا جائے اور جیسا کہ گزشتہ فصل میں ذکر ہوا کہ وہ بنی عباس کی تحریکوں کے خوف سے امام کو اپنے ہمراہ بغداد کی طرف نہ لے جا سکا تھا، اسی طرح علویوں کی دوبارہ اٹھنے والی تحریک کے پیش نظر یا خراسانیوں کی آنحضرتؑ کے حق میں کرنے والی طرفداریوں کی خاطر، آپ کو معزول بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اس کی نظر میں ان مشکلوں اور پریشانیوں سے نجات کا واحد حل یہی تھا کہ امام ؑ کو زہر دے کر آپ کی شہادت کو طبیعی موت ظاہر کرے تا کہ علویوں اور خراسانیوں کی جانب سے بھی آسودہ حال ہو اور بنی عباس کی طرف سے بھی آپ کی ولیعہدی کے بسبب اٹھنے والے ہنگاموں کو خاموش کیا جا سکے۔ اس ہدف کے پیش نظر، اس نے امام کی شہادت کے بعد بنی عباس کے سرکردوں کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں یوں مخاطب ہوا:

۱۔ امالی صدوق/ مجلس ۲۵/ حدیث ۱

''رضا ؑ تو وفات پا چکے ہیں اور تم لوگوں کے لئے جوان کی ولیعہد کی وجہ سے میرے خلاف ہو چکے تھے، دوبارہ صلح و آشتی اور میری اطاعت کرنے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔''

امام رضا ؑ کی مسمویت کا موضوع جس کو مورخین نے مختلف طریقوں سے لکھا ہے دو پہلوؤں سے قابل بحث و تحقیق ہے۔

۱۔ آپؑ کو زہر ملنا۔ ۲۔ یہ کہ کس وسیلے سے آپؑ کو زہر دیا گیا؟

پہلی جہت کے بارے میں مؤرخوں کی تحریروں کے علاوہ بہت سے معصومین ؑ سے روایت بھی نقل ہوئی ہیں کہ امام رضا ؑ خراسان میں زہر سے شہید کر دیئے جائیں گیا اور ہم ذیل میں راویوں کے سلسلے کو حذف کرتے ہوئے چار احادیث کو ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے:

حضرت امیر المؤمنین ؑ نے فرمایا:

۱۔ سَیُقْتَلُ رَجُلٌ مِنْ وُلْدِی بِاَرْضِ خُراسانِ بِالسَّمِّ ظُلْماً اِسْمُهُ اِسْمی وَ اِسْمُ اَبِیهِ ابنِ عِمْرانَ مُوسیٰ.....

یعنی جلد ہی میرے بیٹوں میں سے ایک سرزمین خراسان میں ظلم سے زہر دے کر قتل کر دیا جائے گا، اس کا نام میرا نام اور اسکے والد کا نام ابن عمران کا نام [یعنی] موسیٰ ہے۔(۱)

امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا:

۲۔ یُخْرِجُ رَجُلٌ مِنْ وُلْدِ ابْنِی مُوسیٰ اِسْمُهُ اِسْمُ اَمیرِ الْمُؤْمِنِینَ فَیُدْفَنُ

۱۔ امالی صدوق مجلس ۲۵/حدیث ۵

فِیْ اَرْضِ طُوْسٍ وَھِیَ بِخُرَاسَانَ یُقْتَلُ فِیْهَا بِالسَّمِّ فَیُدْفَنُ فِیْهَا غَرِیْباً......

میرے بیٹوں میں سے ایک شخص آئے گا جو امیر المومنین ؑ کا ہمنام ہوگا اور طوس کی سرزمین یعنی خراسان میں مدفون ہوگا جس میں وہ زہر کے ذریعے قتل کردیا جائے گا اور وہیں پردیسی کی حالت میں دفن کردیا جائے گا۔(۱)

امام موسیٰ کاظم ؑ نے فرمایا:

۳۔ اِنَّ ابْنِی عَلِیّاً مَقْتُوْلٌ بِالسَّمِّ ظُلْماً وَمَدْفُوْنٌ اِلٰی جَنْبِ هَارُوْنَ بِطُوْسٍ مَنْ زَارَهُ کَمَنْ زَارَ رَسُوْلَ اللّٰهِ.

یقیناً میرا بیٹا علیؑ زہر سے مظلومانہ قتل کردیا جائے گا اور ہارون کے پہلو میں مدفون ہوگا۔ اس کی زیارت کرنے والا ایسا ہی ہے جس نے رسول خدا ﷺ کی زیارت کی۔(۲)

۴۔ حضرت امام رضا ؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَامِنَّا اِلَّا مَقْتُوْلٌ شَهِیْدٌ فَقِیْلَ لَهُ مَنْ یَقْتُلُکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ شَرُّ خَلْقِ اللّٰهِ فِی زَمَانِی یَقْتُلُنِی بِالسَّمِّ ثُمَّ یَدْفُنُنِی فِی دَارِ مَضِیْعَةٍ وَبِلَادِ غُرْبَةٍ.

خدا کی قسم ہم اہل بیتؑ میں ہر ایک مقتول اور شہید ہوگا، آپؑ سے عرض ہوا: اے رسول خداؐ کے فرزند! آپ کو کون قتل کرے گا؟ فرمایا: میرے زمانے کے بدترین مخلوقِ خدا مجھے زہر سے قتل کرے گا پھر مجھے پردیس میں ایک خالی گھر میں دفن کردے گا۔(۳)

۲۔ عیون اخبار الرضاؑ ج۲ باب ۶۵ حدیث ۳۲

۳۔ امالی صدوق، مجلس ۱۵، حدیث ۸)

طبری کے علاوہ دوسرے تاریخ نویسوں نے بھی اپنی کتب میں امام کو زہر دیے جانے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان میں سے اکثر نے اس واقعے کے وقوع کو مامون کی طرف سے جانا ہے جبکہ بعض نے اس کے اصل عامل اور سبب کو ذکر کئے بغیر فقط آپ کی مسمومیت کے ذکر پر اکتفا کی ہے۔

اب جبکہ حدیث و تاریخ کی رو سے امام کی مسمومیت ثابت اور یقینی ہوئی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس حادثے میں مامون کا ہاتھ نہ ہوتا تو کس نے آپ کو زہر دیا؟

کیا مامون کے علاوہ کسی اور میں ایسی جرأت ہو سکتی تھی؟ ہم اس سلسلے میں خود مامون کی باتوں سے دلیل پیش کرتے ہیں:

جب مامون نے حضرت امام رضا ؑ سے ولیعہدی کی پیشکش کی تو حضرتؑ نے فرمایا: میرے والد گرامی نے اپنے آباء سے مجھے خبر دی ہے کہ میں تم سے پہلے ہی دنیا سے چلا جاؤں گا اور مظلومانہ زہر سے قتل کر دیا جاؤں گا پھر ہارون کی قبر کے نزدیک مدفون ہوں گا۔ (یہ سن کر) مامون گریہ کرنے لگا اور کہا: وہ کون ہے جو آپ کو قتل کرے یا میرے ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ برائی کرنے کی جرأت رکھتا ہو؟

ہم بھی مامون کے طرفداروں سے یہی سوال کرتے ہیں کہ مامون کے زندہ ہوتے ہوئے کس کو امام کو زہر دینے کی جرأت ہوئی؟

تو کیا اس صورت میں مامون کے سوا کسی اور کو اس واقع کا سبب جانا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

جو لوگ مامون کے بارے میں نیک عقیدہ رکھتے ہوئے اسے اس جرم سے بری سمجھتے ہیں، ان کا نظریہ یہ ہے کہ بنی عباس کے جاسوسوں نے امامؑ کو زہر دیا ہے جبکہ ان ایام

کے اوضاع اور صورت حال کی طرف ذرا سی توجہ کرنے پر اس بات کے بے بنیاد ہونا مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ امام اپنی اور مامون کی قیامگاہ کے علاوہ کہیں اور سے کوئی چیز ہی تناول نہیں فرماتے تھے کہ دوسرے آپ کو زہر دے سکیں اور مامون کی طرف سے بھی بعید ہے کہ اتنی ہوشیاری اور زیرکی کے باوجود بنی عباس کے جاسوسوں کو مرکز خلافت تک نفوذ پیدا کرنے دے۔ان سب کے علاوہ امام پہلے سے ہی اصل معاملہ سے آگاہ تھے انہوں نے مامون کے اصرار اور جبر پر زہر آلود انگور یا انار کو تناول فرمایا تھا لیکن دوسروں کے مقابلے میں اس قسم کا کوئی جبر و اصرار نہ تھا۔

اگر کوئی اور اس معاملے میں مداخلت کی ہوتی تو یقیناً امام ان کو پہچان لیتے اور اس کی نشاندہی بھی فرماتے چنانچہ حضرت امیر؏ اپنے قاتل ابن ملجم کو پہچانتے تھے اور بارہا فرمایا کہ پسر مرادی مجھے قتل کردے گا لیکن چونکہ جرم سے پہلے قصاص نہیں کیا جاسکتا تھا لہذا اسے کچھ نہ کیا۔

حضرت امام رضا؏ بھی جانتے تھے کہ کون آپؑ کو زہر دینے والا ہے؟ اور مامون کے اس سوال پر کہ کون آپؑ کو قتل کرے گا؟ آپؑ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو میں یہ بتا بھی سکتا ہوں لیکن کچھ مصلحتوں کی بنا پر آپؑ نے بیان نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے روانگی کے وقت ہی آپؑ معاملے کی حقیقت سے آگاہ تھے جبھی تو آپؑ نے اپنے کنبہ سے فرمایا: سب مل کر مجھ پر گریہ کرو (کیونکہ میں اس سفر سے لوٹ کر نہیں آسکوں گا)۔

اس کے علاوہ کچھ احادیث بھی ہیں جن میں امامؑ نے مامون کا صریحاً اپنے قاتل کے طور پر تعارف کرایا ہے۔ منجملہ شیخ صدوقؒ نے حسن بن جہم سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں امامؑ کے مناظرے کی ایک مجلس میں موجود تھا، مجلس کے خاتمے پر مامون نے امامؑ

سے عرض کیا: اے ابا الحسن، خدا مجھے آپ کے بعد زندہ نہ رکھے! خدا کی قسم حقیقی علم آپ اہلبیتؑ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ آپ کے تمام آباء کے علوم آپ میں منتقل ہو چکے ہیں۔ خدا آپ کو اسلام و مسلمین کی جانب سے جزائے خیر عطا کرے۔ جب امام رضا -اس مجلس سے باہر نکل کر اپنی قیامگاہ کی طرف تشریف لے گئے تو میں بھی آپؑ کے پیچھے چلا گیا اور عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! شکر ہے خدا کا کہ اس نے مامون کے دل کو آپؑ کے موافق کر دیا ہے کہ اس نے حضور کی باتوں کی تصدیق کی ہے اور آپؑ کا عزت و احترام کرنے لگا ہے!

امامؑ نے فرمایا: اے پسر جہم! اس کے میری باتوں کی تصدیق اور میرا احترام کرنے سے دھوکے میں نہ آنا! جلد ہی وہ مجھے زہر سے شہید کر دے گا اور مجھ پر ستم ڈھائے گا لیکن یہ بات اپنے مقررہ وقت پر عمل میں آئے گی۔ جس کے بارے میں میرے آباء نے رسول خدا ﷺ سے نقل کرتے ہوئے مجھے خبر دی ہے اور تو بھی اس راز کو جب تک میں زندہ ہوں، کسی سے نہ بتانا!

راوی کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث کسی سے ذکر نہیں کی یہاں تک کہ امام رضا طوس میں زہر سے شہید کر دئے گئے اور حمید بن قحطبہ کے گھر میں قبر ہارون کے پہلو میں مدفون ہوئے۔(۱)

لیکن جو لوگ مامون کو امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل کے حق میں، کلام و حدیث کے ۴۰ علماء کے ساتھ مناظرہ کرنے کی وجہ سے اس کے خاندان اہل بیت ؑ کے ساتھ

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲، باب ۴۵ بقیہ حدیث ۱

عقیدت رکھنے کے قائل ہیں اور سرانجام اسے امام کی معصومیت سے بری کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے اس نکتے کی طرف توجہ نہیں کی ہے کہ کسی چیز کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا ہی اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ وہ صاحب حق کے حق کا بھی خیال رکھتا ہے۔ ظاہراً مامون کے دانشمند ہونے نیز اس کے علیؑ کو خلیفہ بلافصل جاننے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی تردد نہیں ہے کہ وہ جانتا تھا کہ دوسرے ائمہؑ منجملہ امام رضا۔ آنحضرت کے حقیقی جانشین اور قابل اکرام واحترام تھے لیکن بال کے دانے سے بھی باریک تر ہزار نکتے اس میں ہیں کہ وہ ان تمام علم وآگہی کے باوجود اپنی حکومت سے ہاتھ اٹھا کر اسے صاحب حق کے حوالے نہیں کرسکتا تھا، اور یہ خصلت صرف مامون سے مخصوص نہیں تھی بلکہ بنی عباس اور بنی امیہ کے دیگر خلفاء مثلاً منصور دوانقی بھی جانتا تھا کہ خلافت امام جعفر صادقؑ کا حق ہے لیکن اس کے باوجود ان کو تحت نظر رکھ کر ستم ڈھاتا رہا اسی طرح ہارون رشید بھی خوب جانتا تھا کہ حق حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ ہے لیکن پھر بھی اس نے آپؑ کو سالوں سال زندانوں میں قید کر کے رکھا اور سرانجام اس نے آپؑ کو زہر سے شہید کردیا۔

یہی روش خلفائے بنی امیہ کی بھی تھی۔ کیا معاویہ یا اس کا مشیر عمروعاص نہیں جانتا تھا کہ حضرت علیؑ حق پر ہیں اور وہ لوگ جبراً اس امامِ حق کے ساتھ جنگ لڑنے پر تلے ہوئے ہیں؟

یقیناً وہ جانتے تھے مگر یہ کہ ان پر خلافت کا شوق اور لالچ غلبہ پا چکا تھا۔

اس سلسلے میں سفیان بن نزار نے خود مامون سے ایک مفصّل داستان نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:[1]

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۱ باب ۷ نقل از حدیث ۱۲

کہتے ہیں کہ ایک دن میں چند دوسرے افراد کے ساتھ مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مامون نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ مجھے کس نے تشیع کی تعلیم دی ہے؟

حاضرین نے جواب دیا، ہم نہیں جانتے ۔ مامون نے کہا: مجھے ہارون نے اس موضوع سے آگاہ کیا ہے۔ کہا گیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہارون نے اس خاندان کے افراد کو قتل کیا ہے؟

مامون نے کہا: درست ہے ہارون نے انہیں حکومت و سلطنت بچانے کی خاطر قتل کیا ہے کیونکہ الملک عقیم "(یعنی حکومت اندھی ہوتی ہے)۔ پھر مامون بقیہ حدیث نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: ایک دن میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مدینہ میں ہارون کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کمزور اور ناتوان بوڑھا حاضر ہوا جبکہ کثرت سجدہ کی وجہ سے اس کی پیشانی اور ناک پر نشان پڑ چکے تھے۔ ہارون نے اس کے دونوں آنکھوں اور ہاتھوں کو چوم لیا اور ہاتھ پکڑ کر اسے صدر مجلس میں بٹھا دیا اور اس کا بہت زیادہ احترام کیا۔ جب وہ مجلس سے جانے لگا تو اس کی تعظیم میں کھڑے ہوئے اور اس کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور مجھے اور میرے بھائیوں کو دستور دیا کہ تمہارے چچا اور آقا کے احترام میں دروازے تک ان کی ہمراہی کرو، ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر پلٹ آنے کے بعد جب مجلس خلوت ہو گئی تو ہارون سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا جس کی اس قدر تعظیم و احترام کیا جا رہا تھا؟

کہا یہ شخص لوگوں کے امام اور خدا کے بندوں پر اس کی حجت ہیں۔

میں نے کہا: کیا یہ صفات صرف ہم ہی سے مخصوص نہیں ہے ہیں؟

کہا: میں ظاہری طاقت اور زور وزبردستی سے ان لوگوں کا خلیفہ بن چکا ہوں لیکن موسیٰ بن جعفرؑ حقیقی اور برحق امام ہیں۔ قسم بخدا وہ رسولخداؐ کی جانشینی کے لئے مجھ سے اور تمام

لوگوں سے زیادہ سزاوار ہیں اور خدا کی قسم تم میرا بیٹا ہوتے ہوئے بھی اگر خلافت کے معاملے میں مجھ سے تنازعہ کروگے تو تیرا سرتن سے جدا کردیا جائے گا کیونکہ اَلْمُلْکُ عَقِیْمٌ۔(۱)

اس روایت اور اسی طرح کے منطق اور نظریے کے مطابق ان کے نزدیک جاہ و مقام کی محبت کو تمام خواہشوں اور آرزوؤں پر فوقیت حاصل تھی جس کی راہ میں خاندانی شفقت، مذہبی اعتقادات اور اخلاقی فرائض جیسے کوئی بھی امر حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ جس کسی کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتا، تو چاہے جیسے بھی خدمتگزار کیوں نہ ہو، فوراً اس کی موت کا سامان مہیا ہوجاتا تھا تاکہ اس کی احتمالی مزاحمت سے امن میں ہو۔ چنانچہ خود مامون نے بھی خلافت کے حصول کے لئے اپنے بھائی امین کو قتل کرکے اس کے سر کو بغداد سے مروالایا۔ اسی طرح بنی عباس کا دوسرا خلیفہ منصور نے ابو مسلم خراسانی کی، جو بنی امیہ کی شکست اور خلافت کے بنی عباس میں منتقلی کا موجب بنا تھا، بجائے تعریف اور حوصلہ افزائی، اس کو بری طرح قتل کردیا اور یہی روش دوسرے خلفاء میں بھی رائج رہ چکی ہے۔

جورج زیدان لکھتے ہیں: بنی عباسیوں کی اپنی خدمتگزاروں کے ساتھ غداری اور عہد شکنی اس قدر شہرت پاچکی تھی کہ وہ خود بھی اس کے ذریعے استدلال کیا کرتے تھے۔ مثلاً جب طاہر بن حسین جو خراسان میں فوجی کمانڈر تھا، نے مامون کی مدد سے امین کے خلاف قیام کیا تو امین نے اس کے نام درج ذیل خط لکھ کر روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے طاہر جان لو! جس نے ہمارے خاندان کی حمایت کی ہے سرانجام تلوار کے ذریعے اس کا خاتمہ ہوگیا، پس یا اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ یا موت کیلئے آمادہ ہوجاؤ! اتفاق سے جب مامون طاہر کی مدد سے امین پر غلبہ پا گیا تو طاہر کو مجرم قرار دیا گیا اور اسی کے ہاتھوں میں تربیت پائے ہوئے ایک کارندے کی وساطت سے اس کو زہر دلا دیا۔(۱)

پس ان مطالب پر غور کرنے کے بعد بھی اگر کوئی امام رضاؑ کو مامون کے ہاتھوں زہر ملنے سے انکار کرے گا تو گویا اس نے بدیہیات کا انکار کیا ہے اور مبانی عقلی اور منطقی استدلالات، اس کے پاس کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

....

۱۔ترجمہ تاریخ تمدن اسلام ص ۴۰

چوتھا باب

حضرت رضا ؑ کے فرمودات

۱۔ مختصر احادیث (کلمات قصار)

۲۔ منظوم فرمودات

۳۔ اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات

۴۔ طبی اور حفظان صحت سے متعلق آپؑ کی ہدایات

مختصر احادیث

۱۔ لَا یَکُونُ الْمُؤمِنُ مُؤمِناً حَتّٰی یَکُونُ فِیهِ ثَلاثَةُ خِصَالٍ:
سُنَّةٌ مِن رَبِّهِ وَسُنَّةٌ مِنْ نَبِیِّهِ وَسُنَّةٌ مِنْ وَلِیِّهِ.
فَاَمَّا السُّنَّةُ مِنْ رَبِّهِ فَکِتْمَانُ السِّرِّ.
وَاَمَّا السُّنَّةُ مِنْ نَبِیِّهِ فَمُدَارَاةُ النَّاسِ.
وَاَمَّا السُّنَّةُ مِنْ وَلِیِّهِ فَالصَّبْرُ فِی الْبَأسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ.

جب تک مومن یہ تین خصلتیں نہ ہوں وہ مومن نہیں ہوسکتا:
ایک سنت اپنے پروردگار سے، ایک سنت اس کے نبی سے اور ایک سنت اس کے ولی سے (اس کے اندر پائی جاتی ہو)۔
لیکن وہ سنت جو پروردگار کی اس میں ہونی چاہئے، وہ عیب پوشی ہے؛
اور اس کے نبی کی سنت لوگوں کے ساتھ مدارات و دوستی ہے؛
اور اس کے ولی کی سنت سختیوں اور مشکلوں میں صبر و تحمل کرنا ہے۔

۲۔ صَاحِبُ النِّعمَۃِ یَجِبُ عَلَیْهِ اَنْ یُوَسِّعَ عَلٰی عِیَالِهٖ

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ اپنے اہل وعیال کے اخراجات میں وسعت دے۔

۳۔ صَدِیقُ کُلِّ امْرِءٍ عَقْلُهٗ، وَعَدُوُّهٗ جَهْلُه۔

ہر شخص کا رفیق اس کی عقل ہے اور اس کا جہل اس کا دشمن ہے۔

۴۔ مِنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِیَاءِ التَّنْظِیفُ.

صفائی کے ساتھ رہنا انبیاء کی سیرت میں سے ہے۔

۵۔ لَمْ یَخُنْکَ الْاَمِینُ وَلٰکِنِ ائْتَمَنْتَ الْخَائِنَ۔

امین شخص نے تمہارے ساتھ خیانت نہیں کی ہے بلکہ تم نے خیانتکار کو امین سمجھا ہے۔

۶۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا سَلَبَ الْعِبَادَ عُقُولَهُمْ، فَاَنْفَذَ اَمْرَهٗ وَتَمَّتْ اِرَادَتُهٗ، فَاِذَا اَنْفَذَ اَمْرَهٗ رَدَّ اِلٰی کُلِّ ذِی عَقْلٍ عَقْلَهٗ، فَیَقُولُ کَیْفَ ذَا وَمِنْ اَیْنَ ذَا؟

جب خدا تعالیٰ کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے تو بندوں کی عقلوں کو لے لیتا ہے، پھر جب اپنے امر کو نافذ اور اپنے ارادے کو پورا فرماتا ہے، اپنے حکم لاگو فرمانے کے بعد ہر صاحب عقل کو اسی کی عقل دوبارہ عطا کرتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے: یہ کیسا ہے اور یہ کہاں سے آیا ہے؟

۷۔ اَلصَّمْتُ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ الْحِکْمَۃِ، اِنَّ الصَّمْتَ یَکْسِبُ الْمَحَبَّۃَ، اِنَّهٗ دَلِیلٌ عَلٰی کُلِّ خَیْرٍ.

خاموشی حکمت کے دروازوں میں سے ایک ہے۔ جب خاموش ہو گے تو محبت پاؤ گے کیونکہ خاموشی ہر خیر کی طرف راہنما ہے۔

ا۔ عیون اخبار الرضاج ۲، باب ۳۲؛ تحفۃ المھدویہ

۸۔ اَلْاَخُ الْاَکْبَرُ بِمَنْزِلَۃِ الْاَبِ.

بڑا بھائی باپ کا درجہ رکھتا ہے۔

۹۔ اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ.

لوگوں سے اظہار محبت کرنا نصف عقل ہے۔

۱۰۔ اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْقِیْلَ وَ الْقَالَ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ وَ کَثْرَۃَ السُّؤَالِ.

بے شک اللہ بحث ونزاع، مال کو ضائع کرنے اور زیادہ سوال کو پسند نہیں فرماتا۔

۱۱ اِنَّ الْاِیْمَانَ اَفْضَلُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِدَرَجَۃٍ، وَالتَّقْوٰی اَفْضَلُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِدَرَجَۃٍ.

یقیناً ایمان، اسلام سے ایک درجہ افضل ہے اور تقوی ایمان سے ایک درجہ بہتر ہے۔

۱۲۔ سُئِلَ عَنْ خِیَارِ الْعِبَادِ، قَالَ: اَلَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَ اِذَا اَسَائُوْا اسْتَغْفَرُوْا، وَاِذَا اُعْطُوْا شَکَرُوْا، وَاِذَا ابْتُلُوْا صَبَرُوْا وَ اِذَا غَضِبُوْا عَفَوْا.

امام علیہ السلام سے بہترین بندوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

بہترین بندے وہ ہیں، جب نیکی کریں تو خوش ہوتے ہیں، جب گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو خدا سے طلب مغفرت کرتے ہیں، جب کوئی چیز ان کو دیجائے تو شکریہ ادا کرتے ہیں، جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو عفوو درگزر سے کام لیتے ہیں۔

۱۳. وَسُئِلَ عَنْ حَدِّ التَّوَکُّلِ فَقَالَ : اَنْ لَا تَخَافَ اَحَداً اِلَّا اللّٰہَ.

آپ سے حدِ توکل کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: (توکل یہ ہے کہ) خدا کے سوا

کسی اور کا خوف نہ رکھے۔

۱۴۔ مِنَ السُّنَّةِ اِطْعَامُ الطَّعَامِ عِنْدَ التَّزْوِيجِ.

شادی بیاہ میں کھانا کھلانا ایک سنت ہے۔

۱۵۔ اَلْاِیْمَانُ اَرْبَعَةِ اَرْکَانٍ: اَلتَّقْوٰی عَلَی اللّٰہِ و الرِّضَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ، وَ التَّسْلِیمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ، وَالتَّفْوِیضُ اِلَی اللّٰہِ.

ایمان کے چار ارکان ہیں: خدا کا خوف رکھنا، خدا کے فیصلے پر راضی ہونا، خدا کے (ہر) حکم پر سر تسلیم خم کرنا اور اپنے معاملے کو خدا ہی کے اوپر چھوڑنا۔

۱۶۔ وَقِیلَ لَهُ: وَكَیْفَ اَصْبَحْتَ؟ فَقَالَ: اَصْبَحْتُ بِاَجَلٍ مَنْقُوصٍ، وَعَمَلٍ مَحْفُوظٍ، وَالْمَوْتُ فِی رِقَابِنَا، وَ النَّارُ مِنْ وَرَائِنَا، وَلَا نَدْرِی مَا یُفْعَلُ بِنَا.

آپ سے پوچھا گیا: حضور نے کیسے صبح کی؟ فرمایا: میں نے اس حالت میں صبح کی جبکہ میری عمر گھٹ رہی تھی، عمل لکھے جا رہے تھے، موت ہماری سروں پر منڈلا رہی تھی اور آگ ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں؟

۱۷۔ مَا اَلْتَقَتْ فِئَتَانِ قَطُّ اِلَّا نُصِرَ اَعْظَمُهُمَا عَفْوًا.

جب بھی دو گروہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں تو ان میں سے جو زیادہ بخشش اور عفو کا مالک ہوتا ہے وہی فتح پا جاتا ہے۔

۱۸۔ اَلسَّخِیُّ یَاْكُلُ مِنْ طَعَامِ النَّاسِ لِیَاْكُلُوا مِنْ طَعَامِهِ وَ الْبَخِیلُ لَا یَاْكُلُ مِنْ طَعَامِ النَّاسِ لِئَلَّا یَاْكُلُوا مِنْ طَعَامِهِ.

سخاوتمند، لوگوں کے پاس کھانا کھاتا ہے تاکہ لوگ اس کے پاس کھانا کھائیں اور

بخیل، لوگوں کے دسترخوان پر نہیں کھاتا کہ دوسرے بھی اس کے پاس کھانا نہ کھائیں۔

۱۹۔ یَأتِی عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ تَکُونُ العَافِیَةُ فِیهِ عَشرَةُ اَجزَاءٍ، تِسعَه مِنهَا فِی اِعتِزَالِ النَّاسِ وَ وَاحِدٌ فِی الصَّمتِ.

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں عافیت کے دس اجزاء ہوں گے، ان میں سے نو جزء گوشہ نشینی میں اور ایک خاموشی میں ہوگا۔

۲۰۔ عَونُکَ لِضَعِیفٍ مِنْ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ.

تمہارا، کسی ضعیف کی مدد کرنا بہترین صدقہ دینے کے مانند ہے۔

۲۱۔ لَا یَستَکمِلُ عَبدٌ حَقِیقَةَ الْإِیمَانِ حَتّٰی تَکُونَ فِیهِ خِصَالٌ ثَلَاثٌ، اَلتَّفَقُّهُ فِی الدِّینِ، وَ حُسنُ التَّقدِیرِ فِی الْمَعِیشَةِ، وَالصَّبرُ عَلَی الرَّزَایَا.

جب تک یہ تین خصلتیں (اللہ کے) بندے میں نہ ہوں، اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ا: دینی امور کو اچھی طرح جاننا ۲: معیشت میں اچھی طرح غور و فکر کرنا ۳: سختیوں اور مشکلوں میں صبر کرنا۔

۲۲. اَحْسِنِ الظَّنَّ بِاللّٰهِ، فَاِنَّ مَنْ حَسُنَ ظَنُّهُ بِاللّٰهِ کَانَ اللّٰهُ عِندَ ظَنِّهِ.

خدا کے بارے میں حسن ظن رکھا کرو کیونکہ جس کا اللہ کی نسبت اچھا گمان ہوگا تو خدا بھی اس کے گمان کے قرین ہوگا۔

۲۳. لَا یَتِمُّ عَقلُ امْرِءٍ مُسلِمٍ حَتّٰی تَکُونَ فِیهِ عَشرُ خِصَالٍ:

اَلْخَیرُ مِنهُ مَأمُول. وَالشَّرُّ مِنهُ مَأمُون.

یَستَکثِرُ قَلِیلَ الْخَیرِ مِن غَیرِهِ. وَ یَستَقِلُّ کَثِیرَ الْخَیرِ مِن نَفسِهِ. لَا یَسأَمُ مِن طَلَبِ الْحَوَائِجِ اِلَیهِ. وَلَا یَمَلُّ مِن طَلَبِ الْعِلمِ طُولَ دَهرِهِ. اَلْفَقرُ

فی اللہِ اَحَبُّ اِلَیہِ مِنَ الغنیٰ . وَالذُّلُّ فی اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیہِ مِنَ العِزِّفی عَدُوِّہِ.
وَالخُمولُ اَشهی اِلَیہِ مِنَ الشُّهرَةِ .لا یَریٰ اَحَدٌ اِلّا قالَ :هُوَ خَیرٌ مِنّی
وَاَتقیٰ.

اِنَّما النّاسُ رَجُلان:

رَجُلٌ شَرٌّمِنہُ وَاَتقیٰ، فَاِذا لَقِیَ الَّذی هُوَ شَرٌّمِنہُ وَاَدنیٰ قالَ لَعَلَّ خَیرُ هٰذا باطِنٌ وَهُوَ خَیرٌ لَہُ وَخَیرِی ظاهِرٌ وَهُوَ شَرٌّلی، وَاِذا لَقِیَ الَّذِی هُوَ خَیرٌ مِنہُ وَاَتقیٰ تَواضَعَ لَہُ لِیَلحَقَ بِہِ فَاِذا فَعَلَ ذالِکَ فَقَد عَلا مَجدُہُ وَطابَ خَیرُہُ وَحَسُنَ ذِکرُہُ وَسادَ اَهلَ زَمانِہِ.

کسی مسلمان کی عقل اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں یہ دس خصلتیں نہ ہوں:

اس سے خیر کی امید ہو، اس کے شر سے امن ہو؛ دوسروں کی قلیل نیکی کو زیادہ جانے اور اپنی زیادہ نیکیوں کو ناچیز گردانے؛ اس سے طلب کی جانے والی حاجتوں سے دلگیر نہیں ہوتا ہو؛ عمر بھر علم کے طلب سے ملول نہ ہوتا ہو؛ راہِ خدا میں فقر و تنگدستی کو برداشت کرنا اس کے لئے امیری سے زیادہ محبوب ہو، خدا کی خاطر رسوائی اٹھانا اس کے لئے خدا کے دشمن کے ساتھ (پائی جانے والی) عزت سے زیادہ پسندیدہ ہو، گمنامی شہرت سے زیادہ چاہتا ہو؛ جس کو بھی دیکھے وہ کہنے لگے: وہ مجھ سے زیادہ اچھا اور پرہیز گار ہوگا۔ (کیونکہ) آدامی دو قسم کے ہیں ایک اس سے بہتر اور زیادہ متقی اور دوسرا اس سے بدتر اور پست تر ہے؛ تو جب اس شخص سے ملتا ہے جو اس سے بدتر ہے تو کہنے لگتا ہے: شاید اس کی خوبی پوشیدہ ہو جو کہ اس کے حق میں بہتر ہے اور شاید میری خوبی ظاہر ہو جو کہ میرے لئے بہتر نہیں ہے؛ اور

جب اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس سے بہتر اور زیادہ پرہیز گار ہے تو اس کیلئے تواضع اور انکساری کا اظہار کرتا ہے تا کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ ملحق ہو جائے پس جب مومن ایسا کرے گا تو اس کی بزرگی بڑھ جائے گی، اُس کی خوبیاں پاک اور اس کا تذکرہ نیک ہو جائے گا اور خود اپنے زمانے کا سردار ہو گا۔

۲۴. اَلْعُجْبُ دَرَجاتٌ:

مِنْها اَنْ يُزَيَّنَ لِلْعَبْدِ سوءُ عَمَلِهِ فَيَراهُ حَسَناً فَيُعْجِبُهُ وَ يَحْسَبُ اَنَّهُ يُحسِنُ صُنْعاً.

وَمِنْها اَنْ يُؤْمِنَ الْعَبْدُ بِرَبِّهِ فَيَمُنَّ عَلَى اللهِ وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ عَلَيْهِ فيهِ.

عُجب کے درجات ہیں: پہلا درجہ: بندے کے برے اعمال کو اس کیلئے مزین کر کے دکھایا جاتا ہے تو وہ اسے بھلے معلوم ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں گمان کرتا ہے کہ وہ اچھے کام انجام دے رہا ہے۔

دوسرا درجہ: بندہ اپنے پروردگار پر ایمان لا کر اس پر احسان جتانے لگتا ہے جبکہ اس سلسلے میں خدا کا احسان اس پر ہے۔

۲۵. اِنَّ مِنْ عَلاماتِ الْفِقْهِ الْحِلْمَ وَالصَّمْتَ.

سمجھ بوجھ کی علامتوں میں سے ایک خاموشی ہے۔

۲۶. ما بَعَثَ اللهُ نَبِيّاً قَطُّ اِلاّ بِتَحْريمِ الْخَمْرِ وَاَنْ يُقِرَّ لِلّٰهِ بِالْبَداءِ.

خدا نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ حرمتِ شراب اور خدا کے لیے بَداء ہونے کے اقرار کے ساتھ۔

۲۷. اَلْاَئِمَّةُ خُلَفاءُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ في اَرْضِهِ.

ائمہ خدا کی زمین پر اس کے نمائندے ہیں۔

۲۸۔ مَن رَضِیَ بِالْقَلِیلِ مِنَ الرِّزْقِ قَبِلَ مِنْهُ الْیَسِیرَ مِنَ الْعَمَلِ۔

جو قلیل رزق پر راضی ہوگا اس کے قلیل عمل مقبول ہوں گے۔

۲۹۔ اَلْمُسْتَتِرُ بِالْحَسَنَةِ یَعْدِلُ سَبْعِینَ حَسَنَةً وَالْمُذِیعُ بِالسَّیِّئَةِ مَخْذُولٌ وَالْمُسْتَتِرُ بِالسَّیِّئَةِ مَغْفُورٌ لَهُ۔

نیکی کو پوشیدہ رکھنے والے کو (آشکار نیکی کے) ستر برابر ثواب ملے گا، کھل کر گناہ کرنے والے کے لئے رسوائی اور خواری ہوگی اور گناہوں کو چھپانے والا بخش دیا جائے گا۔

۳۰۔ مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ رَبِحَ، وَمَنْ غَفَلَ عَنْهَا خَسِرَ، وَمَنْ خَافَ اَمِنَ، وَمَنِ اعْتَبَرَ اَبْصَرَ، وَمَنْ اَبْصَرَ فَهِمَ وَ مَنْ فَهِمَ عَلِمَ۔

جس نے (اپنے) نفس کا محاسبہ کیا وہ منافع پائے گا، جو اس سے غافل رہا اسے خسارت ہوئی، جو (خدا سے) ڈرے گا وہ (اس کے عذاب سے) امن میں رہے گا، جو (واقعات و حادثات سے) عبرت حاصل کرے گا وہ بصیرت پا جائے گا، اور جس نے بصیرت پائی اس نے فہم و شعور کو پالیا اور جسے فہم ملا اسے علم ملا۔

۳۱۔ اَفْضَلُ الْمَالِ مَا وُقِیَ بِهِ الْعِرْضُ۔

بہترین مال و دولت وہ ہے جس کے ذریعے عزت کا تحفظ ہو۔

۳۲۔ اَلْمُؤْمِنُ اِذَا غَضِبَ لَمْ یُخْرِجْهُ غَضَبُهُ عَنْ حَقٍّ وَاِذَا رَضِیَ لَمْ یُدْخِلْهُ رِضَاهُ فِی بَاطِلٍ۔

جب مومن غضبناک ہوتا ہے تو اس کا غصہ اسے حق سے تجاوز کرنے نہیں دیتا اور جب

خوش حال ہوتا ہے تو اس کی خوشی اسے باطل کی طرف جانے نہیں دیتی۔

اَلْاِیْمَانُ اَدَاءُ الْفَرَائِضِ وَاجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ، وَالْاِیْمَانُ هُوَ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ عَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ۔

ایمان (سے مراد) فرائض کو ادا کرنا حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے؛ نیز ایمان سے مقصود دل میں معرفت رکھنا، زبان کے ذریعے اقرار اور اعضاء کے ذریعے عمل کرنا ہے۔

آپؑ کے منظوم فرمودات

حضرت امام رضاؑ سے کلمات قصار کے علاوہ منظوم فرمودات بھی نقل ہوئے ہیں جن میں سے ذیل کے اشعار بھی ہیں۔

یَعِیبُ النَّاسُ کُلُّھُمْ زَمَانًا   وَ ما لِزَمَانِنَا عَیبٌ سِوَانا

نَعِیبُ زَمانَنا وَ الْعَیبُ فِینَا   وَلَوْ نَطَقَ الزَّمانُ بِنا هَجانا

وَانَّ الذِّئبَ یَترُکُ لَحمَ ذِئبٍ   وَیَأکُلُ بَعْضُنا بَعْضاً عَیانا

لَبِسنالِلْخداعِ مَسُوکَ طَبْیٍ   فَوَیْلٌ لِلْغَرِیبِ اِذا اَتَانا

۱۔ لوگ زمانے کا عیب نکالتے ہیں جبکہ ہمارے زمانے میں خود ہمارے سوا اور کوئی عیب ہی نہیں ہے۔ (یعنی ہم نے ہی اپنی کرتوتوں سے زمانے کو برا بنا رکھا ہے۔)

۲۔ ہم اپنے زمانے کی برائی کرتے ہیں حالانکہ عیب خود ہمارے اندر ہیں اور اگر زمانہ ہمارے ساتھ بات کرتا تو وہ ہمیں برا بھلا کہتا۔

۳۔ یقیناً بھیڑیا، بھیڑیے کا گوشت نہیں کھاتا جب کہ ہم کھلم کھلا ایک دوسرے کا

گوشت کھا جاتے ہیں۔

۴۔ ہم نے (لوگوں کو) فریب دینے کے لئے ہرن کی کھال (اچھے کپڑے) پہن رکھے ہیں تو ہمارے پاس آنے والے اس ناواقف کا خدا ہی بھلا کرے۔

ایک دن مامون امام رضاؑ سے عرض کرنے لگا کہ حلم کے بارے میں کوئی شعر ارشاد فرمائیں، تو آپ نے فرمایا:

اِذَا کَانَ دُوْنِی مَنْ بَلَیْتُ بِجَهْلِهِ

اَبَیْتُ لِنَفْسِی اَنْ تَقَابَلَ بِالْجَهْلِ

وَاِنْ کَانَ مِثْلِی فِی مَحَلِّی مِنَ النُّهِیِ

اَخَذْتُ بِحِلْمِی کَیْ اَجِلَّ عَنِ الْمِثْلِ

وَاِنْ کُنْتُ اَدْنٰی مِنْهُ فِی الْفَضْلِ وَالْحِجیٰ

عَرَضْتُ لَهٗ حَقَّ التَّقَدُّمِ وَالْفَضْلِ

جب کوئی مجھ سے پست تر ہو اور میں اس کی نادانی میں مبتلا ہو جاؤں تو میں خود کو اس کے جہل سے برابری کرنے سے منع کرتا ہوں۔

اور جو شان و مرتبت کے اعتبار سے میرے برابر ہوگا تو میں اس کے لئے حلم اور بردباری کو اپناؤں گا تاکہ اپنے ہم مثل پر برتری پاؤں۔

اور اگر فضیلت و عقل کے حوالے اس سے کمتر ہوں گا تو میں حق تقدم اور فضیلت کو اسی کے حوالے کروں گا۔

پھر مامون ہی نے کہا:

نادانی اور دوست کی برائی اور سرزنش ترک کرنے کے بارے میں بھی کوئی شعر

ارشاد فرمائیں! تو آپ نے فرمایا:

اِنّی لَیَھجُرُنی الصَّدیقُ تجنُّبا

فَاَرَاہُ اَنَّ لِھجرِہِ اَسبا باً

وَ رَآہُ اِنْ عاتَبتُہُ اَغرَیتُہُ

فَاَریٰ لَہُ ترکَ العِتاباً

وَ اِذا بُلِیتُ بِجاھِلٍ مُتَحکّمٍ

یَجِدُ المُجالَ مِنَ الاُمُورِ صَواباً

اَوْ لَیتُہُ مِنّی السُّکوتَ وَرُبّما

کَانَ السُّکوتُ عَنِ الجوابِ جواباً

(میرا) دوست مجھ سے دوری اختیار کر رہا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے کچھ نہ کچھ اسباب (ضرور) ہیں۔

یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ میں اگر اس سلسلے میں اس کو برا بھلا نہ کہوں تو گویا میں نے اسے مزید ناراض کیا ہے پس اس کی سرزنش نہ کرنا بھی اس کے حق میں برا ہی ہوگا۔

اگر کبھی میں ایسے جاہل کے ذریعے آزمایا جاؤں جو محال کاموں کو بھی صحیح جانتا ہے تو خاموشی کو ہی ترجیح دوں گا کیونکہ بعض اوقات خاموشی ہی بہترین جواب ہوا کرتا ہے۔

اِنّکَ فِی دارٍ لَھا مُدَّۃٌ — یُقبَلُ فِیھا عَمَلُ العامِلِ

اَماتَریٰ المُوتَ مُحِیطاً — یَسلُبُ مِنھا اَمَلَ الاَمِلِ

تُعَجِّلُ الذَّنبَ بِمَا تَشتَھِی — وَ تامُلُ التَّوبَۃَ مِنْ قابِلٍ

وَالمَوتُ یاتِی اَھلَہُ بَغتَۃً — ماذاکَ فِعلُ الجازِمِ العاقِلِ

تم ایک ایسے گھر (دنیا) میں ہو جس کے لئے ایک (محدود) مدت پائی جاتی ہے اور عمل کرنیوالے کا عمل اس مدت میں قبول کیا جاتا ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو موت اس مدت (یعنی زندگی) پر جمی ہوئی ہے اور ہر آرزومند کی آرزو کو اُچک لے جاتی ہے۔

جب گناہ کرنا چاہتے ہو تو اس میں شتاب زدہ ہو جاتے ہو لیکن توبہ کرنے میں آج کل کرتے ہو اور موت اپنے صاحب پر اچانک آپڑے گی اور ایسا (یعنی توبہ کی امید سے گناہ) کرنا عاقل اور محتاط انسان کا کام نہیں ہے۔

محمد بن یحیٰی بن ابی عباد نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے کہ ایک دن امام رضا - یہ اشعار ارشار فرمارہے تھے:

كُلُّنَا نَامُلُ مَدًا فِي الاَجَل　　وَالْمَنَايَاهُنَّ آفَاتُ الْاَمَلِ

لَا تَغُرَّنْكَ اَبَاطِيلُ الْمُنىٰ　　وَالْزَمِ الْقَصْدَ وَدَعْ عَنْكَ الْعِلَل

اِنَّمَا الدُّنْيَا كَظِلٍّ زَائِلٍ　　حَلَّ فِيهَا رَاكِبٌ ثُمَّ رَحَل

ہم سب ہی آرزو کرتے ہیں کہ زندگی طولانی ہو جبکہ موت بھی آرزوؤں کے لئے آفت ہے۔

(دنیا کی) جھوٹی تمنائیں تجھے دھوکے میں نہ ڈالیں (لہذا) میانہ روئی اختیار کرتے ہوئے بہانہ جوئی کو ترک کر۔

دنیا تو صرف ایک سائے کی مانند ہے جو جلد ہی چھٹ جاتا ہے۔ جس میں سواری (کچھ دیر) ستانے کیلئے بیٹھ جاتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔

شیخ صدوقؒ روایت کرتے ہیں کہ مامون نے ایک کنیز کو امام رضا - کی خدمت میں

آپؑ کی خادمہ کے بطور بھیجا۔ جب وہ کنیز عمر رسیدگی کی وجہ سے آپؑ کی خدمت کرنے میں کراہت محسوس کرنے لگی تو حضرتؑ نے اسے لوٹا دیا اور مامون کو یہ اشعار لکھ کر بھیج دیے:

نَعیٰ نَفسِی اِلیٰ نَفسِی الْمَشِیبُ — وَعِنْدَ الشَّیبِ یَتَّعِظُ اللَّبِیبُ
فَقَدْ وَلَّی الشَّبَابُ اِلیٰ مَدَاهُ — فَلَسْتُ اَرَایٰ مَوَاضِعِهِ یَؤُبُ
سَاَبْکِیهِ وَ اَنْدُبُهُ طَوِیْلاً — وَاَدْعُوهُ اِلَیَّ عَسٰی یُجِیبُ
وَهَیْهَاتَ الَّذِیْ قَدْفَاتَ مِنِّی — تُمَنِّیْنِی بِهِ النَّفْسُ الْکَذُوبُ
وَرَاعَ الْغَانِیَاتُ بَیَاضَ رَاسِی — وَمَنْ مُدَّ الْبَقَاءُ لَهُ یَشِیبُ
اَرَی الْبِیْضَ الْحِسَانَ یَحِدْنَ عَنِّی — وَفِی هِجْرَانِهِنَّ لَنَا نَصِیبُ
وَاِنْ یَکُنِ الشَّبَابُ مَضٰی حَبِیْباً — فَاِنَّ الشَّیْبَ اَیْضاً لِی حَبِیبُ
سَاَصْحَبُهُ بِتَقْوَی اللّٰهِ حَتّٰی — یُفَرِّقَ بَیْنَنَا الاَجَلُ الْقَرِیبُ

میرے بڑھاپے نے مجھے موت کی خبر دی اور عاقل آدمی بڑھاپے میں نصیحت پاجاتا ہے۔

جوانی نے اپنے پورے دور میں مجھ سے پہلوتہی کی اور میں اس کے لمحوں کو پلٹتے ہوئے نہیں پاتا۔

میں اپنی کھوئی ہوئی جوانی پر بہت روؤں گا اور اسے پکاروں گا شاید وہ مجھے جواب دے۔

لیکن گذری ہوئی جوانی کا (لوٹ آنا) تو بہت دور کی بات ہے۔ میرا جھوٹا نفس مجھے

اس کی تمنائیں دلاتا رہا۔

میرے سر کی سفیدی دیکھ کر گانے والیاں مجھ سے وحشت زدہ ہو گئیں اور جو زیادہ دنیا میں رہے گا بوڑھا ہو جائے گا۔

میں دیکھتا ہوں کہ حسینائیں اور گوریاں مجھ سے منہ موڑ رہی ہیں اور ہمارے لئے بھی ان کی جدائی میں بہرہ مندی ہے۔

اگر گذری ہوئی جوانی عزیز تھی تو (موجودہ) بڑھاپا بھی میرے لئے پسندیدہ ہے۔

میں بڑھاپے کی خدا سے ڈرتے ہوئے ہمراہی کروں گا یہاں تک کہ اجل جو قریب ہے آکر ہمارے درمیان میں جدائی ڈالے گی۔(۱)

اخلاقی اور معاشرتی نصیحتیں

حضرت امام رضاؑ نے معاشرتی اور خلاقی نصیحتوں پر مشتمل ایک قصید تحریر فرمایا تھا جسے قصیدہ ہائیہ کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ قصیدہ بھی آپ کے منظور فرمائشوں میں شامل ہوتا تھا تاہم چونکہ اس کا موضوع معاشرہ اور اخلاق سے مربوط تھا لہذا اسے ایک جداگانہ فصل میں قرار دے کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

خود پسندی اور خدا سے غفلت برتنے کی مذمت میں:

وَعَجباً لِلْمَرءِ فِی لَذَّتِهِ　　　يَجُرُّ ذَيلَ التِّيهِ فِی خَطْرَتِه

يَزْجُرُهُ الْوَعظُ فَلا يَنْتَهِی　　　كَانَّهُ الْمَيْتُ فِی سَكْرَتِه

يُبارِزُ اللهَ بِعِصْيانِه　　　جَهْراً وَلا يَخْشاهُ فِی خَلْوَتِه

وَاِنْ يَقَعُ فِی شِدَّةٍ يَبْتَهِل　　　فَاِنْ نَجیٰ عادَ اِلیٰ عادَتِه

تعجب ہے (اس مادی دنیا سے) لذت اٹھانے والے شخص پر، جو انسان کو اس کے ہدف میں سرگردان کر دیتا ہے۔

وعظ و نصیحت اسے (رہ رہ کر) ٹوک رہی ہے لیکن وہ باز نہیں آتا گویا وہ ایک ایسا مردہ

ہے جو سکراتِ موت میں پڑا ہوا ہے۔

وہ اپنے کھلے گناہوں کے ذریعے خدا کے مقابلے میں آجاتا ہے اور خلوت میں بھی اس سے نہیں ڈرتا۔

اگر کبھی سختی میں پڑ جائے تو فرار کرنے لگتا ہے پھر جب چھٹکارا پاتا ہے تو پھر سے اپنی عادتوں (گناہوں) کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

۲۔ خدا پرستی اور تلاوت قرآن کی ترغیب میں:

اِرغَبْ لِمَولاکَ وَکُنْ رَاشِداً
وَاعْلَمْ بِاَنَّ العِزَّ فِی خِدْمَتِہ
واُتْلُ کتَابَ اللهِ تُھْدیٰ بِہ
وَاتَّبِعِ الشَّرْعَ عَلیٰ سُنَّتِہ

اپنے مالک کی طرف مائل ہو کر ہدایت پا جاؤ۔ جان رکھو کہ عزت و شرف اسی کی بندگی میں ہے۔

کتابِ خدا کی تلاوت کرو کہ تم اس سے ہدایت پاؤ گے نیز رسول خدا ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرو۔

۳۔ حرص ولالچ کی مذمت میں:

لَا تَحرِصَنَ فَالْحِرْصُ یُزرِیٰ الْفَتیٰ
وَیُذْھِبُ الرَّونَقَ مِنْ بھجتِہٖ

لالچ اور حرص سے دور رہو کیونکہ لالچ مرد کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور اس کی خوشیوں کی رونق کو ختم کر دیتا ہے۔

۱۔ رسالۃ الذہبیۃ ترجمہ نصیر الدین امیر صادقی ذرا تصرف کے ساتھ

۴۔ تقدیر الٰہی پر راضی ہونے کے بارے میں:

وَالْحَظُّ لَا تَجْلُبُهُ حِيلَةٌ   كَيفَ يَخَافُ الْمَرءُ مِنْ فُرْقَةٍ

مَافَاتَكَ الْيَومَ سَيَاتِي غَداً   مَافِي الَّذِي قُدِّرَ مِنْ حِيلَتِهِ

قَضَائُهُ الْمَحْتُومُ فِي خَلْقِهِ   وَحُكْمُهُ النَّافِذُ مَعَ قُدْرَتِهِ

حیلہ گری اور چارہ جوئی سے نصیب و قسمت نہیں بن سکتی تو اس صورت میں کیونکر آدمی اس کی جدائی کا خوف کھاتا ہے۔

آج ہاتھ سے نکلا ہوا دن جلد ہی کل آجائے گا اور جو کچھ مقدر رہا ہے اس میں کوئی چارہ کار نہیں۔

خدا کا فیصلہ مخلوق کے بارے میں اٹل ہے اور اس کا حکم بھی اس کی قدرت کے پیش نظر (سب پر) لاگو ہے۔

۵۔ تقسیم شدہ رزق کے بارے میں:

وَالرِّزْقُ مَضْمُونٌ عَلَى وَاحِدٍ   مَفَاتِحُ الْأَشْيَاءِ فِي قَبْضَتِهِ

قَدْ يُرْزَقُ الْعَاجِزُ مَعَ عَجْزِهِ   وَيُحْرَمُ الْكَيِّسُ مَعَ فِطْنَتِهِ

(مخلوق کی) روزی خدائے واحد کے ذمے ہے، تمام اشیاء کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔

کبھی عاجز انسان کو بھی، اس کی ناتوانی کے باوجود رزق عطا ہوتا ہے اور (کبھی) زیرک اور ہوشیار شخص اپنی تمام چالاکیوں کے باوجود محروم رہ جاتا ہے۔

۶۔ فقیروں کو دھتکارنے سے منع کے بارے میں:

لَا تَنْهَرِ الْمِسْكِينَ يَوْماً اَتَىٰ   فَقَدْ نَهَاكَ اللهُ عَنْ نَهْرَتِهِ

اگر کبھی کوئی محتاج و نادار (تیرے پاس) آجائے تو اسے مت دھتکارو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اسے دھتکارنے سے منع فرمایا ہے۔

۷۔ صبر کے بارے میں:

اِنْ عَضَّ الدَّهرُ فَكُنْ صابِـراً   علی الَّذی نا لَکَ مِنْ عَضَّتِه

اَوْ مَسَّکَ الضُّرُّ فلا تشتکیٰ   اِلاَّ لِمَــنْ تَطْمَعُ فی رَحْمَتِه

اگر زمانہ تجھے سختیوں میں ڈالے تو اس کی طرف سے پیش آنے والی تمام گرفتاریوں پر صبر کر۔ یا اگر تجھے کوئی گزند پہنچائے تو صرف اسی کی بارگاہ میں شکایت کر جس کی رحمتوں پر تیری نگاہ ٹھہری ہوئی ہے۔

۸۔ خاموشی کے فوائد:

لِسانَکَ اَحْـفَـظْـهُ وَصُنْ نُـطْـقَـهُ

وَاحْـذَرْ عَـلـیٰ نَـفْسِکَ مِـنْ عَثْـرَتِـهِ

فَـالـصَّـمْـتُ زَیْـنٌ وَوَقـارٌ وَقَـدْ

یُـؤْتـیٰ عَـلـیَ الْاِنسانِ مِنْ لَـفْـظَـتِـهِ

مَـنْ اَطْـلَـقَ الْـقَـوْلَ بِـلا مُهْـلَةٍ

لا شَکَّ اَنْ یَـعْـثُـرَ فـی عَـجْـلَتِـه

مَـنْ لَـزِمَ الْـصُّـمْـتَ نَجیٰ سالِـمـاً

لا یَـنْـدَمُ الْـمَـرْءُ عَـلـیٰ سَـکْـتَـتِـهِ

اپنی زبان کی نگہداری اور اس کو بولنے سے سنبھال کر رکھو اور اسکی لغزشوں سے (اپنے

رسالۃ الذہبیہ ترجمہ نصیر الدین امیر صادقی ذرا تصرف کے ساتھ

اوپر آنے والے نقصانات سے) ہوشیار رہو۔

پس خاموشی زینت اور وقار (کی علامت) ہے (اور کبھی) ایک ہی لفظ کے ذریعے انسان (سختی میں پڑ جاتا ہے)۔

جو سوچے بغیر بات کرے گا یقیناً جلد بازی میں لغزش کھا جائے گا۔

جو ہمیشہ خاموشی کو اپنائے گا نجات پا جائے گا اور سلامت رہے گا اور آدمی (کبھی) اپنی خاموشی پر نادم نہیں ہوتا۔

۹۔ راز فاش کرنے اور زیادہ مذاق کرنے کی مذمت میں:

مَنْ اَظْهَرَ النَّاسَ عَلیٰ سِرِّهٖ یَسْتَوْجِبُ الْکَیَّ عَلیٰ مُقْلَتِه

مَنْ مَازَحَ النَّاسَ اسْتَخَفُّوا بِهٖ وَ کَانَ مَذْمُوْمًا عَلیٰ مَزْحَتِه

جو لوگوں کو اپنا راز بتا دے گا تو ایسا شخص اس بات کا لائق ہے کہ اس کی آنکھوں کو داغ دیا جائے۔

جو لوگوں سے زیادہ مذاق کرے گا تو وہ نظروں سے گر جائے گا اور اپنی شوخی کی وجہ سے اس کی مذمت کی جائے گی۔

۱۰۔ لوگوں سے کنارہ کشی کے بارے میں:

کُنْ عَنْ جَمِیعِ النَّاسِ فِی مَعْزِلٍ قَدْ یَسْلَمُ الْمَعْزُوْلُ فِی عَزْلَتِه

لوگوں سے کنارہ کشی کرو کیونکہ گوشہ نشینی کی وجہ سے گرفتاریوں سے محفوظ رہو گے۔

۱۱۔ شرابخوری کی مذمت میں:

مَنْ جَعَلَ الْخَمْرَ شِفَاءً لَهٗ فَلَا شَفَاهُ اللهُ مِنْ عِلَّتِه

جو شراب کو اپنے لئے شفا قرار دے گا خدا اس کی بیماری کو شفا عطا نہیں کرے گا۔

۱۲۔ بزرگوں سے مخالفت کی مذمت میں:

مَنْ نازَعَ الْاَقیالَ اَمرِهِمْ بَاتَ بَعیدَ الرَّاْسِ عَنْ جُثَّتِه

جو اپنے معاملے میں بزرگوں کی مخالفت کرے گا، تو اس حال میں اس کی رات کٹے گی کہ اس کا سر جسم سے جدا ہوا ہوگا۔

جو اژدھا کو ہاتھ میں لے کر کھیلنے لگے گا اس کا اژدھا کے ڈنگ سے بچ جانا بعید ہے۔

۱۳۔ لوگوں سے دوستی اور تعلقات کے بارے میں:

مَنْ عاشَرَ الْاَحْمَقَ فی حالِهِ کانَ هُوَ الْاَحْمَقُ فی عِشْرَتِه

لَا تَصْحَبَ النَّذْلَ فَتَردیٰ بِهِ لَا خَیرَ فی النَّذْلِ وَ فی صُحْبَتِه

مَنِ اعْتَراکَ الشَّکُّ فی جِنْسِهِ وَحالِهِ فَانْظُرْ اِلیٰ شیمَتِه

جو احمقوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کرے گا اس کی، اس رفتار کی وجہ سے وہ خود بھی احمق بن جائے گا۔

پست اور ذلیل لوگوں کے ساتھ ہمنشینی مت کرو کہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے کیونکہ پست شخص اور اس کی صحبت میں خیر نہیں ہوتی۔

تو جس کے جنس اور حالات کے بارے میں تجھے شک ہو جائے تو اس کے عادات واطوار پر نگاہ رکھو۔

۱۴۔ جزائے اعمال کے بارے میں:

مَنْ غَرَسَ الْحَنْظَلَ لَا یُرْتَجی اَنْ یَجْتَنیَ السُّکَّرَ مِنْ غَرْسَتِه

جو حنظل نامی پودے کو کاشت کرے گا اسے اس امید میں نہیں رہنا چاہئے کہ اپنے پودے سے شکر حاصل ہو۔

۱۵ نصرت حق کے بارے میں:

مَنْ جَعَلَ الْحَقَّ لَهُ نَاصِراً اَيَّدَهُ اللهُ عَلٰى نُصْرَتِهٖ

جو حق کا حامی ہوگا تو خدا بھی اس کی نصرت کی تائید فرمائے گا۔

۱۶۔ قناعت اور شکر گزاری کے بارے میں:

وَاقْنَعْ بِمَا اَعْطَاكَ مِنْ فَضْلِهٖ وَشْكُرْ لِمَوْلَاكَ عَلٰى نِعْمَتِهٖ

جو کچھ خدا نے تجھے عطا کیا ہے اسی پر قناعت کرو اور اپنے مولا کی نعمتوں پر اس کا شکر بجالا۔

۱۷۔ آزاد لوگوں کے ساتھ رفتار کے آداب میں:

وَانْظُرْ اِلَى الْحُرِّ وَاَحْوَالِهٖ وَاجْلِسْهُ بَيْنَ النَّاسِ فِي رُتْبَتِهٖ

اور آزاد لوگوں کے حالات کو مدنظر رکھو انہیں ان کے رتبے کے مطابق لوگوں میں جگہ دیا کرو۔

۱۸۔ منافقت اور مردم آزاری کی مذمت میں:

لَا بَارَكَ اللهُ الْعُلٰى فِي امْرِءٍ يَلْدَغُ كَالْعَقْرَبِ فِي لَدْغَتِهٖ

لَا تَطْلُبُ الْاِحْسَانَ مِنْ غَادِرٍ يُرُوغُ كَالثَّعْلَبِ فِي رَوْغَتِهٖ

خدا تعالیٰ اس شخص کا بھلا نہ کرے جو لوگوں کو بچھو کی طرح ڈستا ہے۔

فریب کار سے نیکی اور احسان کی امید مت رکھو وہ چالاک لومڑی کی طرح (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالتا ہے۔

غیر پرہیزگار ہمسایوں سے متعلق:

لَا خَيْرَ فِي الْجَارِ اِذَا لَمْ يَكُنْ ذَاعِفَّةٍ يُؤْثِرُ فِي عِفَّتِهٖ

ایسے ہمسائے میں خیر نہیں پائی جاتی جو اس کی عفت سے متعلق گفتگو کے دوران عفت وپاکیزگی کا مظاہرہ نہ کرے۔

۲۰۔ خیرات وانعام کے بارے میں:

اَلنَّاسُ خُدَّامٌ لِذِی نِعْمَۃٍ   وَکُلُّھُمْ یَرْغَبُ فِی خِدْمَتِہ

لوگ، دولت مندوں کے خدمتگزار ہیں اور سبھی امیروں کی خدمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔

۲۱۔ آداب تزویج میں:

وَاِنْ تَزَوَّجْتَ فَکُنْ حَاذِقاً   وَاسْأَلْ عَنِ الْغُصْنِ وَعَنْ مَنْبِتِہ

وَابْحَثْ عَنِ الصِّھْرِ وَاَحْوَالِہٖ   مِنْ عُنْصُرِ الْحَیِّ وَذِی قُرْبَتِہ

(اگر کسی عورت سے) شادی کرنا چاہتے ہو تو اس معاملے میں مہارت سے کام لو اور اس کی شاخ وجڑ (حسب ونسب) کے بارے میں پوچھ گچھ کرو۔

(اور اگر کسی بیٹی کا رشتہ دینا چاہو) تو اس کے شوہر، ماموں، رشتہ داروں اور اہل محلہ کے بارے میں جستجو کرو۔

۲۲۔ ظلم اور زیادتی کی مذمت میں:

یَا حَافِرَ الْحُفْرَۃِ اَقْصِرْ فَکَمْ   مِنْ حَافِرٍ یُصْرَعُ فِی حُفْرَتِہ

اِحْذَرْ دُعَا الْمَظْلُومِ فِی لَیْلِہٖ   فَرُبَّمَا یُقْبَلُ فِی دَعْوَتِہ

سَیِّمَا اِذَا کَانَ اَخَا حُرْقَۃٍ   وَبَاتَ یَسْقِی الدَّمْعَ مِنْ عَبْرَتِہ

اے (دوسروں کو) گھڑے کھودنے والے (اپنی کرتوت میں) کمی کر کیونکہ اکثر اوقات دوسروں کو گھڑا کھودنے والا اپنے کھودے ہوئے گھڑے میں گر جاتا ہے۔

مظلوم کی راتوں میں کی جانے والی دعا سے ہوشیار رہ! کیونکہ بسا اوقات اس کی دعا

قبول ہو جاتی ہے۔

مخصوصا، جب اس کا دل دکھا ہوا ہو اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ رات بتائے۔

۲۳۔ پردیسیوں کے ساتھ مہربانی کرنے کی تاکید:

اَکْرِمْ غَرِیبَ الدَّارِ وَاعْمَلْ عَلیٰ　　رَاحَتِہٖ مَا دَامَ فِی غُرْبَتِہٖ

وطن سے دور پردیسیوں کا احترام کیا کرو اور جب تک وہ پردیس میں ہے اسے سہولت فراہم کرو۔

۲۴۔ بخل و کنجوسی کی مذمت میں:

فَمَنْ غَدَا بِالْمَالِ ذَا شُحَّۃٍ　　تَذُمُّہُ النَّاسُ عَلیٰ شُحَّتِہٖ

جو مال و دولت کے باوجود کنجوسی کرے گا لوگ اس کی کنجوسی پر اسکی مذمت کریں گے۔

۲۵۔ ستم کے عذاب میں:

یَا ظَالِمًا قَدْ غَرَّہُ ظُلْمُہُ　　اَیُّ عَزِیزٍ دَامَ فِی عِزَّتِہٖ؟

اے وہ ستمگر کہ جس کے ستم نے اس کو دھوکے میں رکھا ہے (بتاؤ) کونسے صاحب سلطنت کی سلطنت نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا ہے۔

۲۶۔ موت کے حتمی ہونے کے بارے میں:

اَلْمَوْتُ مَحْتُومٌ لِکُلِّ الْوَرَیٰ　　لَا بُدَّ تَجْرَعْ مِنْ غُصَّتِہٖ

موت تمام مخلوق کے لئے حتمی ہے اور اس کی تلخی کو چکھے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔(۱)

۱۔ تحفۃ المہدویہ

طب اور حفظان صحت سے متعلق فرمودات

۱۔ دُخُولُ الْحَمَّامِ عَلَى الْبِطْنَةِ يُوَلِّدُ الْقُوْلَنْجَ.

بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ حمام میں جانا انتڑیوں کے درد کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ فَانْظُرْ مَا يُوَافِقُكَ وَيُوَافِقُ مِعْدَتَكَ وَيَقْوِى عَلَيْهِ بَدَنُكَ وَيَسْتَمْرِئُهُ مِنَ الطَّعَامِ فَقَدِّرْهُ لِنَفْسِكَ وَاجْعَلْهُ غِذَائَكَ.

پس دیکھو کہ کونسی غذا تمہارے مزاج اور معدے کے ساتھ موافقت رکھتی اور تیرے بدن کو قوی بناتی ہے اور جسے تیری طبیعت لذیذ سمجھتی ہے تو اپنے لئے ایسے ہی کھانے کا انتخاب کرو اور اسے اپنی غذا قرار دو۔

امام ؑ نے ایک ہی جملے میں سبھی لوگوں کو کھانے سے متعلق ایک کلی دستور بیان فرمایا ہے اور اس کا مفہوم ہر ایک کے لئے قابل عمل ہے کیونکہ (ظاہر ہے کہ) ہر کسی کی غذا اس کے مزاج اور طبیعت کے ساتھ سازگار ہونی چاہئے تاکہ بدن کی ضرورتیں پوری ہوں۔ بنابرایں کھانے پینے کی چیزیں انسان کے سن و سال کے ساتھ بدل جاتی ہیں لہذا ہر فرد

کیلئے ضروری ہے کہ اپنی عمر اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے مناسب غذاؤں کا انتخاب کرے۔

۳. وَابۡدَءۡ فِی اَوَّلِ الطَّعَامِ بِاَخَفِّ الۡاَغۡذِیَةِ الَّتِی یَغۡتَذِی بِهَا بَدَنُکَ بِقَدۡرِ عَادَتِکَ وَبِحَسَبِ طَاقَتِکَ وَنَشَاطِکَ.

کھانے کا آغاز ایسی ہلکی پھلکی غذاؤں سے کرو جو تمہارے بدن کے لئے فائدہ پہنچاتی ہوں (اور) ان کی مقدار تمہارے معمول اور معدے کی برداشت اور نشاط کے مطابق ہو۔

۴. وَارۡفَعۡ یَدَیۡکَ مِنَ الطَّعَامِ وَاَنۡتَ تَشۡتَهِیهِ.

کھانے سے اسی وقت ہاتھ اٹھاؤ جبکہ ابھی اشتہاء باقی ہو۔

حفظان صحت اور سلامتی بدن کے لے امامؑ کا یہ دستور بہترین نسخہ ہے کیونکہ اکثر بیماریاں، زیادہ پیٹ بھر کر کھانے اور مذکورہ دستور کی رعایت نہ کرنے کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔

بقول سعدی:

با آنکہ در وجود طعام است حفظ نفس

رنج آورد طعام چو پیش از قدر بود

گر گل شکر خوری بہ تکلف زیان آوراست

ور نان خشک دیر خوری گل شکر بود

یعنی اس کے باوجود کہ غذا نفس کا ایک (لازمی) حصہ ہے، اگر ضرورت سے زیادہ ہوگی تو تکلیف دہ ہوگی۔

اگر تم زبردستی (بغیر اشتہاء کے) گلقند بھی کھاؤ گے تو نقصان دہ ہوگا اور اگر اشتہاء کے ساتھ پرانی اور سوکھی روٹی بھی کھاؤ گے تو وہ گلقند کی طرح (مفید) ہوگی۔

۵. امّا فَصْلُ الرَّبِيعِ فَإِنَّهُ رُوحُ الْأَزْمَانِ وَاوَّلُهُ آزارُ فِيهِ يَطِيبُ اللَّيْلُ وَالنَّهارُ وَتَلِينُ الْأَرْضُ وَيَذْهَبُ سُلْطانُ الْبَلْغَمِ وَيَهِيجُ الدَّمُ.

موسم بہار، زمانوں کی جان ہوتی ہے اور اس کا آغاز ماہ آزار (رومیوں کا ایک مہینہ) سے ہوتا ہے کہ جس میں دن رات لطف اندوز اور زمین نرم ہو جاتی ہے، بلغم کا غلبہ ختم ہو جاتا اور خون جوش میں آنے لگتا ہے۔

جیسا کہ موسم بہار کا آب و ہوا زمین اور پودوں اور درختوں میں اثر کرتے ہوئے ان کو سرسبز و شاداب بناتا ہے اسی طرح وہ انسان کے وجود میں بھی سرور و خوشی پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ سرگرم اور فعال ہو جاتا ہے۔ یہ خوشی اور نشاط رومی مہینوں میں سے دوسرے اور تیسرے مہینوں "نیسان" اور "ایار" میں اپنے اوج پر پہنچ جاتا ہے۔ سعدی کہتا ہے:

بامدادان کہ تفاوت نکند لیل و نہار
خوش بود دامن صحرا و تماشای بہار
آدمیزادہ اگر در طرب آید چہ عجب
سرو درباغ بر رقص آمدہ و بید و چنار
این ہنوز اول آزار جہان افروز است
باش تا خیمہ زند دولت نیسان و ایار

یعنی موسم بہار میں صبح ہو یا شب و روز، صحرا کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔

اگر انسان لطف اندوز ہو رہے ہیں تو کیا تعجب چمن میں (پھول اور) سرو، بید اور چنار (جیسے پودے) بھی رقص کرنے لگے ہیں۔

یہ تو ابھی جہاں کو رونق بخشنے والے ماہ "آزر" کا آغاز ہے۔ دیکھو ماہ نیسان اور "ایار" کے آنے تک (کہ یہ سماں کس قدر اوج پا جائے گا!)

۶. وَاعلَمْ اَنَّ قُوَّةَ النُّفُوْسِ تَابِعَةٌ لِاَمْزِجَةِ الْاَبْدَانِ.

جان لو کہ نفس کی طاقت بدنوں کے مزاج کے متابعت میں ہوتی ہے۔

جس قدر بدن صحت اور سالم ہوگا، عقل اور روحی طاقتیں بھی اتنی قوی ہوں گی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سالم عقل، سالم جسم میں ہی پائی جاتی ہے۔

۷. وَاعلَمْ اَنَّ النَّوْمَ سُلْطَانُ الدِّمَاغِ وَهُوَ قِوَامُ الْجَسَدِ وَ قُوَّتُهُ.

جان رکھو کہ نیند دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے اور یہ جسم کی طاقت وقدرت کا موجب ہے۔

۸. وَاحْذَرْ اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الْبَيْضِ وَالسَّمَكِ فِى الْمِعْدَةِ وَقْتاً وَاحِداً.

ایک ہی وقت میں مچھلی اور انڈے کھانے سے پرہیز کرو۔

۹. وَاَكْلُ اللَّحْمِ الَّتِى لَا يَطْبَخُ يُوَلِّدُ الدُّوْدَ فِى الْبَطْنِ.

کچے گوشت کھانے سے پیٹ میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۰. وَشُرْبُ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَقِيبَ الشَّيْءِ الْحَارِّ وَالْحَلَاوَةِ يَذْهَبُ بِالْاَسْنَانِ.

گرم اور میٹھی چیزوں کے بعد ٹھنڈا پانی پینا دانتوں کو خراب کر دیتا ہے۔

۱۱. وَالْاِكْثَارُ مِنْ اَكْلِ لُحُومِ الْوَحْشِ وَالْبَقَرِ يُوْرِثُ تَغَيُّرَ الْعَقْلِ وَ

تَحَیُّرَ الْفَهْمِ وَ تَبَلُّدَ الذِّهْنِ وَ كَثْرَةَ النِّسْیَانِ .

زیادہ تر جنگلی جانوروں اور گائے کا گوشت کھانا عقل کے تغییر، فہم کی سرگردانی، ذہن کی سستی اور زیادہ بھولنے کا سبب ہوتا ہے۔

۱۲ . وَمَنْ اَرَادَ اَنْ لَایَشْتَكِی مَثَانَتَهُ فَلَا یَحْبِسِ الْبَوْلَ وَلَوْ عَلیٰ ظَهْرِ دَابَّتِهِ.

جو یہ چاہتا ہے کہ (درد) مثانہ کی شکایت نہ ہو، اسے چاہئے کہ کبھی پیشاب کو روکے نہ رکھے اگرچہ سواری کی پشت پر ہو۔

۱۳ . وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَقِلَّ نِسْیَانُهُ فَلْیَأْكُلْ كُلَّ یَوْمٍ ثَلَاثَ قِطَعٍ زَنْجَبِیلٍ مُرَبّیٰ بِالْعَسَلِ .

جو چاہتا ہے کہ اس کی فراموشی اور بھولپن کم ہو جائے، اسے ہر روز ادرک کے تین دانوں کو شہد کے ساتھ ملا کر کھالینا چاہئے۔

۱۴ . وَاَكْلُ الزَّبِیْبِ بِالْغَدَاةِ عَلَی الرِّیقِ یَزِیْدُ قُوَّةً فِی الذِّهْنِ .

نہار منہ کشمش کھانا قوت حافظہ کو بڑھا دیتا ہے۔

۱۵ . مَنْ اَرَادَ اَنْ یُطْفِیَ لَهَبَ الصَّفْرَاءِ فَلْیَأْكُلْ كُلَّ یَوْمٍ شَیْئاً رَطْباً بَارِداً

جو یہ چاہتا ہے کہ زردی کی شدت ختم ہو جائے تو اسے ہر روز کوئی سرد اور مرطوب چیز کھالینی چاہئے۔

۱۶ . لَا تُجَامِعِ امْرَأَةً حَتّٰی تُلَاعِبَهَا .

بوس وکنار اور چھیڑ چھاڑ کے بغیر عورت سے جماع نہ کرو۔

۱۷۔ ولا تجامع النساء الّا وهُنّ طاهرة.

عورت کے ساتھ صرف اسی وقت ہمبستری کرو جبکہ وہ (حیض وغیرہ سے) پاک ہوں۔(۱)

پانچواں باب

اولاد اور اصحاب

امام رضاؑ کی اولاد

آپؑ کے عقیدت مند

قبر شریف کی مختصر تاریخ

امام رضاؑ کی اولاد

عبد اللہ مامون نے حضرت امام رضاؑ کو لیعہدی پر منصوب کرنے کے بعد، اپنی سیاست کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، اپنی بیٹی (بعض کے عقیدے کے مطابق اپنی بہن) امّ حبیب کو امامؑ کے عقد میں لایا اور دوسری بیٹی ام الفضل کو امام محمد تقیؑ کے لئے نامزد کیا۔ چنانچہ یہی امر مامون کے طرفداروں کی، اسے امام کو زہر دینے سے بری قرار دینے کی دلائل میں سے ایک ہے کہ اگر مامون امامؑ کو زہر دینے کا ارادہ رکھتا تو اپنی بیٹی کا ان کے ساتھ رشتہ نہ جوڑتا۔

لیکن مامون کے ہدف کے پیش نظر اس نظریے کا غلط ہونا واضح و روشن ہے کیونکہ مامون آپؑ کی ولیعہدی کے بعد بنیعباسیوں کے ہنگاموں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال پر قابو پانے کے لئے مجبور تھا کہ آنحضرتؑ کو زہر دیدے۔ البتہ بعض کا یہ کہنا کہ مامون پہلے سے امامؑ کے قتل کے درپے تھا، مبالغے پر مبنی ہے کیونکہ مامون بھی متوکل عباسی کی طرح حضرت امام رضا -اور دیگر علویوں کا دشمن نہیں تھا بلکہ وہ حالات پر

۱۔ ارشاد شیخ مفیدؒ ج ۲، اب ۲۲

قابو پاتے ہوئے اپنی کرسی کو بچانے کے لئے مجبور تھا کہ امام کو مسموم کرے ۔ چنانچہ اگر اس کی کرسی امام یا دوسروں کی جانب سے آپ کی ولیعہدی کے سبب خطرے میں نہ پڑ جاتی تو ممکن تھا کہ وہ آخر تک یونہی آپ کا ظاہری احترام کرتا رہتا لیکن جب اس کو اس سلسلے میں خطرہ محسوس ہوا تو فوراً اس خطرے کو ٹلانے کے لئے اس عظیم جرم کا مرتکب ہوا۔

ام حبیب جو آپ ؑ کی زوجہ تھی، امام محمد تقی ؑ کی والدہ گرامی کی طرح محبوب نہیں تھی شاید وہ ایک جاسوس کا کردار ادا کرتی ہوئی آپ ؑ کے خصوصی اسرار کو مامون تک پہنچاتی رہتی تھی۔ چنانچہ اس کی دوسری بیٹی ام الفضل جو امام محمد تقی ؑ کی زوجہ تھی نے بھی اپنے چچا معتصم کے کہنے پر اپنے شوہر کو زہر دے کر شہید کیا۔

بہر حال حضرت امام رضا ؑ کی آزاد اور عقدی زوجہ ام حبیب تھی کہ جس کے ساتھ کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ آپ ؑ کی ایک اور زوجہ بھی تھیں جو ام ولد (وہ کنیز جو بیٹے کی ماں ہو) تھیں اور یہی امام محمد تقی کی والدہ گرامی تھیں۔

مرحوم کلینیؒ لکھتے ہیں: مادر امام محمد تقی ؑ کا نام سبیکہ یا بعض کی بنا پر خیزران نقل ہوا ہے جو کہ فرزند پیغمبر ﷺ کے فرزند ابراہیم کی ماں ماریہ کے خاندان سے تھیں (۱)۔

امین الاسلام طبرسی لکھتے ہیں: ان کو سبیکہ یا درہ کہتے تھے ۔ لیکن امام رضا نے ان کا سبیکہ نام رکھا تھا اور یہ خاتون اہل نوبہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔ (۲)

شیخ مفیدؒ کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں:

ومضى الرِّضا عليُّ بن موسى عليهما السّلامُ ولم يترُكْ ولداً نعلمهُ

اِلّا اِبْنَهُ الْاِمَامَ بَعْدَهُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَبْنَ عَلِیٍّ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ وَ کَانَتْ سِنُّهُ یَوْمَ وَفَاةِ اَبِیْهِ سَبْعَ سِنِیْنَ وَ اَشْهُرًا۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ دنیا سے چلے گئے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ آپؑ اپنے بعد ابا جعفر بن علیؑ کے علاوہ کوئی اور بھی اولاد چھوڑ گئے ہوں جو کہ اپنے والد گرامی کی وفات کے وقت ساتھ سال اور کچھ مہینوں کے تھے۔

طبری لکھتے ہیں: امام رضاؑ کی ابو جواد کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں تھی۔(۱)

لیکن صاحب منتخب التواریخ، اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: کہ شاہزادہ حسین جو قزوین میں مدفون ہیں، بھی امام رضاؑ کے فرزند تھے۔

اسی طرح محدث قمی اپنی فوائد الرضاؑ میں، ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مذکورہ بالا دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رضاؑ کے حضرت امام جواد (محمد تقیؑ) کے علاوہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں۔ او یہ روایت ان روایتوں کے ساتھ منافات نہیں رکھتی جنہیں شیخ مفید، طبری اور دوسرے مؤرخوں نے نقل کیا ہے، کیونکہ اگر شاہزادہ حسین جو قزوین میں مدفون ہیں، امام جوادؑ کی اولاد میں سے ہوں تو وہ حضرت رضاؑ کی بھی فرزند شمار ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فرزند خود امامؑ کی حیات مبارک میں ہی وفات پا گئے ہوں۔ لیکن جو چیز مسلم اور قطعی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مام رضاؑ کی وفات کے وقت، امام جواد (محمد تقیؑ) علاوہ آپؑ کی کوئی اور اولاد نہ تھی۔(۲)

۲۔منتخب التواریخ ص ۵۲۷

۱۔ کامل التواریخ ابن اثیر نقل از زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضا ۔ تالیف سحاب ج ۲

۱۔ زندگانی علی بن موسیٰ الرضا از تاریخ سیاسی اسلام، تالیف عبدالقادر احمد، ترجمہ ریاضی ص ۱۹۴

آپؑ کے اصحاب اور عقیدت مند

حضرت امام رضا ؑ کے بعض اصحاب، ساتویں اور چھٹے امام ؑ کے بھی صحابہ شمار ہوتے ہیں جبکہ بعض صرف آپ حضرتؑ ہی کے صحابہ تھے ذیل میں ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

۱۔محمد بن راشد:

ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھا اور علم رجال میں اس کا ثقہ کے طور پر ذکر ہوا ہے۔

۲۔احمد بن محمد بن ابی نصر:

کوفہ کے رہنے والے تھے جو امام رضا اور امام محمد تقی + کے پاس خاص مرتبت رکھتے تھے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ایک عظیم فقیہ گزرے ہیں اور ۲۰۱ھ میں وفات پاگئے۔

۳۔محمد بن فضل ازدی:

رجالی کتب میں انہیں بھی ثقہ کہہ کر یاد کیا گیا ہے آپ امام رضا - کے اصحاب میں سے تھے۔

۴۔عبداللہ بن جندب:

اس صحابہ نے امام موسیٰ کاظمؑ کو بھی درک کیا ہے اور حضرت امام رضاؑ ان کو خاشعین میں شمار کرتے تھے اور ان کے بارے میں فرمایا ہے: إِنَّ عَبْدَاللهِ بن جَنْدَب لَمِنَ الْمُخْبِتِين. ،یقیناً عبداللہ بن جندب خاشعین میں سے تھے۔

۵۔اسماعیل بن سعد:

رجال میں ان کے بارے میں یوں آیا: اِنَّـهُ ثِقَـةٌ مِنْ اَصْحابِ الرِّضا عَلَيْهِ السَّلام یعنی وہ امام رضاؑ کے باوثوق صحابوں میں سے تھے۔

۶۔احمد بن محمد اشعری:

قم کی بزرگ شخصیتوں میں سے تھے انہوں نے امام رضاؑ کے علاوہ امام تقی، امام علی نقی اور امام حسن عسکریؑ کی بھی خدمت کا شرف پایا ہے۔

۷۔حسن بن علی وشاء:

اہل کوفہ میں سے تھے اور الیاس صیرفی کا پوتا تھا جو امام جعفر صادقؑ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔

شیخ طوسی نے، احمد بن محمد الاشعری سے روایت کی ہے کہ میں حدیث کی جستجو میں کوفہ چلا گیا اور وہاں حسن بن وشاء سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے درخواست کی کہ علاء بن ذرین اور ابان بن عثمان کی کتابوں کو میرے لئے فراہم کریں۔ پھر جب انہوں نے کتابوں کو حاضر کیا تو میں نے کہا: میری خواہش ہے کہ آپ مجھے ان کتابوں سے روایت نقل کرنے کی اجازت دیں، خدا آپ کا بھلا کرے۔ (اس نے کہا:) کیوں جلدی کر رہے

۲۔ عیون اخبار الرضاج ۲، باب ۵۵ حدیث ۷ و ۱۵

ہو؟ جاؤ پہلے اس کا ایک نسخہ تیار کرو پھر روایت کرو۔ میں نے کہا: زمانے کے حالات سے امن میں نہیں ہوں۔ اس نے کہا: اگر میں پہلے سے جانتا کہ علم حدیث کے اس طرح کے شیدائی بھی پائے جاتے ہیں، تو میں زیادہ سے زیادہ حدیث جمع کر لیتا؛ کیونکہ میں نے اس مسجد میں نوسو ایسے بزرگوں کا مشاہدہ کیا ہے جو حدیث نقل کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

حَدَّثَنِی جَعْفَرُ بن مُحَمَّدٍ الصَّادق علیہ السلام۔

۸۔ علی بن حسن:

ان کا تعلق انبار نامی شہر سے تھا اور کتب رجالی میں ثقہ کے طور پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔

۹۔ حماد بن عثمان:

امام موسیٰ کاظم اور امام رضا ؑ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے جو ۱۹۰ھ میں وفات پا گئے۔

۱۰۔ سعد بن مالک اشعری:

قم کے جلیل القدر علماء میں سے تھے اور حضرت امام رضا ؑ سے حدیث نقل کیا کرتے تھے۔

۱۱۔ حسن بن محبوب:

اہل کوفہ میں سے تھے اور ایک باعظمت ثقہ گزرے ہیں۔ ان کی بہت ساری تالیفات پائی جاتی ہیں۔ انہوں نے امام رضا ؑ اور دیگر اصحاب سے روایتیں نقل کی ہیں۔

۱۲۔ زکریا بن آدم:

قم میں بسنے والے اشعریوں میں سے تھے، آپ امام رضا ؑ کے با اعتماد اور صاحب

منزلت اصحاب میں سے تھے۔ علامہ مجلسیؒ نے تاریخی حوالے سے شہر قم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے: کہ حضرت امام رضا ؑ نے ذکریا بن آدم القمی سے فرمایا: خداوند نے تمہارے سبب سے اہل قم سے بلاؤں کو دور رکھا ہے چنانچہ بغداد کو موسیٰ بن جعفر (ؑ) کی برکت سے بلاؤں سے محفوظ رکھا ہے۔

۱۳۔ صفوان بن یحییٰ:

یہ ایک عظیم عابد اور زاہد تھے اور حضرت امام رضا ؑ کے نزدیک مقام و منزلت کے حامل تھے۔ انہوں نے آپؑ اور آپؑ کے فرزند امام محمد تقی ؑ سے روایتیں نقل کی ہیں۔

محدث قمی اپنی کتاب منتہی الآمال میں صفوان بن یحییٰ کے زہد و پرہیزگاری سے متعلق لکھتے ہیں: صفوان، عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان جو کہ دونوں مومن تھے کے ساتھ تجارت میں شراکت رکھتے تھے اور یہ تینوں ہر شب و روز میں پچاس رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے (۱۷ رکعت واجبی نمازیں اور ۳۴ رکعتیں نوافل اور مستحبات کی)۔

ایک دن انہوں نے مسجد الحرام میں ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا کہ ان تینوں میں سے جو دوسرے دونوں کے بعد زندہ رہے گا وہ دوسروں کی نمازوں اور روزوں کو انجام دے گا۔

جب صفوان اپنے دونوں دوستوں کی موت کے بعد زندہ رہے تو ہر روز ۱۵۳ رکعتیں نماز پڑھتے اور ہر سال تین مہینے روزے رکھتے تھے اور تین مرتبہ زکواۃ بھی ادا کیا کرتے تھے نیز جو بھی عمل خیر انجام دیتے اپنے دونوں دوستوں کے لئے بھی انجام دیتے تھے اور اس کے ثواب کو ان کی ارواح کیلئے ہدیہ کرتے تھے۔

ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ جب وہ کوفہ کی طرف سفر کرنے

لگے جس میں انہوں نے ایک اونٹ کو کرایہ پر لیا تھا۔ ان کے ایک دوست نے انہیں دو دینار امانت میں دیئے کہ انہیں اہل کوفہ کے حوالے کرے۔ تو صفوان نے جب تک اس اونٹ کے مالک سے اجازت نہیں لی ان دیناروں کو اپنے سامان میں نہیں رکھا۔

شیخ طوسی نے فرمایا ہے کہ صفوان نے امام جعفر صادقؑ کے ۴۰ اصحاب سے روایتیں نقل کی ہیں نیز بہت سی کتب بھی تالیف کی ہیں۔

شیخ کشی نے نقل کیا ہے: صفوان ۲۱۰ھ میں مدینہ میں وفات پا گئے اور امام محمد تقیؑ نے ان کے لئے حنوط اور کفن بھیجے اور اسماعیل بن موسیٰ کو دستور فرمایا کہ ان کی جنازے پر نماز پڑھائے۔

۱۴۔ نصر بن قابوس:

انہوں نے حضرت امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام رضاؑ سے روایتیں نقل کی ہیں اور ان حضرات کے پاس صاحب مرتبت ومنزلت رہ چکے ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ۲۰ سال تک امام جعفر صادق کے وکیل رہ چکے ہیں شیخ مفیدؒ نے بھی انہیں امام ہفتمؑ کے خاص صحابیوں میں ذکر کیا ہے نیز انہیں صاحب علم و ورع جانا ہے اور ان سے امام رضاؑ کی امامت کے اثبات میں نص روایت نقل کی ہے۔

شیخ کشی بھی نصر بن قابوس سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں حضرت ابوالحسن موسیٰ کاظمؑ کے دولتخانے میں تھا آپؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کمرے کے دروازے پر لے آئے۔ کمرے کا دروازہ کھل گیا تو دیکھا آپؑ کے فرزند علی (رضاؑ) تشریف فرما ہیں اور ہاتھوں میں ایک کتاب لئے ہوئے اس پر نظر کر رہے ہیں۔

امام ہفتمؑ نے فرمایا: اے نصر کیا تم ان کو جانتے ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! حضور کے فرزند گرامی ہیں۔

فرمایا: اے نصر کیا جانتے ہو کہ وہ کونسی کتاب ہے جس پہ یہ نظر کر رہے ہیں؟

عرض کیا نہیں: فرمایا: یہ جفر کی کتاب ہے جس کو سوائے پیغمبر یا ان کے اوصیاء کے کوئی اور نظر نہیں کر سکتا۔

۱۵۔ محمد بن اسماعیل:

مکتب جعفریؑ کے صالح اور با اعتقاد افراد میں سے اور ساتویں اور آٹھویں امام کے عظیم المرتبت صحابہ تھے نیز انہوں امام محمد تقیؑ کی خدمت کو بھی درک کیا ہے۔

۱۶۔ نعیم قابوسی:

شیخ مفیدؒ نے انہیں ابوالحسن امام موسیٰ کاظمؑ کے خاص اور باوثوق اصحاب میں جانا ہے اور امام رضاؑ بھی ان کی پرہیزگاری اور تقوی کے سبب سے انہیں بہت دوست رکھتے تھے۔

ان کا شمار ان شعراء اور مداحوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حضرت رضاؑ کی شان میں مدح سرائی کی ہے نیز آپ کی جدائی میں دردناک مرثیے بھی کہے ہیں۔ ان شعراء میں سے دعبل خزاعی اور ابونواس بھی قابل ذکر ہیں کہ جن کے نمونہ کلام فصل پنجم کے تیسرے باب میں پیش کئے گئے۔(۱)

....

۱۔ انبیاء ۲۷

روضہ مبارک کی مختصر تاریخ

شہر مشہد جو اس وقت صوبہ خراسان کا دار الخلافہ ہے، ماضی میں سنا باد نامی ایک دیہات تھا اور طوس کے نواحی علاقہ نوغان میں شمار ہوتا تھا۔ طوس جہاں اس وقت مقبرہ فردوسی واقع ہے، مشہد سے چار فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقبرے کی، طوس بن نوذر نے عصر کیخسرو میں بنیاد رکھی ہے۔

شہر طوس، مغلیوں کی جنگوں اور تیمور لنگ کے دور میں واقع ہونے والے قتل عام کی وجہ سے ویران ہو چکا تھا اور وہاں کے باشندے فرار ہو کر امام رضا ؑ کے مرقد منور کے جوار میں پناہ گزین ہوئے تھے۔

امیر تیمور کے بعد اس کے بیٹا شاہرخ نے، گذشتہ خرابیوں کی تلافی کے لئے امیر سید خواجہ کو طوس کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں کے قلعے کی دوبارہ تعمیر کی جائے (اور اس شہر کو آباد کرے) لیکن اہل طوس جو جوار امام رضا ؑ میں پناہ گزین ہو چکے تھے، اب کسی صورت میں لوٹ کر طوس جانے پر راضی نہ تھے بلکہ انہوں نے اسی بابرکت مقام کو ہی اپنا مامن اور پناہگاہ قرار دیا۔

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ باب ۷۱، دوسری حدیث کا بقیہ

خلافت ہارون کے زمانے میں حمید بن قحطبہ جو اس کی طرف سے شہر طوس کا حاکم تھا، نے سناباد میں اپنے لئے ایک ذاتی عمارت اور باغ تعمیر کیا تھا اور ہارون رشید کو اس کی موت کے بعد اسی باغ میں دفنایا گیا تھا چنانچہ اگلی فصلوں میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ مامون نے اپنے باپ کی قبر پر ایک گنبد تعمیر کروایا جو بعد میں قبۂ ہارونیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

امام رضا - کی شہادت کے بعد، مامون کے حکم پر آپ کی نعش مبارک کو قبر ہارون کے نزدیک سپرد خاک کیا گیا بطور یکہ آپ ہارون کے لئے قبلہ قرار پائے اور اس وقت (۲۰۳ھ) سے سناباد، مشہد امام (یعنی امامؑ کی جائے شہادت) کے نام سے معروف ہوا۔ لوگوں کی توجہ امام رضاؑ کے مزار مبارک کی طرف بڑھنے لگی جس کے نتیجے میں حرم مطہر کے اردگرد آبادیوں اور تعمیرات میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ آج ایک وسیع و عریض شہر کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔

جی ہاں ثامن الائمہ کا آفتاب عالمتاب مامون کی دعوت پر خراسان میں طلوع ہو چکا تھا اور وہیں غروب ہو گیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

غَرِبَتْ فِي الْشرق شَمْسٌ فَلَها عَينِي تَدْمَعُ
ما رَأينا قَطُّ شَمْساً غَرِبَتْ حَيْثُ تَطْلَعُ

مشرق (ایران) میں ایک آفتاب غروب ہو گیا جس پر میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ ہم نے کبھی ایسا سورج نہیں دیکھا جو جہاں سے طلوع کرے وہیں غروب ہو جائے۔
شیخ صدوق لکھتے ہیں: میں نے ۳۰۲ھ میں رکن الدولہ دیلمی سے حضرت امام رضاؑ

کی قبر مطہر کی زیارت کی اجازت لے لی۔ جب ان کے پاس سے باہر نکلنے لگا تو انہوں نے دوبارہ مجھے بلا کر فرمایا: مشہد، جہاں آپ زیارت پر جا رہے ہیں، ایک بابرکت مقام ہے جہاں جانے کا مجھے شرف حاصل ہوا ہے۔ اس ہستی کے طفیل سے خداوند نے میری حاجتوں کو پورا فرمایا ہے اور اب آپ سے بھی میری درخواست ہے کہ میری طرف سے بھی زیارت اور میرے حق میں دعا کریں۔(۱)

سبکتگین کے زمانے میں اس کے حکم پر روضہ مبارک کو نقصان پہنچایا گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی کے حکم پر چوتھی صدی میں ایک شاندار بارگاہ کی شکل میں تعمیر کیا گیا۔

ابن اثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

وَجَدَّدَ سُلْطَانُ مَحْمُودُ عِمارَةَ الْمَشْهَدِ بِطوُسِ الَّذی فیهِ قبرُ علیٍّ بن موُسَی الرِّضا عَلیهِ السَّلام وَاَحْسَنَ عِمارَتَهُ وَکانَ اَبوُهُ سُبُکْتکینُ اَخْرَبَهُ وَکانَ اَهْلُ طوُسِ یُؤذُوْنَ مَنْ یَزوُرُ وَمَنَعوُهُمْ مِنْ ذٰلِکَ، وَکانَ سَبَبُ ذالِکَ اِنَّهُ رَای اَمیرَ الْمُؤمِنینَ فِی الْمَنامِ اَنَّهُ هُوَ یَقوُلُ(اِلیٰ مَتیٰ هٰذا)فَعَلِمَ اَنَّهُ یُریدُ اَمرَالْمَشْهَدِ وَاَمَرَ بِعِمارَتِهِ.

یعنی سلطان محمود نے طوس میں مشہد کی دوبارہ شاندار انداز میں تعمیر کی جہاں علی بن موسیٰ الرضاؑ کی قبر (مبارک) ہے جس کو اس کے باپ سبکتگین نے خراب کیا تھا۔ اہل طوس اس بارگاہِ شریف کی زیارت پر آنے والوں کو ستاتے اور انہیں زیارت سے روکتے تھے۔

ستارگان درخشان جلد ۱۰ ص ۱۷۵

محمود غزنوی کے اس بارگاہ کی تعمیر کرنے کی علت یہ تھی کہ اس نے ایک دفعہ امیر المؤمنین ؑ کو خواب میں دیکھا جو فرما رہے تھے: کب تک ایسا ہوتا رہے گا؟ تو وہ جان گیا کہ اس سے آپ ؑ کا مقصود بارگاہ رضوی کی تعمیر ہے لہذا اس نے بارگاہ کی تعمیر کا حکم دیا (۱)۔

عہد سلاجقہ میں ترکان غز کے حملوں کے نتیجے میں دوبارہ اس روضہ مبارک کو نقصان پہنچایا گیا لیکن مختصر مدت کے بعد سلطان سنجر کے دور میں ان کے حکم پر شرف الدین ابو طاہر نے اس روضہ منور کی تعمیرات کو عملی جامہ پہنایا چنانچہ حرم مبارک کے اندرونی کاشیکاریاں جن پر سلطان سنجر کا نام لکھا ہوا نظر آتا ہے، اس بات کی گواہی دے رہی ہیں۔

مغلیوں کے حملوں کے بعد خطہ خراسان بھی ایران کے دوسرے خطوں کی طرح اس وحشی اور خونخوار قوم کی تباہکاریوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور بارگاہ رضوی کی بھی بے حرمتی کی گئی جس کے نتیجے میں اس بارگاہ کے در و دیوار کو بھی صدمہ پہنچا۔

ابن الحدید نہج البلاغہ پر لکھی گی اپنی شرح میں، خطبہ ملاحم جس میں امیر المؤمنین ؑ نے مغل قوم کے حملوں اور ان کے سلوک کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے؛ یوں لکھتے ہیں:

ثُمَّ عَمَدُوْا الی طوسٍ فَنَهبُوْهَا وَقتلوْا اَهْلَهَا وَخَرِبُوا الْمَشْهَدَ الَّذی فیهِ عَلِیّ بن مُوْسَی الرِّضا وَالرَّشید هارُوْن بن مَهْدی ثُمَّ سارُوا اِلی هَرات.

یعنی پھر مغلوں نے طوس کی طرف رخ کیا اور وہاں کے باشندوں کو قتل کیا ور مشہد کو ویران کیا جہاں علی بن موسی الرضا ؑ اور ہارون رشید بن مہدی کی قبریں ہیں، اس کے بعد

وہ ہرات (جو افغانستان میں ہے) کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ بات واضح رہے کہ ان تمام خرابیوں میں خود مرقد مطہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے بلکہ اس کے قبے اور در و دیوار متاثر ہوئے ہیں۔ پھر ایک مدت کے بعد سلطان محمد خدابندہ (ہلاکو خان مغول کا پوتا) جس کی آٹھویں صدی کے اوائل میں ایران پر سلطنت تھی اور جو علامہ حلی کے وسیلے سے شیعہ مذہب اختیار کر چکے تھے، کے زمانے میں روضہ امام رضاؑ کی وسیع پیمانے پر تعمیرات کی گئیں اور شاہ عباس صفوی کے زمانے میں حرم مطہر اور اس کے صحنوں نے وسعت اور زینت پائی، لیکن ۱۰۸۴ میں شہر مشہد میں ایک شدید زلزلے کے نتیجے میں گنبد مطہر اور اس سے متعلقہ چھ مکانات متاثر ہوئے۔ اس واقعے کے بعد ۱۰۸۶ میں شاہ سلیمان صفوی نے دوبارہ ان کی تعمیرات اور تزئینات کو عمل میں لایا۔

کتاب مطلع الشمس میں ذکر ہوا ہے کہ شاہ طہماسب صفوی نے گنبد امام رضاؑ کو سونے کی اینٹوں سے زینت دی اور ایک خوبصورت مینارہ بھی تعمیر کر کے اس پر بھی طلا کاری کی نیز قبر مطہر اور ضریح مبارک کے اطراف کو بھی سونے سے زینت دی۔ (۱)

مجموعی طور پر صفوی بادشاہوں نے بارگاہ مبارک کی تعمیرات اور آبادی میں اچھا کردار ادا کیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ہی مزید عمارتوں کا بھی اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۳۳۰ ہجری قمری میں آستانہ مبارک پر روسی فوجیوں کے ذریعے توپ کے گولے برسائے گئے جس کے نتیجے میں یہ بارگاہ مقدس شدید متاثر ہوئے اور اس کے ایک سال بعد نیّر الدولہ جو خراسان کا گورنر تھا، نے ہمت کر کے ان خرابیوں کی ترمیم کو اپنے ذمے لے کر

اسے مکمل کیا۔(۱)

قبر امام رضا ؑ کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں احادیث کی کتب میں بہت سی روایتیں مفصل طور پر نقل ہوئی ہیں۔ شیخ صدوق ؒ نے عیون اخبار الرضا میں ایک باب کو آپ ؑ کی زیارت کے ثواب سے مربوط احادیث کیلئے مخصوص کیا ہے اور ہم ان میں سے بطور تبرک دو روایتیں نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

عبدالعظیم حسنی نے امام محمد تقی ؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: میں اس شخص کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں جو میرے پدر بزرگوار کی طوس میں، ان کے حق کی معرفت (یعنی ان کو خدا کا نمائندہ اور واجب الاطاعت ماننا) کے ساتھ زیارت کرے۔

احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی نے خود امام رضا ؑ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا:

میرے دوستوں میں سے جو بھی معرفت کے ساتھ میری زیارت کرے گا میں روز قیامت کو اس کی شفاعت کروں گا۔(۲)

البتہ اس نکتے پر توجہ رکھنی چاہئے کہ ائمہ ؑ کی شفاعت یا ان ؑ کی قبور کی زیارت کے ثواب کیلئے خاص آداب و شرائط پائے جاتے ہیں کہ جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر کوئی جو گناہ چاہے کرے اور پھر ائمہ ؑ میں سے کسی کی زیارت پر جا کر اس توقع میں بیٹھے کہ اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔ گناہوں کے عذاب اور ان کو بخش دے جانے کے سلسلے میں اور بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ جن کے مفہوم کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے مخصوصاً اگر کوئی گناہ لوگوں کے حقوق سے مربوط ہو تو صاحب حق کو راضی کرنا چاہئے

اور اس کے علاوہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ صرف وہی زیارت ثواب وفضیلت کی حامل ہوسکتی ہے جو خدا اور صاحب قبر کی رضایت کے مطابق ہو۔ دیگر ائمہ ؑ نے بھی فرمایا ہے کہ ان کے شیعوں کو کن کن صفات کے حامل ہونا چاہئے۔ بنا بر این اگر کسی شخص میں ایک شیعہ کی خصوصیات نہ پائی جاتی ہوں تو خدا اور ائمہ معصومین ؑ کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

البتہ اگر کوئی لازمی شرائط کے حامل ہو اور اس کے اور خدا کے مابین گناہ پائے جاتے ہوں تو یقیناً خداوند عالم ائمہ ؑ کی برکت سے ان کو معاف فرمائے گا۔

ایک اور موضوع جو زیادہ قابل توجہ اور مہم ہے، وہ یہ ہے کہ بعض عوام حضرات متبرک قبور کی زیارت کے آداب سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے معصومین ؑ کی بارگاہوں میں داخل ہوتے ہوئے سجدے میں گر کر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔

تو ایسے افراد کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر ان کا سجدہ زیارت معصوم نصیب ہونے کے شکرانے میں (خدا کے لئے) ہو تو ٹھیک ہے بلکہ بہتر ہے کہ انسان ہر وقت خدا کیلئے سجدۂ شکر کرے۔ لیکن اگر خدا کی طرف توجہ رکھے بغیر صرف امام کیلئے سجدہ کرتے ہیں تو یہ کام ہرگز جائز نہیں ہوگا کیونکہ سجدہ فقط خدا کی ذات سے مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے حتی کی امامؑ اور پیغمبرؐ کے لئے بھی۔ (چونکہ ائمہ اطہار ؑ کی بارگاہوں میں بہت سے لوگ موجود ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس طرح کے عمل کو انجام دینا دوسروں کے لئے شبہہ کا باعث بنے لہذا بہتر ہے کہ ائمہ ؑ کے بابرکت روضوں میں اگر چہ خدا ہی کے لئے کیوں نہ ہو، اس انداز میں سجدہ کرنے سے اجتناب کریں)۔

۱۔ انفال/۱۷

اس کے مقابلے میں ایک گروہ وہ ہے جو افراط کا شکار ہو چکا ہے یہاں تک کہ امام کے حرمِ مطہر میں شفا طلبی یا حاجت طلبی کو ایک قسم کا شرک جانتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ شفا یا حاجت روائی صرف خدا کے اختیار میں ہے نہ امام کے اختیار میں۔

اس سلسلے میں حقیقت کو واضح کر دینے کے لئے ایک مقدمہ کو بیان کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ: اس کائنات کے موجودات میں علت و معلول کا نظام ایک عمومی اور کلی قانون ہے اور ہر معلول یا حادثہ اپنی جگہ ایک علت اور سبب کا محتاج ہے جو اس کو وجود بخشے۔ مقصد یہ کہ یہ کائنات، اسباب و علل کے نظام پر قائم ہے اور ہر چیز کو اثر بخشنے والی مستقل علت خداوند متعال ہے۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جای   نبرد رگی تا نخواہد خدای

بعض علل جو خدا اور امکانی معلول کے درمیان پائی جاتی ہیں، وہ واسطے ہوتے ہیں کہ جن کا فعل اور اثر عین خدا کے فعل اور اثر ہوتا ہے اور کسی چیز کا، معلول کو فیض وجود پہنچانے میں واسطہ قرار پانا تاثیر میں شریک یا مستقل ہونے سے غیر ہے۔

جیسے ایک فعل کا واسطہ اور ذی الواسطہ پر مستند ہونا؛ مثلاً ایک انسان ہاتھ میں قلم لئے کچھ لکھتا ہے تو اس کام کو قلم اور ہاتھ بھی انجام دے رہے ہیں اور خود انسان بھی جبکہ کام ایک سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس کو تین موضوع کی طرف نسبت دیجاتی ہے۔ یہاں لکھے کے عمل میں مستقلاً تاثیر کرنے والا انسان ہے اور ہاتھ اور قلم فقط واسطے ہیں نہ شریک۔

قرآن کریم بھی، اُن تمام فعال و اعمال میں جو مخلوق سے منسوب ہیں اسی طرح مخلوق کے استدلالوں میں علیت و معلولیت کی عمومیت کو قبول کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مستقلاً تاثیر کو خدا سے مختص قرار دیتا ہے جیسے:

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. [اور جب تم نے تیر پھینکا تھا تو تم نے نہیں پھینکا، بلکہ خدا نے پھینکا تھا۔] (۱)

اور آیت: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ. [اور ان سے لڑو کہ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب میں ڈالے گا۔] (۲)

نیز آیت: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا. [خدا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے ان کو عذاب دے۔] (۳)

بنابراین وسیلہ اور واسطہ سے متعلق بیان کی گئی حقیقتوں کی رو سے اگر دیکھا جائے تو امام سے حاجت طلب کرنا صرف اسی وقت شرک کے زمرے میں آئے گا کہ حاجت مانگنے والا امامؑ کو بذات خود بدون کیسی واسطہ کے حاجتوں کو پورا کرنے پر قادر جانے لیکن اگر وہ اس تاثیر کو خدا کی طرف سے جانتے ہوئے امامؑ کو صرف واسطہ اور وسیلہ قرار دے تو اس صورت میں وسیلے کو پکارنا صاحب وسیلے کو پکارنا ہے چنانچہ واسطے کی اطاعت کرنا خود صاحب واسطہ (خدا) کی اطاعت ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔) (۴)

اسی طرح ملائکہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ توبہ/۱۴

۳۔ توبہ/۵۵

۳۔ نساء/۸۰

۴

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ. یعنی وہ اس سے کسی بات میں پہل نہیں کرتے [مستقل ارادہ نہیں رکھتے] بلکہ وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔(۱)

سادہ الفاظ میں، انبیا، واولیاء بارگاہ رب العزت کے مقرب بندے اور اس کے پاس عظمت ومرتبت کے مالک ہیں، لہٰذا اگر کوئی ان کو حصول رحمت کا واسطہ قرار دیتے ہوئے انہیں کی وساطت سے خداوند عالم سے اپنی مرادیں مانگے، تو اس عمل کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور نہ ہی توحید و وحدانیت کے ساتھ یہ عمل منافی رکھتا ہے۔

درحقیقت کوئی بھی عاقل واسطہ اور وسیلے کو شرک نہیں قرار دیتا کیونکہ واسطہ یا وسیلہ ایک ایسی راہ ہے جو توسل کرنے والے کو متوسل الیہ تک پہنچا دیتی ہے اس کے علاوہ حکم عقل کی رو سے بھی رابط، مقصد و مقصود سے غیر ہے اور راہ غیر منزل و ہدف ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی فقیر کی، کسی امیر کے حضور میں شفاعت کر کے اسے پیسے دلائے گا تو کوئی بھی عاقل یہ نہیں کہے گا کہ یہ پیسے امیر اور شفاعت کرنے والے دونوں ہی کا عطیہ ہے بلکہ یوں کہے گا کہ امیر عطا کرنے والا ہے اور شفیع اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے المیزان کی طرف رجوع کریں)۔

آخر میں مولانا من الائمہ علی بن موسیٰ الرضاؑ کی روح پر فتوح کے حضور میں خالصانہ سلام پیش کرتے ہوئے اس کتاب کو اختتام تک پہنچاتا ہوں اور خدائے مہربان سے یہی التجا کرتا ہوں کہ آپؑ کے پیروکاروں کو آپؑ کے آسمانی اور ملکوتی مقام و منزلت سے آشنا فرمائے اور ان کو لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا زِیَارَتَہٗ فِی الدُّنْیَا وَ شَفَاعَتَہٗ فِی الْآخِرَۃِ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْن.

آج بروز بدھ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ ہجری مطابق مئی ۲۰۰۶ء کو بوقت اذانِ ظہر، امام رؤف ضامن الائمہ حضرت علی بن موسیٰ الرضا ؑ کے جوار مقدس میں اس کتاب کا ترجمہ اختتام کو پہنچا۔

اَلْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(حقیر مترجم)

استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ

مدارک وماخذ

قرآن کریم

عیون اخبار الرضاؑ

اصوکافی

ارشاد شیخ مفید

جلاء العیون مجلسی

امالی صدوق

منتہی الآمال ج ۲

اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ

تحف العقول

منتخب التوریخ

التحفۃ المہدویہ

رسالۃ الذہبیہ (طب وحفظان صحت)

ولایت عہدی حضرت رضا -

زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ از

تاریخ سیاسی اسلام۔ تالیف: عبدالقادر احمد،
ترجمہ ریاضی

زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ
تالیف: احمد مدرس خوشنویس

یادبود ہشتمین امام شیعیان

شرح زندگانی علی بن موسیٰ الرضا
تالیف احمد مغنیہ/ ترجمہ: غضبان

توحید صدوق